

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرمُ التفاسیر

الٓمّٓ

مولانا
محمد اکرم اعوان

1



وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

الٓمّٓ

مولانا
محمد اکرم اعوان

1

اکرم التفاسیر

مولانا محمد اکرم اعوان

پارہ .... اول

بار دوم .... اپریل 2013ء

تعداد .... ایک ہزار

قیمت .... -/470 روپے

ناشر عبد القدیر اعوان

ناظم نشر و اشاعت ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دار العرفان منارہ، ضلع چکوال

نے انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کروایا

اویسیہ کتب خانہ

اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ۔ ٹاؤن شپ لاہور

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سمجھنے میں انتہائی آسان، فرقہ پرستی سے پاک اور موجودہ زمانہ کے مطابق لکھی ہوئی قرآن اردو تفسیر وٹس ایپ پر فری حاصل کریں۔

یاد رکھیں گناہ جہالت کا پھل ہوتا ہے اور یہ بڑی شرم اور بدبختی کی بات ہے اگر ہم ساری زندگی میں اتنا بھی نہ جان سکیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ لیکن اب آپ کے پاس آسان طریقہ موجود ہے۔ قرآن کی تفسیر ہر وقت آپ کی جیب میں ہوگی اور آپ کو جب بھی دن میں فارغ وقت جہاں بھی حاصل ہو آپ کچھ صفحے روزانہ پڑھتے رہیں اس طرح کچھ ہی وقت میں آپ پورے قرآن کی تفسیر سمجھ سکتے ہیں جس سے آپ کے ہزاروں عقائد و اعمال کی اصلاح ہو کر شریعت کے مطابق ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں بہترین ہو جائیں گے۔ ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر موجود ہے۔



www.QuranTafseer.net

0092 323 520 5255

اپنے وٹس ایپ سے اوپر دیئے گے نمبر پر میسج کریں کہ آپ کو لکھی ہوئی تفسیر چاہیے۔ جبکہ ویب سائیٹ سے بھی آپ یہی تفسیر آڈیو، وڈیو اور تحریر کردہ حاصل کر سکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں سے یہ پوسٹ شئیر کر کے ڈھیروں ثواب حاصل کریں


بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مندرجات

از دل خیزد بر دل ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس بارے میں عرض کردوں کہ نہ تو خود ثنائی کی پہلے کوئی تمنا تھی' نہ اب ہے اور نہ انشاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسر قرآن کہے' نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں' یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور استاد المکرم حضرت مولانا اللہ یار خانؒ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم و معارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقت نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب وکتاب' جنت و دوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو رہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور انشاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں' قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لئے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں' آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہوسکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل وحمل ورسل ورسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے اس لئے ایک سے دوسری جگہ علوم وایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کر دیا یعنی Global Valley اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آ گئی ہے۔ اس لئے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی' ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر

کے منظر عام پر آنے کی۔ لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1974ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقام ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطا و کرم کی اس بارش میں اہل بصیرت نے دیکھا کہ فہم قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپرد قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالاتِ حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہل علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لئے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجات اخروی کا سبب بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے۔ (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

امیر محمد اکرم

امیر المکرم مولانا ملک محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حی علی الفلاح

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ۝

اور ہم نے قرآن کو ہدایت کے لئے آسان کر دیا' تو ہے کوئی جو ہدایت کا متلاشی ہو۔

تفہیم قرآن کی راہ میں مختلف حجابات بندے کو قرآن سے دور رکھنے کی شیطانی چالیں ہیں۔ جو شخص بھی خلوص دل کے ساتھ ہدایت کا طلب گار ہو گا' وہ فہم قرآن سے محروم نہیں رہ سکتا۔ قرآن اور حکمت کی تعلیم نبی اکرم ﷺ کا منصب عالی ہے۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اور خوش نصیب ہیں وہ نفوسِ قدسیہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس کارِ نبوت میں خدام کی صورت قبول فرمایا۔

یوں تو اس شعبہ میں جس قدر کام ہوا' اس کا احاطہ ممکن نہیں لیکن وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ برصغیر کے مفسرین کرام کو تفسیر کے میدان میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ علمی مرتبت کو دیکھا جائے تو ان کی تحریر کردہ اکثر تفاسیر عام قاری کی ذہنی سطح سے بہت بلند ہیں۔ یہ علماء کے استفادہ کے لئے لکھی گئیں اور صدیاں گزرنے کے باوجود ان کی افادیت آج بھی مسلّمہ ہے۔ ماضی قریب میں بعض تفاسیر کا مخاطب عام قاری بھی تھا اور اپنے وقت میں یہ بہت مقبول ہوئیں لیکن آج کے قاری اور ان کے درمیان ایک زمانہ حائل ہو چکا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اسلوب تحریر بدلتا رہتا ہے اور کم و بیش نصف صدی کا دورانیہ اس قدر تبدیلیاں لاتا ہے کہ ماضی کے علمی سرمایہ سے استفادہ کے لئے اسے وقت کے مطابق ازسرنو تحریر کرنا ضروری ہوتا ہے ورنہ یہ کتب خانوں کی زینت بن کر رہ جاتا ہے۔ ہماری موجودہ نسل قرآن فہمی کے معاملے میں اسی المیہ سے دوچار ہے کہ ماضی کی عام فہم تفاسیر بھی آج ان کی دسترس سے باہر نظر آتی ہیں۔

قدیم و جدید تفاسیر میں ایسی کوئی تفسیر سامنے نہیں آئی جو تحریر کی بجائے خطاب پر مبنی ہو' جو

دورِاول کے مفسرین کا انداز ہوا کرتا تھا۔ بطور مفسر آج جن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین' تابعین اور تبع تابعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی آراء سند کا درجہ رکھتی ہیں' کتابی صورت ان سے کوئی تفسیر منسوب نہیں۔ انہوں نے عام فہم بیان کی صورت وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ کی سنت اس طرح ادا کی کہ بلا تخصیص خاص وعام' ہر شخص اپنی ذہنی سطح کے مطابق مستفید ہوا۔ یہی بیانیہ تفسیر کا اعزاز ہے جو حاضرین کی ذہنی سطح کے مطابق ہوتی ہے جبکہ مسندِ علم پر بیٹھ کر لکھی ہوئی تفسیر اس کی مکلف نہیں ہوتی۔

صدیوں کے توقف کے بعد اب اکرم التفاسیر کی صورت یہ پہلی بیانیہ تفسیر منظر عام پر آئی ہے۔ صاحب تفسیر کی محافل میں ایک طرف علماء واساتذہ استفادہ کر رہے ہوتے ہیں تو اسی محفل میں ہر طبقہ اور مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے مختلف ذہنی سطح کے افراد بھی شریک نظر آتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی خالی ہاتھ نہیں اٹھتا۔ نہ صرف انہیں تفہیم قرآن نصیب ہوتی ہے بلکہ وہ دل کے دروازے پر قرآن کی دستک بھی محسوس کرتے ہیں اور کیفیات کا یہ ادراک کسی صوفیٔ کامل کی محفل میں ہی نصیب ہوسکتا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں ان محافل میں شرکت کی توفیق ملتی ہے لیکن اس تفسیر کا یہ بھی اعجاز ہے کہ اسے پڑھتے ہوئے قاری خود محسوس کرتا ہے کہ روئے سخن گویا اسی کی جانب ہے۔ چونکہ قرآن حکیم بندے سے اللہ تعالیٰ کا براہ راست خطاب ہے' لازم ہے کہ مطالعہ کے دوران قاری کو اس حقیقت کا ادراک نصیب ہو۔ یہی اس تفسیر کا امتیاز ہے جس کی وجہ سے بجا طور پر اسے اکرم التفاسیر کا نام ملا۔ دورِ حاضر میں اکرم التفاسیر نے قرآن فہمی کو آسان کر دیا ہے۔ اس کا مخاطب ہر طبقہ' ہر گھرانہ اور بلا امتیاز عمر و مرتبہ ہر فرد ہے۔ اب چند الفاظ صاحب تفسیر حضرت امیر المکرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کے متعلق، علم لدنی پر بات کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''علم اللہ کی طرف سے آتا ہے' اس کے لئے کوئی وقت درکار نہیں ہوتا' کوئی عرصہ نہیں لگتا۔ اس نے دے دیا اور لینے والے کو وصول ہوتا گیا' اس کو علم لدنی کہتے ہیں''۔

علم انعکاسی طور پر بھی عطا ہوتا ہے جس کی اکمل ترین مثال صحبت نبوی ﷺ ہے جہاں ایک نظر سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سینے جملہ علوم وفنون سے اس طرح لبریز ہوئے کہ ان کی رائے آنے والے علمائے' فقہائے' محدثین اور مفسرین کے لئے سند ٹھہری۔ اس سنت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع میں بطور کرامت کسی ولی کامل کی صحبت سے بھی قلوب میں علم کے سوتے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِهٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُ

پھوٹ پڑتے ہیں۔

حصولِ علم کے یہ دونوں ذریعے صاحب تفسیر حضرت امیر المکرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالیٰ کا تعارف بھی ہیں۔ ایک ربع صدی انہیں اپنے شیخ، قلزم فیوضات حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت نصیب ہوئی جو اپنی ذات میں علوم ظاہری و باطنی کی ایک فقید المثال یونیورسٹی تھے۔ ۱۹۷۴ء میں یہ ہونہار شاگرد اپنے شیخ کی معیت میں ملتزم پر حاضر دنیائے باطن کی ایک کمیاب جنس کا طلبگار رہا تو جواب ملا کہ تمہیں جو کچھ عطا کر دیا ہے وہ اس سے کہیں افضل ہے جو تم مانگ رہے ہو۔ یہ فہم قرآن تھا جس کے بعد آپ کی زبان سے قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے وہ مضامین جاری ہونے لگے کہ شریک محفل علماء کو بے ساختہ اعتراف کرتے ہوئے دیکھا 'اس آیت کا اصل مفہوم تو آج سمجھ میں آیا۔ علمی حلقوں میں حضرت امیر المکرم چھ جلدوں اور کم و بیش ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل قرآن حکیم کی تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے بطور مفسر ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔

اس سوال سے بھی واسطہ پڑتا ہے کہ اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کی کیا ضرورت تھی؟ قدیم ماٗخذ کتب کے ساتھ ساتھ ان کی شرح کا تصور علمی حلقوں کے لئے نئی بات نہیں۔ کسی حد تک اکرم التفاسیر کو اسرار التنزیل کی شرح بھی کہا جا سکتا ہے لیکن یہ دونوں تفاسیر انفرادی خصوصیات کی حامل ہیں۔ اسرار التنزیل بلند پایہ علمی مباحث کے علاوہ ایسے باطنی اسرار و رموز پر بات کرتی ہے جو طریقت کے طالبان کے لئے اہم اسباق ہیں جبکہ اکرم التفاسیر میں عموم پایا جاتا ہے اور اس کا مخاطب بلا تخصیص ہر شخص ہے۔ اس کا ہر مضمون دل میں اترنے والے پرزور اور عام فہم خطاب کی صورت اس صلائے عام کا پرتو نظر آتا ہے' کوئی ہے جو قرآن حکیم سے ہدایت کا طلبگار رہو!

اللہ کریم صاحب تفسیر کو عمر دراز عطا فرمائے' ان کے دم سے محافلِ تفسیر اسی طرح جاری رہیں اور جس عظیم کام کا آغاز ہو چکا ہے وہ پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ آمین!

ابوالاحمدین

یکم رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ

پارہ 1 الۤمۤ

سورۃ الفاتحہ رکوع 1 آیات 1 تا 7

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٣
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝٤ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝٥
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ
وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝٧

تمام خوبیاں اللہ کے لئے ہیں جو سب عالموں کے پروردگار ہیں ﴿۱﴾ بڑے مہربان نہایت رحم کرنے والے ہیں ﴿۲﴾ انصاف کے دن کے مالک ہیں۔ ﴿۳﴾ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی کی مدد چاہتے ہیں ﴿۴﴾ ہم کو سیدھے راستے پر چلایئے ﴿۵﴾ ان لوگوں کے راستے پر جن پر آپ نے انعام کیا ﴿۶﴾ سوائے ان لوگوں کی راہ کے جن پر آپ نے غضب کیا اور نہ گمراہوں کی ﴿۷﴾

قرآن کی سب سے پہلی سورۃ، سورۃ فاتحہ ہے لیکن اس سورۃ میں تمام قرآن کریم کا خلاصہ موجود ہے۔ سورۃ فاتحہ جب نازل ہوئی تو اس کے شانِ نزول میں علماء کرام لکھتے ہیں کہ شیطان سر میں مٹی ڈالتا تھا اور روتا تھا کہ جو لوگ نماز پنجگانہ ادا کریں گے اور اس کی ہر رکعت میں اس سورۃ کو پڑھیں گے تو میرا ان پر کیا بس چلے گا!

دعا مانگنے کا طریقہ:

سورۃ فاتحہ اللہ سے تعلق، اللہ پر اعتماد اور اللہ کریم سے اپنی حاجات مانگنے کا طریقہ بھی سکھاتی ہے۔ اس کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ اللہ کی حمد و ثنا ہے۔ اس کی ذات اور اس کی صفات جیسی ہیں، ان کے ساتھ اس کی تعریف بیان کی گئی ہے۔ دوسرا حصہ یہ ہے کہ اے اللہ! میں تیری ذات اور تیری صفات کو مانتا ہوں اور صرف تیری ہی عبادت کرتا ہوں۔ یعنی پہلے حصے میں عظمت الٰہی کا اظہار ہے، دوسرے حصے میں اپنی بندگی، اپنے عجز اور اپنے ضرورت مند ہونے کی بات ہے اور تیسرے حصے میں دعا مانگی گئی ہے۔ گویا دعا کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے عظمت الٰہی بیان کی جائے، اپنے عجز کا اقرار کیا جائے اور پھر جو چیز مقصود ہے وہ طلب کی جائے۔

جس طرح ہر عدالت کا ایک ادب و احترام ہوتا ہے، ہر حکومت کا ایک ضابطہ ہے اور آپ کو درخواست اس کے مطابق لکھنا ہے۔ ہائی کورٹ میں جاتے ہیں تو اس کے مطابق لکھنا پڑتی ہے۔ گورنر کے پاس ہیں تو اس کا اسلوب الگ ہوتا ہے۔ اسی طرح جب آپ بارگاہ الوہیت میں درخواست گزار ہوتے ہیں تو اس کا طریق کار الگ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اس کی حمد و ثنا کی جائے، اس کی عظمت کا اقرار کیا جائے، پھر دوسرے درجے میں اپنی عبودیت کا اظہار کیا جائے کہ میں تجھے مانتا ہوں میرا ایمان ہے تیرے ساتھ اور میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں۔ اب تیسرے درجے میں آ کر مدعا عرض کرے گا کہ بارِ الٰہا یہ میری ضرورت ہے، مجھے عطا فرما۔

بعض حضرات نے بسم اللہ کو الگ قرار دیا لیکن اکثر علماء کے نزدیک بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سورۃ فاتحہ کا حصہ ہے۔ اسی لئے ہم نماز کی ہر رکعت میں تعوذ کے بعد تسمیہ سے شروع کرتے ہیں اور دوسری رکعت میں اگرچہ ثنا نہیں پڑھی جاتی لیکن سورۃ فاتحہ، بسم اللہ شریف سمیت پڑھی جاتی ہے اور خاموش پڑھی جاتی ہے۔ امام قرأت کر رہا ہو تو قرأت تو الحمد للہ سے شروع کرتا ہے لیکن بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ دل میں ضرور پڑھتا ہے۔ اکیلے نماز پڑھ رہے ہیں تو بھی ثنا اور تعوذ نہیں پڑھا جاتا لیکن بعد کی رکعتیں، خواہ ایک ہے، دو ہیں یا تین، وہ بسم اللہ کے ساتھ شروع کی جاتی ہیں۔

میرے شیخ حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح سورۃ فاتحہ قرآن حکیم کا خلاصہ ہے، بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سورۃ فاتحہ، کا خلاصہ ہے کہ ہر کام کی ابتدا اس اللہ کے نام سے کرتا ہوں جو رحمن ہے اور رحیم ہے۔ پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ، اللہ کی ان پر کروڑوں رحمتیں ہوں، فرمایا

کرتے تھے کہ سورۃ فاتحہ قرآن حکیم کا خلاصہ ہے، بسم اللہ شریف، سورۃ فاتحہ کا خلاصہ ہے اور اس کی پہلی ''ب'' سارے قرآن، سارے دین کا خلاصہ ہے کہ یہ ''ب،، تلبّس کی ہے، اللہ کے نام کے ساتھ جوڑنے کی۔ یہ جڑنا جسے عربی میں تلبّس کہتے ہیں، کسی چیز کو کسی کے ساتھ جوڑنا، فرمایا یہ سارے دین کا خلاصہ ہے۔ سارے دین کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا بندہ اللہ کی ذات سے جڑ جائے۔

سعادت کلام:

میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ قرآن کریم کی ہر آیت دنیا و آخرت کے سارے مسائل کا جواب دے دیتی ہے۔ اپنی اپنی وسعت نظر ہے کہ اللہ کس کو کتنا دیتا ہے۔ جب یہ صورت ہے تو اللہ تعالیٰ نے اتنا قرآن کیوں نازل کیا؟ یہ اس کا کرم ہے، یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے اپنے بندوں سے کلام فرمایا اور فرماتا چلا گیا۔ کلام میں متکلم کا اثر ہوتا ہے، اس کی ذات کا اثر ہوتا ہے۔ آپ کسی بندے کو کسی برے آدمی کے ساتھ بٹھا دیں اور وہ اس کی صرف باتیں سنتا رہے تو اس کی عادتیں بگڑنا شروع ہو جائیں گی، اس میں اس کی ذات کا اثر آئے گا۔ کسی آدمی کو کسی نیک بندے کے ساتھ بٹھا دیں اور وہ روزانہ اس کی گفتگو سنتا رہے تو نیکی کی طرف مائل ہو جائے گا، وہ اثر اس میں بھی آ جائے گا۔ چنانچہ اللہ جل شانہٗ نے یہ جو اتنی کتاب عطا فرمائی، اس میں متکلم کا اثر کیوں نہ ہوگا!

علماء کہتے ہیں کہ طریقۂ ادب یہ ہے کہ بات مختصر ہو اور اس میں سارا مفہوم آ جائے۔ قرآن کریم کا کمال یہ ہے کہ چند لفظوں میں سارا مفہوم سمو دیتا ہے۔ پھر ادب یہ ہے کہ جو پوچھا جائے، وہ مختصر لفظوں میں عرض کر دیا جائے اور انبیاء علیہم السلام سے بڑا مؤدب کون ہوگا!

موسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول تھے، کلیم اللہ تھے۔ مختصر سا سوال ہوا:

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى (طٰہٰ: 17) موسیٰ آپ کے ہاتھ میں یہ کیا ہے۔ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرٰى ﴿١٨﴾ بات ختم ہو گئی۔ ''یہ میرا عصا ہے،، جواب ہو گیا لیکن وہ بات بڑھاتے چلے گئے۔ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرٰى ﴿١٨﴾ (طٰہٰ: 18) معلوم نہیں انہوں نے کتنی لمبی بات کی ہوگی؟ یہ میرا عصا ہے، میں اس سے سہارا بھی لیتا ہوں، اس سے ریوڑ بھی چراتا ہوں، اس سے اور بہت سے کام لیتا ہوں اور کون سے کام انہوں نے گنے ہوں گے؟ قرآن نے تو اختصار کیا، وہ کام بتائے نہیں لیکن انہوں نے تو گنے۔

وَلِیَ فِیۡہَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰی اور بہت سے کام لیتا ہوں۔ اس کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ایک اللہ کا رسول علیہ السلام، اولوالعزم رسول اور کلیم اللہ، اب اس سے زیادہ مؤدب کون ہوگا! ہِیَ عَصَایَ، تو جواب ختم ہوگیا پھر انہوں نے اتنی لمبی بات کیوں کی؟ علماء فرماتے ہیں کہ جو متکلم ہوتا ہے، اور جو مخاطب ہوتا ہے اس کے مطابق بات کرنے کا ایک اپنا مزا ہوتا ہے، اگر کوئی محبوب سے بات کر رہا ہے تو ایسا بے خود ہو جاتا ہے کہ اب بات کا مزا لینے کے لئے اسے لمبا کرتا چلا جاتا ہے۔

بیک لفظے تو اں گفتن تمنائے جہانے را

شاعر نے کہا ہے کہ دنیا کی ساری باتیں ایک لفظ میں کہی جا سکتی ہیں۔ کوئی ایک گھنٹہ بات کرے، آپ 'ہاں' کہہ دیں تو جواب ہوگیا، آپ 'نہ' کہہ دیں تو جواب ہوگیا یعنی دنیا کی ساری باتیں ایک لفظ 'ہاں' یا 'نہ' میں ختم ہو جاتی ہیں۔ کوئی شخص سارا دن آپ سے بات کرتا ہے، آپ اسے کہہ دیں کہ مجھے نہیں منظور، بات ختم ہوگئی۔

بیک لفظے تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از بہرِ حضوری طول دادم داستانے را

میں نے حضوری کی، مزے کی بات کو لمبا کر دیا کہ بات کس سے ہو رہی ہے۔ بات کرنے کا مزا آ رہا ہے، کرتے رہو۔

موسیٰ علیہ السلام چونکہ اللہ سے بات کر رہے تھے، مزے میں ایسے کھو گئے کہ بات منقطع کرنا نہیں چاہتے تھے تاکہ اللہ کے حضور بات جاری رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدیہ ﷺ پر یہ احسان فرمایا کہ اتنی باتیں کیں کہ قرآن مجید بن گیا۔ اب اس کے بعد بھی اگر کوئی نہیں سدھرتا تو اس کے سینے میں دل نہیں، پتھر ہے اور پتھر بھی چٹان جیسا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ قرآن سے جن کی اصلاح نہیں ہوتی، وہ پتھروں سے بھی گئے گزرے ہیں، اس لئے کہ پتھروں سے بھی نہریں اور چشمے جاری ہو جاتے ہیں، کچھ میں سے تھوڑا پانی نکل آتا ہے ورنہ غضبِ الٰہی اور عظمتِ الٰہی کے سامنے گر کر چور چور ہو جاتے ہیں لیکن جن پر قرآن بھی اثر نہیں کرتا، وہ پتھروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔

یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے اتنی لمبی گفتگو فرمائی۔ قرآن کا سمجھنا، قرآن پر عمل کرنا فرضِ عین ہے۔ قرآن کا سمجھنا عمل کی نسبت سے فرضِ عین ہے، جانے گا نہیں تو عمل کیسے کرے گا؟ لیکن قرآن اگر سمجھ میں نہ بھی آئے تو قرآن کو اللہ کا کلام سمجھ کر پڑھتے رہنا بھی خالی نہیں جاتا۔ دلوں کو منور کر دیتا ہے، اس لئے کہ یہ اللہ کا

کلام ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے ایک واقعہ بیان کیا کہ ہمارا ایک آدمی مر گیا۔ ہم اس کے لئے قبر تیار کر رہے تھے۔ اوپر سے قبر کا نشان نہیں تھا لیکن جب کھدائی کی گئی تو نیچے پرانی قبر تھی۔ قدرتی طور پر آدمی کو تجسس ہوتا ہے کہ جب قبر کھل ہی گئی ہے اور اس کے پتھر آ گئے ہیں تو دیکھیں۔ ہم نے ایک پتھر سرہانے سے ہٹایا تو وہ شخص یہاں تک درست تھا کہ ہم نے پہچان لیا کہ یہ تو گاؤں کا فلاں آدمی ہے۔ عجیب بات یہ دیکھی کہ کسی درخت کی ایک جڑ اس کے منہ کے اوپر سے گزر رہی تھی اور اس میں سے ٹپ ٹپ، قطرہ قطرہ، رس گر رہا تھا۔ رس گرنا تو ختم ہو گیا لیکن بڑی خوشبو تھی۔ ہم نے واپس پتھر رکھ کر قبر بند کر دی اور دوسری قبر بنا کر بندہ دفن کیا۔ واپس گئے تو اس کی بوڑھی اہلیہ جو ابھی زندہ تھی، اس سے پوچھا کہ تمہیں اپنے میاں کا کوئی عمل یاد ہے، کون سا ایسا نیک کام اس نے کیا ہے؟ وہ کہنے لگی کہ وہ بھی عام لوگوں کی طرح نماز روزہ ہی کرتا تھا اور اپنی مزدوری کرتا لیکن اس کی ایک بات خاص (منفرد) تھی، وہ پڑھا لکھا نہیں تھا لیکن قرآن کھول کے بیٹھ جاتا اور ہر سطر پہ انگلی پھیرتے ہوئے کہتا، اللہ! یہ بھی تو نے سچ کہا، اللہ! یہ بھی تو نے سچ کہا، اللہ! یہ بھی تو نے سچ کہا! وہ اس طرح سارا قرآن پڑھا کرتا تھا۔ غرض ہمارے لئے یہ تیس (30) پارے اللہ کریم کا وہ انعام ہے جس کا شکر ادا کرنا ممکن نہیں ہے۔

خلاصۂ تفسیر و معارف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ① اسلام کی بنیاد اس بات پر ہے کہ جو کچھ ہے صرف اللہ ہے باقی کوئی کچھ بھی نہیں۔ سب خوبیاں، سب کمالات اس رب کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ پروردگار وہ ہوتا ہے جو تخلیق سے تکمیل تک ہر مرحلے میں پرورش کرتا ہے اور جب، جہاں، جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ عطا فرماتا ہے۔ کوئی خوبصورت ہے تو حسن اُس کی عطا ہے، کوئی طاقتور ہے تو طاقت اُس کی عطا ہے، کوئی امیر ہے تو دولت اُس کی عطا ہے، کوئی صحت مند ہے تو صحت اُس کی عطا ہے، کوئی عالم ہے تو علم اُس کی عطا ہے۔ غرض جہاں جو خوبی تصویر میں ہے، وہ خوبی تصویر کی نہیں مصور کی ہے، کمال مصور کا ہے۔ کائنات میں جس جس کے پاس جتنی خوبیاں ہیں، وہ سب خوبیاں اللہ کی ہیں، باقی کوئی کچھ بھی نہیں۔ سارے کمالات اسی کی خوبیوں کے مظہر ہیں، اس کی عظمت کا اظہار ہیں۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ② وہ رحمن ہے، رحیم ہے۔ رحمن اور رحیم کا مادہ تو ایک ہے اور قرآن حکیم میں اختصار ہے، پھر ایک ہی لفظ دو بار کیوں لایا گیا؟ اس لئے کہ رحمن کا مفہوم جدا ہے، رحیم کا مفہوم جدا، لفظ ایک ہے۔ عربی میں فعل سے الفاظ کو تولا جاتا ہے۔ الرَّحْمٰنِ فعلان کے وزن پر ہے۔ فعلان کے وزن پر جتنے لفظ

آتے ہیں وہ لمحاتی اور وقتی ہوتے ہیں، ان میں دوام نہیں ہوتا جیسے فعلان کے وزن پر غضبان، غصے میں آیا ہوا بندہ۔ اب غصہ ہمیشہ تو نہیں رہتا، غصے میں آیا، غصہ فرو ہو گیا۔ اسی طرح اس وزن پہ عطشان آتا ہے، پیاسا۔ پیاس ہمیشہ تو نہیں رہتی، پانی پیا، پیاس ختم ہو گئی۔ حیران، یہ سارے فعلان کے وزن پہ ہیں۔ پریشان، اب پریشان ہمیشہ کوئی نہیں رہتا، وقتی پریشانی ہوتی ہے، ختم ہو گئی۔ الرحمن صفت باری تعالیٰ ہے۔ لیکن اس کا اظہار وقتی ہے۔ اس لئے فرمایا گیا: الرحمٰن للدنیا۔ جب تک دنیا قائم ہے اللہ کے رحمن ہونے کا اظہار ہوتا رہے گا۔ کافر کو بھی وجود بخشتا ہے، نعمتیں بخشتا ہے، حواس بخشتا ہے، طاقت، دولت، اولاد، کیا کیا نعمتیں دیتا ہے! یہ رحمانیت ہے۔ جب تک دنیا ہے اس صفت کا اظہار ہوتا رہے گا۔ دنیا ختم ہو گی تو اس صفت کا اظہار بھی ختم ہو جائے گا۔

دارالعرفان کے نزدیک ایک بہت بڑی چٹان بارود سے اڑائی گئی تو اس میں سے ایک چھوٹا سا پتھر کا گیند نکلا۔ اس گیند کو توڑا گیا تو اس میں اڑنے والی ایک مخلوق تھی، نیلے رنگ کی اور اتنا چھوٹا سا دائرہ اس کے لئے درمیان میں خالی تھا، زندہ بھی تھی، چل پھر بھی رہی تھی، کھا پی بھی رہی تھی۔ نوے فٹ ایک چٹان کے اندر اسے پیدا بھی کیا، اسے روزی بھی دے رہا ہے۔ یہ میرا مشاہدہ ہے لیکن مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ وہ پتھر کہیں کھو گیا، وہ تو رکھنے کے لائق تھا اور اس کے درمیان میں اس طرح دو ٹکڑے ہوئے کہ تھوڑی سی جگہ خالی تھی۔ اس طرح اس کی روزی کوئی نہیں روک سکا، تیری یہاں بیٹھ کے کون روک سکتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پہچان ہی نہیں سکے۔ اگر وہ بھوکا رکھ کر خوش ہے تو بھوکا رکھے۔ ہم کمزور ہیں، ہم دعا کریں گے یا اللہ! مجھ میں بھوکا رہنے کی ہمت نہیں، مجھے روزی دے۔ تو ہمارا حق ہے، وہ اس پر خوش ہوتا ہے۔ ہم بیٹھ جائیں کہ اللہ نے تو دی تھی لیکن کسی نے راستے میں روک دی۔ یہ ایمان مسلمان کا نہیں، ہندوؤں کا عقیدہ ہے۔

ربوبیت:

رحمانیت دنیا کے لئے بہت وسیع ہے۔ اللہ کی ربوبیت بہت وسیع ہے، جس کا آدمی اندازہ نہیں کر سکتا۔ ہر تنکا، جو اگتا ہے، ہر پھول جو کھلتا ہے، ہر پھل جو پکتا ہے اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے۔ وہ چیونٹی سے لے کر بڑی سے بڑی مخلوق کو پیدا کرتا ہے، پالتا ہے، روزی دیتا ہے۔ یہ سورج جو طلوع ہوتا ہے، اس کا کرم ہے، اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں ہمیں تپش دے رہا ہے، چیونٹی سمجھتی ہے میرے انڈے سینک

رہا ہے، پھل سمجھتا ہے مجھے پکار رہا ہے، فصل سمجھتی ہے مجھے اگا رہا ہے۔ جتنے بے شمار کام ایک سورج کے آنے اور جانے سے وابستہ ہیں، ہم گن نہیں سکتے، یہ اُس کی ربوبیت ہے۔ چونکہ وہ رب ہے اس لئے اس نے تخلیق بھی کرنی ہے، ان کی پرورش بھی کرنی ہے اور انہیں ان کے کمال اور انجام تک پہنچانا بھی ہے۔

آپ دیکھتے ہیں ایک مکھی کتنا سفر کرتی ہے، کہاں کہاں جاتی ہے۔ کس کس پھول سے رس لیتی ہے اور کیسے شہد بناتی ہے! اس مکھی کو سکھانے والا کون ہے؟ مکھیاں پالنے والے کہتے ہیں کہ مکھی کی اوسط عمر دو مہینے ہوتی ہے اور وہ یہ سب کام کرتی ہے۔ کسی کو سیکھنا پڑے تو دو سالوں میں بھی سکھایا نہیں جاسکتا کہ کس پھول سے رس کس طرح لینا ہے؟ اس میں کون سا مادہ ملانا ہے اور کس طرح ڈھالنا ہے، پھر شہد بنے گا۔ اس کا مطلب ہے شہد کی مکھی پیدا ہوتی ہے تو اسے وہ سکھا دیتا ہے کہ شہد ایسے بنانا ہے اور وہ کام میں لگ جاتی ہے۔ جانور کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے پتہ ہے میری روزی ماں کے تھنوں میں ہے، وہ دودھ کی تلاش کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ مچھلی کا بچہ سمندر میں پیدا ہوتا ہے اور تیرنا شروع کر دیتا ہے۔ اسے تیرنا کون سکھاتا ہے؟ کون بتاتا ہے مچھلی کے اس چھوٹے سے بچے کو؟

میں نے ایک (Documentry) میں دیکھا کہ شتر مرغ کے انڈے سے بچہ نکلا، وہ ابھی دو چار قدم ہی چلا تھا کہ کچھ فاصلے پر ایک جنگلی جانور گزرا۔ وہ بچہ زمین پہ بیٹھ کے چھپ گیا، سرکا بھی نہیں اور سمٹ کر بیٹھ گیا۔ ڈاکومینٹری پیش کرنے والا اس پہ تبصرہ کر رہا تھا کہ اس بچے کی عمر دو منٹ ہے لیکن اسے کس نے بتا دیا کہ تیرے لئے یہ خطرہ ہے اور اس سے تجھے اس طرح بچنا ہے؟ یہ سارا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے مظہر ہیں۔ اس نے مخلوق کو پیدا کرنا ہے، پالنا ہے، اس کی ہر ضرورت پوری کرنی ہے۔ جس علم کی ضرورت ہے، عطا کر رہا ہے۔ شیر کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو تین مہینے تک آنکھیں ہی نہیں کھولتا۔ اسے کوئی خطرہ نہیں ہے، جنگل میں بے فکر پڑا ہے۔ ہرنی کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو دوسرے لمحے ماں کے ساتھ بھاگ رہا ہوتا ہے۔ اس کے لئے خطرہ ہے، اس لئے اسے بھاگنا ہے۔ ہر ایک کی نہ صرف ضرورتیں پوری کیں بلکہ احساس ضرورت بھی عطا کر دیا کہ تجھے اس چیز کی ضرورت ہے۔ پھر اسے تکمیل کا ذریعہ سمجھا دیا کہ اس طرح تیری یہ ضرورت پوری ہوگی۔ اتنی وسیع ربوبیت بھی اس کی رحمانیت کا ایک شعبہ ہے۔

الرحمٰن للدنیا۔ رحمانیت دنیا کے لئے ہے، مومن کو بھی روزی دیتا ہے، کافر کو بھی دیتا ہے۔

پالن والا سرتے حاضر کل جیاں نوں پالے
عیبی دیکھ نہ دھکے درتوں ہو رنج برات نہ ٹالے

وہ کسی کے گناہ پر اس کی روزی بند نہیں کرتا، اس سے باقی نعمتیں سلب نہیں کرتا۔ اگر ایک ہی نعمت لے لیتا کہ جو گناہ کرے گا وہ اندھا ہو جائے گا۔ میں اس کی نظر واپس لے لوں گا تو کس کو جرأت ہوتی گناہ کرنے کی؟ وہ قادر ہے لیکن اس نے دنیا میں اجازت دے رکھی ہے۔

اِنَّا هَدَیۡنٰهُ السَّبِیۡلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوۡرًا○ (الدھر:3) میں نے اتنی نعمتیں دی ہیں، اب میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ کون میرا شکر ادا کرتا ہے اور کون ناشکری کرتا ہے۔ بندے کو صرف یہ اختیار ہے کہ وہ شکر کا راستہ اختیار کرتا ہے یا ناشکری کا۔

الرَّحِیۡمِ: یہ فعیل کے وزن پر ہے۔ اس وزن میں جتنے اوصاف آتے ہیں ان میں دوام ہوتا ہے جیسے حکیم، علیم۔ اب کوئی دانا ہے تو ہمیشہ کے لئے دانا ہے، کوئی عالم ہے تو ہمیشہ کے لئے عالم ہے، یہ وقتی صفت نہیں ہے۔ تو فعیل کے وزن پر جتنے لفظ آتے ہیں ان میں دوام ہوتا ہے۔ الرحیم میں دوام ہے۔ یہاں بھی ان پر رحمت ہوگی، آگے بھی رحمت ہوگی، ازل تا ابد، یہ رحمت منقطع نہیں ہوگی۔ اس لئے فرمایا گیا۔ الرحمٰن للدنیا والرحیم للاٰخرۃ۔ رحمٰن دنیا کے لئے ہے اور رحیم دونوں جہانوں کے لئے۔ دنیا و آخرت، دونوں کے لئے ہے کہ نور ایمان رحیمیت ہے۔ نیکی کی توفیق رحیمیت ہے۔ چونکہ اس دنیا میں، موت کے بعد برزخ میں، حشر میں اور اس کے بعد ہمیشہ کے لئے جس پر رحیمیت ہوگی، اس کے ساتھ رہے گی۔

اللہ تعالیٰ رحیم ہے، جنہیں رحمت الٰہی سے کوئی ذرہ نصیب ہو جاتا ہے، وہ کتنے خوش نصیب لوگ ہوتے ہیں۔

رحمتِ عالم ﷺ:

پھر اس نے فرمایا: وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ○ (الانبیاء:107)

میرے حبیب ﷺ! میں نے تجھے تمام جہانوں، تمام کائنات کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا، رحمت مجسم کر دی۔ یہاں انسانیت کی بات ہو رہی ہے کہ نبی کریم ﷺ افضل البشر، خیر البشر، بے مثل، بے مثال، مخلوق ہیں لیکن ہیں تو انسان۔ ساری رحمتِ الٰہی کو سمیٹ کر انسان بنا دیا، پھر بھی ہم محروم رہ جائیں تو اب اس کے بعد کیا ہو سکتا ہے۔ ہماری طرح اللہ کا حبیب ﷺ کھائے پیئے، روزہ رکھے، نماز پڑھے، سجدہ کرے، گرمی سردی سے تحفظ کرے، جہاد کرے، ساری زندگی کے آداب عملی طور پر کر کے سکھائے اور ہم پھر بھی محروم رہ جائیں تو ہے کوئی بچنے کا سبب یا ہے کوئی جائے پناہ! اللہ کی طرف سے تو عطا کی

حد ہوگئی۔ اس کے شایانِ شان ہے کہ اتنی عطا کرے، یہ اسی کو زیب دیتا ہے۔ اس نے ساری رحیمیت مجسم کر دی۔ اب حق تو یہ ہے کہ رحمت عالم ﷺ کو دل و جان میں سمولیا جائے۔ دل و جان لٹ جائیں اور ہر جگہ محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت رہ جائے لیکن شاید ہمیں نہ اپنا احساس ہے کہ ہم کیا ہیں، نہ زندگی کی قیمت کا اندازہ ہے کہ یہ لمحات کتنے قیمتی ہیں اور شاید یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمیں عظمت رسول ﷺ کا اندازہ نہیں ہے۔

ہم کافروں جیسے نظر آنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، ہم اپنے آپ کو بدمعاش کہلوا کر خوش ہوتے ہیں، ہم اپنے آپ کو زبردست کہلوا کر خوش ہوتے ہیں، ہم اپنی حیثیت کو بھول جاتے ہیں، ہم چاہتے ہیں لوگ ہماری تعریف کریں۔ بھئی ہم کیا ہیں! تعریف تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی ہے، اس کی عطا کی ہے اور اس کے کرم کی ہے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴿۳﴾ وہ ایسا بادشاہ ہے کہ اس نے ایک عالم بنا دیا۔ اس میں بادشاہ و سلاطین و امراء آئے۔ ہر ایک نے اپنی بادشاہی کا دعویٰ کیا اور بعض بدبختوں نے تو خدا ہونے کا بھی دعویٰ کر دیا۔ بعض بے نصیبوں نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ انہوں نے یہی سمجھا کہ یہ اللہ کا تصور اور دین، شاید سارا فراڈ اور کھیل ہی ہے، چلو ہم بھی نام کے ساتھ نبی لگالیں اور ہم بھی موج کریں، لیکن ایک دن ایسا آنے والا ہے جب وہ پوچھے گا۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ بتاؤ آج حکومت کس کی ہے! کون ہے بادشاہ حقیقی! کس کے لئے ہے بادشاہت؟ ساری دنیا میں اول انسان سے آخر تک، جنات، حیوانات، چرند پرند، ہر چیز حاضر ہوگی۔ ساری مخلوق حاضر ہوگی۔ کوئی دم نہیں مارے گا۔ پھر وہ خود ہی جواب دے گا۔

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ حکومت اللہ کی ہے۔ کوئی جھوٹا دعویٰ بھی نہیں کرے گا۔ فرمایا:

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴿۳﴾ اے اللہ! میں تجھے جانتا ہوں، تو ہی مالک ہے اس دن کا جس دن سب بادشاہتیں نابود ہوں گی، صرف تیری بادشاہی ہوگی۔ جس دن یہ پتہ چلے گا کہ حکومت کس کی ہے اور کون سزاوار ہے۔ اب جب یہاں پہنچتا ہے تو انداز دیکھیں! اس نے اللہ کی حمد بیان کی، اسے رب العٰلمین مانا، رحمن و رحیم مانا، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴿۳﴾ مانا تو اسے احساس ہوتا ہے کہ اس میں، میں اکیلا تو نہیں ہوں۔ اللہ کے بڑے برگزیدہ بندے اس میں فرشتے شامل ہیں، اس میں انبیاء و رسل شامل ہیں، ان میں اصحاب کبار شامل ہیں، اس میں اولیاء اللہ شامل ہیں، اس میں علماء حق شامل ہیں، اس میں حفاظ و قراء شامل ہیں، اس میں علماء شامل ہیں تو خود کو ان میں سمو دیتا ہے اور کہتا ہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ اب تک اکیلا بات کر رہا تھا، اب کہتا ہے ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں یعنی خود کو ان لوگوں کے زمرے میں لے گیا جو اللہ کے بندے تھے اور یہ طریقہ خود اللہ تعالیٰ نے بندے کو تعلیم فرمایا۔ وہ اکیلا بات کر رہا تھا، ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پالنہار ہے، جو رحمن ہے اور رحیم ہے، جو یوم جزاء کا مالک وشہنشاہ ہے لیکن یہاں آ کر دیکھتا ہے کہ اس کی بارگاہ تو بھری ہوئی ہے اس کے بندوں سے، اس کے فرشتوں سے، اس کے پیاروں سے، صحابہ کرامؓ سے، اولیاء کبار سے، علمائے حق سے وہ خود کو بھی ان میں سمو لیتا ہے اور کہتا ہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اس میں یہ بھی سبق ہے کہ خود کو اللہ کے بندوں میں شامل کرو۔ نیکوں کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

دیکھو اکیلا کھڑا تھا بندہ، بات کر رہا تھا اللہ سے، جب اس کی بارگاہ کا دروازہ کھلا، اس کا دربار کھلا تو اس نے دیکھا کہ میں اکیلا تو نہیں ہوں یہاں تو آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آج تک کی مخلوق حاضر ہے، یہاں تو شجر و حجر حاضر ہیں، یہاں تو جن وانس حاضر ہیں، یہاں تو انبیاء ورسل حاضر ہیں، یہاں تو فرشتے سجدہ ریز ہیں۔ خود کو بھی شامل کرتا ہے، ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ کیا خوبصورت انداز ہے! اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ تعلیم فرمائی تو شیطان اس لئے روتا تھا کہ جب قاری خود کو مقبولان بارگاہ الٰہی میں شامل کر کے گا تو اس پر بس نہ چل سکے گا۔

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؁ ہم اپنی ساری ضرورتوں کی تکمیل تجھی سے چاہتے ہیں۔ یوں تو ساری ضرورتیں ہی بہت اہم ہیں۔ یا اللہ! رزق کے لئے بھوک لگتی ہے، پینے کے لئے پیاس لگتی ہے، بچوں سے پیار ہے، بیوی سے پیار ہے، خاندان سے پیار ہے، ماں باپ سے الفت ہے، دوستوں سے محبت ہے، زندگی آرام سے اور خوبصورت گزارنا چاہتے ہیں لیکن ایک چیز بہت قیمتی ہے۔ پھر وہی مانگتا ہے اور کہتا ہے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ؅ اے اللہ! مجھے سیدھا راستہ دکھا جو سب سے زیادہ قیمتی ہے۔ زندگی کے باقی سارے مسائل تو ساتھ ہیں لیکن وہ ایک ہجوم عاشقاں میں شامل ہو گیا ہے اور کہتا ہے، اللہ مجھے سیدھے راستے پہ ہی رکھنا۔ اسی طرح تیری بارگاہ میں حاضر رہوں، کہیں غلط راستے پہ میرے قدم نہ اٹھ جائیں۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ وہاں سارے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا۔ کہتا ہے، انہی کے ساتھ مجھے بھی رکھنا یا اللہ! یہی جو تیرے انعام یافتہ لوگ ہیں، انہی کے راستے پہ مجھے ثابت قدم رکھنا۔ میں ابھی دارِ دنیا میں ہوں، میں ابھی نفس اور شیطان کے نرغے میں ہوں، کہیں اس راستے سے بھٹک نہ جاؤں، کہیں ان لوگوں سے الگ نہ ہو جاؤں، کہیں اس بارگاہ کا دروازہ مجھ پر بند نہ ہو جائے!

اب اُن سے پوچھو جو نماز ہی نہیں پڑھتے۔ وہ کس شئی پہ نہیں پڑھتے؟ میرا مسلک یہاں بھی جداگانہ ہے۔ لوگ کہتے ہیں وہ نماز نہیں پڑھتے۔ میں کہتا ہوں اللہ انہیں پڑھنے کی توفیق ہی نہیں دیتا۔ وہ ان سے ناراض ہے، انہیں اپنے بندوں میں کھڑا نہیں ہونے دیتا۔ انہیں توبہ کرنی چاہیئے، معافی مانگنی چاہیئے، استغفار کرنا چاہیئے کہ وہ توفیق دے، اس لئے کہ اللہ کی بارگاہ کی حضوری بندے کی ضرورت ہے۔ اللہ کو تو کسی سے کوئی غرض نہیں ہے۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ان لوگوں کے ساتھ رکھ جن پہ تو نے انعام کیا۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۝ یا اللہ! دو طرح کے لوگوں میں مت لے جا، ایک مغضوب اور ایک ضآلین۔ مغضوب وہ ہیں جو اللہ کے غضب کے مارے ہوئے ہیں، جنہوں نے اللہ کے رسولوں سے دشمنی کی، اللہ کی ذات کا اور اس کے نبی کا انکار کر دیا۔ جنہوں نے واضح کفر اختیار کیا وہ غضب کے مارے ہوئے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں، نبی کو مانتے ہیں، جیسے یہود و نصاریٰ اپنے دین دار ہونے کے دعوے دار ہیں لیکن یہودی کہتے ہیں، عزیر ابن اللہ اور عیسائی کہتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے تھے، یعنی اپنی مرضی سے دین بنالیا اور اس پر عمل کر کے خود کو دین دار سمجھتے ہیں۔ فرمایا، یہ گمراہ لوگ ہیں۔ اے اللہ! مجھے ان سے بھی بچانا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی کرتے ہیں اور ان سے بھی جو دین اپنی طرف سے گھڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے، دونوں سے بچانا۔ یہ گمراہ ہیں اور وہ مغضوب ہیں۔

آمین۔ اے اللہ! میری گزارش قبول فرما۔

سورۃ البقرہ رکوع 1 آیات 1 تا 7

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

الٓمّٓ ۝١ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٢ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ
بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝٣ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ
بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝٤ أُولٰٓئِكَ
عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٥ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٦ خَتَمَ اللهُ عَلٰى
قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلٰٓى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ
عَظِيْمٌ ۝٧

الم ﴿۱﴾ یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں پرہیز گاروں کی راہنمائی کرتی
ہے۔ ﴿۲﴾ وہ جو غائب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو ہم نے
ان کو نعمتیں دی ہیں ان میں سے خرچ کرتے ہیں ﴿۳﴾ اور جو لوگ ایمان لاتے
ہیں اس پر جو آپ پر نازل کی گئی اور جو آپ سے پہلے نازل کی گئی اور وہ آخرت پر
یقین رکھتے ہیں ﴿۴﴾ وہ لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی
لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں ﴿۵﴾ یقینا جن لوگوں نے کفر اختیار کیا انہیں آپ متنبہ
کریں یا نہ کریں برابر ہے کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ﴿۶﴾ اللہ نے ان کے
دلوں پر مہر کردی ہے اور کانوں پر (بھی) اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے

اوران کے لئے بڑا عذاب (تیار) ہے ﴿۷﴾

خلاصہ تفسیر و معارف

الکتاب:

پہلا پارہ سورۃ البقرہ کی ابتدا ہے اور قران حکیم کی ابتدائی اور شروع کی آیت کریمہ سب سے پہلے اس بات کا اعلان فرماتی ہے کہ اس وقت روئے زمین پر جو اہل کتاب ہیں اُن کے پاس بھی حقیقی کتاب نہیں ہے۔ بہت بڑی تعداد عیسائیت کی ہے لیکن جو کچھ عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا ان کے پاس اُس میں سے ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ انجیل میں مختلف حوارین کی بیان کردہ باتیں ہیں اور انہی کے نام سے موسوم ہیں لیکن اس بات کی بھی کوئی ضمانت نہیں کہ وہ باتیں حوارین کی ہوں اس لئے کہ کلیسا نے اُس میں بے شمار تبدیلیاں کیں اور وقت اور حالات نے اُسے کچھ سے کچھ بنا دیا۔ یہی حال باقی آسمانی کتب کا ہے اور وہ مذاہب جو اہل کتاب کے نہیں ہیں اُن کے پاس تو ان کے کچھ لوگوں کی گھڑی گھڑائی کہانیاں ہیں جن کی صحت کی کوئی سند نہیں۔ قرآن حکیم کی ابتدا ہی اس بات سے ہوتی ہے کہ اس یقین کے ساتھ آگے چلو کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی کسی خبر یا کسی امر یا کسی نہی میں کوئی شبہے کی گنجائش باقی نہیں ہے۔ جو خبر دی وہ بھی حتمی ہے اور اوامر بھی نا قابل تبدیل ہیں، اُن میں کوئی ترمیم نہیں ہوسکتی۔ نواہی بھی حتمی اور یقینی ہیں، نا قابل ترمیم ہیں، کوئی انہیں بدل نہیں سکتا۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ یہ ہے وہ کتاب، ایک ایسی کتاب جسے الکتاب کہا جائے۔ روئے زمین پر اس وقت صرف ایک ایسی کتاب ہے جس کے کسی لفظ میں، کسی بھی بات میں، کسی بھی خبر میں، کسی بھی حکم میں کسی طرح کا کوئی شبہ نہیں اور خوش نصیب ہے وہ قوم جس کے پاس یہ کتاب ہے اور خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس پر ایمان لائے اور اس پر یقین رکھتے ہیں۔ عند اللہ جو نتائج مرتب ہوتے ہیں وہ کردار پر ہوتے ہیں اور محض کہنے سے بات نہیں بنتی۔ اس لئے فرمایا:

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ هُدًى کا معنی عربی میں بہت وسیع ہے۔ اگر اسے مختصر الفاظ میں سمونا ہو تو اس کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ کسی بھی کام کو کرنے کا جو صحیح ترین طریقہ ہے، وہ ھُدًى کہلائے گا۔ سفر ہو، حضر ہو، خرید و فروخت

ہو، دوستی دشمنی ہو، معاشرتی مسائل ہوں، سیاسی ہوں، ملکی ہوں، قومی ہوں، کسی بھی کام کے کرنے کا جو صحیح ترین طریقہ ہے وہ ھُدًی کہلائے گا۔ فرمایا یہ کتاب، کتابِ ہدایت ہے لیکن لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ اہل تقویٰ کے لئے۔ اب جیسے بارش برستی ہے، ہر ایک پر برستی ہے، امیر وغریب پر، خوبصورت جگہ پر بھی اور بدصورت جگہ پر بھی لیکن اُس کے لئے یہ ضروری ہے کہ دامن اُسی کا تر ہوگا جو بارش میں کھڑا ہوگا۔ اگر خود کو الگ کر لیتا ہے، کسی مکان میں روپوش ہو جاتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ میرا دامن تو گیلا نہیں ہوا تو قصور بارش کا نہیں ہوگا، اُس آدمی کا ہوگا۔ اسی طرح کتاب ہدایت ہے لیکن اُن لوگوں کے لئے ہے جو اہل تقویٰ ہوں اور ہدایت کے خواہش مند ہوں۔

تقویٰ:

تقویٰ کا ترجمہ اکثر احباب ''ڈر'' لکھ دیتے ہیں۔ ڈر بے شمار قسم کے ہوتے ہیں، ہم ایذاء پہنچانے والی چیزوں سے ڈرتے ہیں، چور سے بھی ڈرتے ہیں، ڈاکو کا ڈر بھی ہوتا ہے، دشمن کا اور جان جانے کا ڈر اور خطرہ بھی ہوتا ہے۔ یہاں ان میں سے کوئی بھی مراد نہیں اور لفظ ڈر تقویٰ کے مفہوم کو ادا نہیں کر پاتا۔ تقویٰ ایک ایسا ڈر ہے جو کسی محبت کرنے والے کو اپنے محبوب کی ناراضگی سے ہوتا ہے۔ ہم والدین سے محبت کرتے ہیں تو کوئی کام کرنے سے پہلے یہ خیال ضرور آتا ہے کہ کہیں والد گرامی ناراض تو نہیں ہوں گے، اس لئے کہ ہمارے دل میں اُن کا ایک مقام ہے، ایک عظمت ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ وہ ہم سے خفا ہوں۔ اسی طرح کا تعلق اللہ کریم سے بن جائے اور یہ تعلق کیسے نہ بنے کہ ہر روز دن میں پانچ مرتبہ وہ اپنی طرف آواز دے کر بلاتا ہے، کہ آؤ میرے پاس، آؤ مجھ سے بات کرو، جو چاہتے ہو مانگو، جو خطرہ ہے بتاؤ، جو ضرورت ہے وہ پیش کرو، مجھ سے اپنا دکھ درد بیان کرو، مجھ سے اپنی حالت بیان کرو، میرے سامنے اقرار کرو کہ تم میرے بندے ہو، میں تمہارا رازق ہوں، خالق ہوں، مالک ہوں۔ تمہاری ہر ضرورت پوری کرنا میرا ہی منصب عالی ہے، میری قدرت کاملہ تمہاری ہر ضرورت پوری کرتی ہے۔ ہمیں جن ضرورتوں کا احساس ہوتا ہے بعض اوقات وہ ہمارے لئے ضروری نہیں ہوتیں اور بعض ایسی ضرورتیں جن کا ہمیں احساس ہی نہیں ہوتا وہ ضروری ہوتی ہیں، تو وہ ایسا قادر ہے کہ جو ہم نہیں جانتے وہ بھی پوری فرما دیتا ہے۔

دعا:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی کوئی دعا کبھی رد نہیں ہوتی ۔ مومن جو دعا بھی کرتا ہے اس یقین وایمان کے ساتھ ،جس کا مطالبہ قرآن کر رہا ہے، تو ہر دعا پوری ہوتی ہے لیکن اُس کے انداز مختلف ہوتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات بعینہٖ دعا پوری ہو جاتی ہے لیکن اُس کے پورے ہونے کا وقت معین ہوتا ہے ۔جب وہ وقت آتا ہے تو پوری ہوتی ہے ۔ ہمارا حوصلہ کم ہے، ہم دعا کرنے کے بعد اُسی وقت انتظار میں ہوتے ہیں ابھی ایسا ہو جائے کہ جیسا میں نے کہا ہے ۔ یہ دعا تو نہیں ، یہ تو حکم ہوا اور حکم دینا اُسی کا کام ہے، ہمارا کام نہیں ۔ ہمارا کام درخواست پیش کرنا ہے اور درخواست کبھی حکم نہیں ہوتی کہ جیسے حکم ہوا اُسی وقت تعمیل بھی ہو ۔ اللہ تعالیٰ مومن کی درخواست رد نہیں کرتا، پھر کبھی یہ ہوتا ہے کہ جس طرح کوئی کم سن بچہ چمکتی ہوئی چھری اٹھا لیتا ہے یا اٹھانا چاہتا ہے تو والدہ منع کر دیتی ہے اور کوئی دوسری چیز پکڑا دیتی ہے جس سے نقصان کا اندیشہ نہیں ہوتا۔حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات انسان ایسی دعائیں کرتا ہے جو اُس کے لئے مضر ہوتی ہیں ۔ اللہ کریم انہیں بدل دیتا ہے اور اُس کے لئے جو بہتر ہے وہ عطا فرما دیتا ہے لیکن بندہ اس خیال میں رہتا ہے کہ میں نے دعا کی وہ پوری نہیں ہوئی ۔ پوری ہو جاتی ہے لیکن جو کچھ وہ مانگ رہا ہے وہ اُس ننھے معصوم بچے کی طرح خود اُس کے لئے نقصان دہ ہے جس سے وہ آشنا نہیں ہے ۔ وہ ایسا کریم ہے کہ جو چیز مفید ہوتی ہے وہ تبدیل کر کے دے دیتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر وہ دعائیں اُس کی آخرت کے لئے اللہ کریم الگ سے جمع کر دیتے ہیں ۔حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں، میدان حشر میں جب میزان پہ مخلوق جمع ہو گی اور اعمال تولے جار ہے ہوں گے تو کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ جن کے اعمال کا جب وزن ہو جائے گا تو اللہ کریم فرمائیں گے کہ ٹھہرو! اس کی کچھ امانت میرے پاس بھی ہے جو فرشتوں کے علم میں نہیں ہے ۔ جو اعمال کے حساب کتاب میں نہیں ہے وہ میرے پاس محفوظ ہے، وہ دعائیں جن کا بدلہ دنیا میں نہیں دیا جاتا ۔جس شخص کی وہ دعائیں محفوظ ہوں گی ، اُسے وہ اُس وقت عطا کر دی جائیں گی کہ اس کے نامہ اعمال کی نیکیوں میں رکھ دیں ۔ آپ ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ بڑے بڑے مستجاب الدعوات اُس دن یہ خواہش کریں گے کہ کاش دنیا میں میری کوئی دعا پوری نہ ہوئی ہوتی اور آج وہ ساری جمع ہو جاتیں۔

اللہ کریم مومن کی ہر خواہش و آرزو کو جانتا ہے، اور اسے پورا فرماتا ہے ۔ ہر مومن کا اُس کے ساتھ یہ رشتہ بن جائے ، جب اُس پر مکمل اعتماد ہو ۔ اعتماد کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بنی

اسرائیل کو لے کر چل نکلیں تو وہ ساری قوم کے ساتھ رات کو نکل پڑے۔ صبح فرعون کو خبر ہوئی تو اُس نے تمام لشکر اکٹھا کیا اور تعاقب میں چل نکلا۔ اب سامنے سمندر آ گیا، پیچھے فرعون کا لشکر گرد اڑا رہا تھا تو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا، آپ نے ہمیں مروا دیا، اب تو کوئی جائے پناہ بھی نہیں۔ اگر سمندر میں اُترتے ہیں تو ڈوب کے مرتے ہیں اور خشکی پہ رہتے ہیں تو فرعون قتل کرتا ہے، آپ کی وجہ سے تو ہم ایک ایسی مصیبت میں پھنس گئے جس سے بچنے کا کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ انہوں نے بڑے اطمینان سے فرمایا:

اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ○ (الشعرآ:62) میرا رب میرے ساتھ ہے، راستہ بنانا یہ اُس کا کام ہے یعنی اگر کوئی بڑے سے بڑا پہاڑ، بڑی سے بڑی مصیبت بھی سامنے آ جائے تو بندے کو یہ اعتماد ہو کہ میں اکیلا نہیں ہوں، میرے ساتھ میرا پروردگار ہے۔ تقویٰ اس کیفیت کو کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ○ (الرحمن:46) جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرے تو اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔

اللہ کے حضور پیشی کا خوف:

ایک شخص کی اور بیگم کی ناچاقی ہوئی تو بیگم نے غصے میں کہہ دیا کہ آپ کے الفاظ تو ایسے ہیں کہ لگتا ہے آپ جہنمی ہیں۔ اس نے جواب میں کہا کہ اگر میں جہنمی ہوں تو تمہیں طلاق۔ اب یہ مسئلہ الجھ گیا کہ طلاق واقع ہوئی یا نہ ہوئی۔ علماء سے رجوع کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اپنی زندگی کا کوئی ایسا اہم واقعہ بتایئے جس پر کچھ فیصلہ کیا جا سکے۔ اُس شخص نے سوچ کر کہا کہ مجھے ایک خاتون سے بہت لگاؤ ہو گیا تھا لیکن وہ میری بات نہیں مان رہی تھی۔ آخر اسے حالات نے مجبور کر دیا لیکن مجھ پر خوف خدا غالب آ گیا، میں نے اُسے چھیڑا تک نہیں۔ اس پر علماء نے فتویٰ دے دیا کہ طلاق نہیں ہوئی۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ (الرحمن:46) جو اللہ کے سامنے پیشی سے ڈر گیا اس کے لئے دو جنتیں ہیں، ایک نہیں، لہٰذا یہ طلاق نہیں ہوئی۔ اس کیفیت کا پتہ اُس وقت چلتا ہے کہ جب گناہ کی کوئی صورت پیش آتی ہے۔ اس وقت اگر اللہ سے تعلق میں اتنی قوت ہو کہ بندے کو احساس ہو جائے کہ یہ گناہ اللہ سے ناراضگی پیدا کر دے گا اور اس ناراضگی سے ڈرتے ہوئے وہ گناہ نہ کرے، یہ تقویٰ ہے۔ اسے مطلق ڈر لکھ دینے سے یہ مفہوم ادا نہیں ہوتا لیکن اردو کا دامن اتنا وسیع نہیں جتنا عربی کا ہے۔ عربی وہ زبان ہے جسے اللہ نے کلام کے لئے پسند فرمایا، عربی محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان

ہے، عربی اہل جنت کی زبان ہے۔

حفاظت قران:

فرمایا، کتاب تو یہ سراسر ہدایت ہے اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ نزول قرآن کے ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا گیا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ ہم نے اس کو نازل فرمایا۔ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ (الحجر: 9) اس کی حفاظت کے ذمہ دار بھی ہم ہیں۔ اللہ کی شان دیکھیے کہ نزول قرآن سے لے کر آج تک یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جو ایک سات آٹھ سال کے بچے کو بھی زیر زبر سمیت حفظ ہو جاتی ہے اور اُس کے سینے میں محفوظ ہو جاتی ہے۔ اس کتاب الٰہی کا یہ واحد معجزہ ہے کہ معصوم بچوں کو یاد کرا دی جاتی ہے، جوانوں کو یاد ہوتی ہے، بزرگوں کو یاد ہوتی ہے، ساری باتیں بھول جاتی ہیں لیکن حافظ کو قرآن نہیں بھولتا۔ دنیا نے تب سے لے کر اب تک طرح طرح کے داؤ لگائے کہ اس میں تحریف کی جائے، اس کے الفاظ بدل دیے جائیں، زیر وزبر بدل دی جائے۔ آپ اخباروں میں بھی پڑھتے ہوں گے، پچھلے دنوں بڑا شور تھا کہ یہودیوں نے قرآن کی طباعت میں رد و بدل کرتے ہوئے دنیا میں عام کرنے کی ناکام کوشش کی لیکن قرآن حکیم کو حفاظت الٰہی حاصل ہے۔ اللہ کی شان ہے کہ بڑے سے بڑا حافظ جائے نماز پر کھڑا ہو، کوئی زیر یا زبر غلط پڑھ جائے تو پیچھے دس بندے بول پڑتے ہیں کہ یہ اس طرح نہیں، اس طرح ہے۔ یہ اللہ کا دوسرا احسان ہے کہ اس عظیم کتاب کی حفاظت کا ذمہ بھی اُس نے خود لے لیا۔ اگر ہمارے ذمہ ہوتی تو شاید پہلی قوموں کی طرح ہم بھی اس کی حفاظت نہ کر پاتے۔

ایمان بالغیب:

یہ کتاب اہل تقویٰ کو رہنمائی میسر کرتی ہے۔ اہل تقویٰ کون ہیں؟ اُن کی تعریف بھی رب کریم نے خود فرما دی۔ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وہ لوگ جو اُن حقائق پہ یقین رکھتے ہیں جو اُن کے سامنے نہیں ہیں، اُن کے لئے غائب ہیں۔ سب سے بڑا غیب خود اللہ جل شانہ، کی ذات ہے۔ کیوں مانتے ہیں ہم اللہ کو؟ کہاں دیکھا ہے ہم نے اللہ کو؟ کب ہماری بات ہوئی اللہ سے؟ اب ساری بات ایک ہستی پہ آ جاتی ہے، اصدق الصادقین ﷺ! ہم اس لئے مانتے ہیں کہ محمد رسول ﷺ نے ہمیں اللہ کا پتہ دیا۔ ہر مقدمے میں دو یا دو سے زائد گواہ رکھے جاتے ہیں لیکن اللہ نے اپنی ذات کے لئے کسی دوسرے گواہ کی ضرورت نہیں رکھی۔ اس لئے کہ یہ ایک گواہ ہی ایسا ہے ﷺ کہ جس پر اعتبار نہ کرنے والا پھر کسی پر اعتبار نہیں کر پاتا۔ یہ ایک ہستی ایسی

ہے کہ جس پر یقین نہ کرے والا پھر دائرہ یقین سے ہی خارج ہو جاتا ہے، پھر وہ کہیں بھی نہیں ٹھہرتا!

ایمان بالرسالت:

مولانا تھانوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ٹرین میں سفر کر رہے تھے اور اس ڈبے میں ایک آپؒ تھے اور ایک انگریز تھا جس کے ساتھ اُس کا کتا بھی تھا۔ وہ کتا آپؒ کے قریب ہو جاتا۔ آپؒ نے اُس انگریز سے فرمایا کہ بھئی! اسے اپنے قریب ہی رکھیں، میرے پاس نہ آنے دیں۔ اُس نے کہا کہ حضرت آپ تو برصغیر کے مسلمانوں کے چوٹی کے رہنماؤں میں سے ہیں اور کہتے ہیں اسلام محبت کا مذہب ہے، دعویٰ بھی کرتے ہیں اور اللہ کی مخلوق سے محبت کی تلقین بھی کرتے ہیں تو یہ بھی اللہ کی مخلوق ہے، اسے آپ پاس نہیں پھٹکنے دیتے۔ آپؒ نے فرمایا، کہ میرا جواب تو یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ نجس ہے، ہاتھ لگاؤ تو ہاتھ ناپاک، کپڑے سے لگے گا تو کپڑا ناپاک، میں اپنے نبی ﷺ کی اطاعت میں اس سے بچنا چاہتا ہوں لیکن یہ جواب شاید تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا اس لئے کہ تم جب نبی ﷺ ہی کو نہیں مانتے تو اُن کے ارشادات کی اہمیت تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ تمہارے لئے یہ جواب ہے کہ تم انگریز ہو، تم اُسے دوست رکھتے ہو جو اپنی قوم کا دشمن ہو اور ہم ایسی چیزوں کے قریب نہیں جاتے، ایسے افراد کو ہم اچھا نہیں سمجھتے۔ یہ جواب آپؒ نے بعد میں دیا لیکن پہلی بات جو کہی وہ یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ نجس ہے، میرا اصل جواب یہ ہے۔

اس لئے فقہا لکھتے ہیں کہ بچے کو جب آپ اللہ کا تصور دیں تو ساتھ اسے یہ بتائیں کہ میں اُس اللہ کو رب مانتا ہوں، اُس اللہ کو اللہ مانتا ہوں، جس کو محمد رسول ﷺ منواتے ہیں۔ وہ محمد رسول اللہ ﷺ جو حضرت عبداللہ کے گھر مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے۔ اُس محمد ﷺ نے، جو اللہ کے آخری نبی ہیں، جس اللہ کا پتہ دیا میں اُس اللہ کو مانتا ہوں۔ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ آخرت، فرشتے، برزخ، حساب کتاب، جنت و دوزخ یہ سارے ایسے حقائق ہیں جن تک ہمارے علم، دماغ، ہماری مادی قوتوں کی رسائی نہیں لیکن فرمایا وہ لوگ جو آپ ﷺ کے بتانے سے ان سب چیزوں پر حتمی یقین رکھتے ہیں۔ اس یقین کا حاصل یہ ہوتا ہے۔

قیامِ صلوٰۃ:

وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کہ وہ اللہ کی اطاعت پہ کاربند ہو جاتے ہیں۔ اگر صلوٰۃ سے مراد صرف

عبادات یا نماز نہ لیں تو اس کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ ہر کام کو اللہ کی اطاعت سمجھ کر کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مومن رزق حلال کماتا ہے تو عبادت ہے اور اپنے بیوی بچوں کو والدین کو، عیال کو کھلاتا ہے تو عبادت ہے اور صدقہ شمار ہوتا ہے۔ عرض کیا گیا، یا رسول اللہ ﷺ! یہ اہل وعیال کو کھلانا تو اُس کے ذمہ فرض ہے تو پھر یہ عبادت کیسی؟ آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا کہ فرائض کو پورا کرنا ہی تو عبادت ہے۔ یعنی اگر اُس کے ذمے فرض ہے تو پھر وہ فرض ادا کرتا ہے، یہی تو عبادت ہے، یہی تو صلوٰۃ ہے اس لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں ارشاد ہوا تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (الفتح: 29) تو انہیں جب بھی دیکھے گا وہ اللہ کے حضور کھڑے ہوں گے یا رکوع میں ہوں گے یا سجود میں ہوں گے۔ صحابہ کرام نے تو بے شمار جہاد کئے، بے شمار سفر کئے، کاروبار کیا، تجارت کی، دنیا کے سارے کام کئے تو کب ہر وقت رکوع اور سجود میں تھے لیکن انہوں نے جو بھی کام کیا، وہ ایسے کیا جیسے رکوع و سجود کیا جاتا ہے۔ گویا دنیا کا ہر فعل جب اطاعت الٰہی کے اندر آ گیا تو رکوع و سجود بن گیا اور وہ کتنے خوش نصیب ہیں کہ جنہیں یہ توفیق ارزاں ہے کہ اپنی زندگی شریعت کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔ اُن کا چلنا بھی رکوع اور سجود ہے، اُن کا رکنا عبادت، ان کا جاگنا عبادت، اُن کا سونا عبادت، اُن کا جینا عبادت اور اُن کا مرنا بھی عبادت بن جاتا ہے۔

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ انفاق ہوتا ہے کہ جس چیز پہ اللہ کریم عارضی اختیار دے دے، خواہ دولت ہو، علم ہو، طاقت ہو، اقتدار ہو یا جسمانی طاقت ہو، جو چیز بھی پاس ہو اسے شریعت کے مطابق خرچ کیا جائے، یہ انفاق ہوتا ہے۔ خرچ کرتے ہیں لیکن اللہ کے حکم کے مطابق کرتے ہیں۔ **وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ** صلوٰۃ کو قائم رکھتے ہیں، ادا کرنا اور بات ہے قیام صلوٰۃ اور بات ہے۔ یہ وہ خوش نصیب ہیں جو دوسروں کو بھی اللہ کی اطاعت پہ کاربند کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

جب نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو اس بوڑھے آسمان کو یاد ہے کہ روئے زمین پر ایک ہستی تھی، محمد رسول ﷺ جو اللہ پر ایمان لائی۔ صرف حضور ﷺ تھے جو اللہ کو جانتے تھے اور روئے زمین کی ساری آبادی بے خبر تھی۔ پھر ایک سے دو ہوئے، مردوں میں سب سے پہلے لبیک کہنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ خواتین میں یہ شرف حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حصے میں آیا۔ ایک سے تین، تین سے چار ہوئے۔ اب وہ زمانہ ایسا تھا کہ چند افراد ایمان لائے اور روئے زمین کا کفر اٹھ کر مقابلے پر کھڑا ہو گیا۔ دنیائے کفر کو شکوہ یہ نہیں تھا کہ یہ نیا مذہب کیوں آیا ہے۔ مکہ مکرمہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں کم وبیش دنیا کے سارے مذاہب پائے جاتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مکہ اُس عہد کے لوگوں کا تجارتی مرکز

تھا اور عہد جہالت میں بھی عبادت کا مرکز تھا۔ عرب روئے زمین پر پھرتے تھے، چین تک اور ہندوستان تک اُن کی تجارت پھیلی ہوئی تھی۔ اسی طرح مغرب میں ہسپانیہ تک اور یورپ تک اُن کی تجارت پھیلی ہوئی تھی۔ وہ جہاں جاتے، وہاں کے رواجات اور نظریات لے آتے۔ اسی لئے مکہ مکرمہ میں ایسے لوگ تھے جو مختلف بتوں کو پوجتے تھے، ایسے تھے جو ستاروں کی پوجا کرتے تھے اور ایسے بھی تھے جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بنا کر اُن کی عبادت کرتے تھے۔ جب اتنے بے شمار مذاہب ایک ہی شہر میں پہلو بہ پہلو جی رہے تھے تو اسلام آ گیا تو کیا ہوا؟ ایک اور مذہب آ گیا تو اس سے کیا فرق پڑا؟

حق اور باطل کے مابین سمجھوتہ ممکن نہیں:

فرق یہ تھا کہ وہ سارے مذاہب اپنی اپنی روش پہ کاربند تھے لیکن برائی کو برائی اور غلط کو غلط نہیں کہتے تھے۔ اس کے برعکس اسلام نے جہاں حق کو حق کہا، وہاں باطل کو باطل بھی ڈٹ کر کہا۔ یہ تو بہت مشہور واقعہ ہے، جو بخاری شریف میں، صحاح ستہ میں سب میں موجود ہے کہ اہل مکہ نے اپنے سرکردہ لوگوں کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت عالی میں بھیجا اور اُن کی درخواست صرف یہ تھی کہ آپ ﷺ اپنے مذہب پر رہیں، جو لوگ آپ ﷺ کے ساتھ مذہب قبول کرتے ہیں، وہ بھی رہیں، آپ ﷺ اپنے طریقے کی عبادت بھی کریں لیکن ہمارے بتوں کو، ہمارے خداؤں کو جھوٹا کہنا چھوڑ دیں۔ پہلے بھی تو بے شمار مذاہب ہیں، ہر کوئی اپنا اپنا مذہب رکھتا ہے۔ آپ ﷺ بھی اپنے مذہب کی بات کریں، ہمارے مذہب کو غلط کہنے کی ضرورت کیا ہے۔ اس کے بدلے اگر آپ ﷺ چاہیں کہ آپ ﷺ کو دولت ملے تو ہم اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ پھر عرب میں کسی دوسرے کے پاس اتنی دولت نہ ہو۔ اگر آپ ﷺ کوئی خوبصورت حسین خاتون چاہتے ہیں تو عرب کے جس بڑے سے بڑے گھرانے کی خاتون کو آپ ﷺ چاہتے ہیں ہم آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔ اگر آپ ﷺ اقتدار چاہتے ہیں تو ہم آپ ﷺ کو عرب کا بادشاہ اور سلطان بنا دیتے ہیں، آپ ﷺ کی تاجپوشی کرتے ہیں اور ہم سب آپ ﷺ کی غلامی کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو وہ باتیں ہیں جو تمہارے بس میں ہیں لیکن جو تمہارے بس میں نہیں، اگر تم آسمان سے سورج اور چاند لے آؤ اور میرے ایک ہاتھ پہ سورج رکھ دو، دوسرے پہ چاند رکھ دو تو پھر بھی میں وہی کہوں گا جو میرا رب مجھے کہنے کا حکم دے گا۔ تو جہاں حق پر عمل ضروری ہے وہاں ابطال باطل بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ حق کو حق کہتا ہے، مانتا ہے، منواتا ہے، ساتھ ہی باطل کو رد بھی کرتا ہے۔ تو وہ لوگ

جنہیں ایمان ویقین نصیب ہوتا ہے، اُن کے دائرہ اختیار میں جو کچھ بھی ہے، اُسے اس طرح کام میں لاتے ہیں جس سے مزید اللہ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ اور جو کچھ آپ ﷺ پر نازل ہوتا ہے اُس پر یقین کامل رکھتے ہیں۔

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ : جو آپ ﷺ سے پہلے آسمانی کتب نازل ہوئیں اُن کا انکار بھی نہیں کرتے، ان پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ اللہ نے فرمایا وہ سچ ہے لیکن عمل اُس پر ہوگا جو محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، چونکہ آپ ﷺ آخری نبی ﷺ ہیں اور ساری کائنات کے لئے نبی ﷺ ہیں۔

کتابوں میں دیکھا گیا ہے کہ ان میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک ہوتی ہے خبر اور ایک ہوتے ہیں اوامر و نواہی، احکام۔ خبر نا قابلِ تبدیل ہوتی ہے۔ آدم علیہ السلام نے خبر دی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ تب سے لے کر آقائے نامدار ﷺ تک، ہر نبیؑ ہر رسول نے یہی خبر دی، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ! اس میں تبدیلی نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ اگر خبر بدل جائے تو دونوں خبریں سچ نہیں ہوتیں۔ ایک سچی ہوتی ہے، ایک غلط ہوتی ہے۔ پہلی کتابوں میں بھی جو خبریں تھیں، وہی خبریں قرآن مجید میں بھی ہیں، کسی خبر میں تبدیلی نہیں ہوئی۔ اللہ کے بارے، آخرت کے بارے، حساب کتاب کے بارے، جنت و دوزخ کے بارے، ذات و صفات کے بارے، جو بھی خبر دی گئی وہ تبدیل نہیں ہوئی، البتہ احکام وقت کے ساتھ بدلتے رہے۔ پہلی شریعتوں میں اور احکام تھے، پھر دوسری میں کچھ اور تھے، تیسری میں کچھ چیزیں منع تھیں کچھ حلال تھیں، عبادت کا طریقہ اور تھا، اوقات صلوٰۃ اور تھے، روزے کا طریقہ اور تھا، ہر ایک کا اپنا قرینہ تھا لیکن جب آقائے نامدار ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ کائنات کے لئے مبعوث ہوئے اور ہمیشہ کے لئے مبعوث کیے گئے لہٰذا قرآن میں جو احکام بھی نازل ہوئے، نزول کے بعد یہ بھی نا قابل تبدیل ہو گئے۔ اب قرآن کی نہ خبر میں تبدیلی ہے اور نہ حکم میں تبدیلی ہوسکتی ہے۔

پھر یہ لوگ وہ ہیں کہ جو کچھ آپ ﷺ پر نازل ہوا اور آپ ﷺ سے پہلے نازل ہوا اُسے حق سمجھتے ہیں۔

آخرت پر ایمان:

اگرچہ یہ بات ایمان بالغیب میں بھی شامل ہے لیکن اسے الگ سے دہرایا، وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ کردار کی اصلاح کے لئے احتساب کا ڈر رکن اول ہوتا ہے۔ قیامت پر یقین ایمان بالغیب میں شامل ہے لیکن پھر

الگ سے ذکر کیا، وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اور جنہیں آخرت پر یقین کامل ہے جو جانتے ہیں کہ مجھے اللہ کے روبرو کھڑا ہونا ہے، میرے اعمال کی باز پرس ہوگی، میرا کردار دیکھا جائے گا، مجھ سے پوچھا جائے گا کہ میری نعمتیں تجھ پر کتنی تھیں اور تو نے بدلے میں کیا شکر ادا کیا، لینے کو تو تجھے ہر چیز لینی تھی اور دینے کو صرف یہ کہہ دینا تھا کہ اے اللہ ترا احسان ہے، تو نے مجھے یہ نعمت عطا کی، لیکن تجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا۔

قوت ایمانی:

آج ہماری عمومی حالت یہ ہے کہ اطاعت الٰہی ہم پر بوجھ ہے۔ کافرانہ تہذیبوں کے ہم اسیر ہیں اور اُن پر فدا ہیں لیکن حیرت اس بات پہ ہوتی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو یہ شکوہ ہے کہ اللہ ہم پہ وہ رحمت نازل نہیں کرتا جو صحابہ کرامؓ پہ نازل ہوئی۔ ہم یہ نہیں دیکھتے کہ وہ کیا لوگ تھے اور ہم کیا ہیں۔ مکہ مکرمہ میں جس دن صحابہ کرامؓ کی تعداد چالیس ہوگئی، چالیسواں بندہ ایمان لایا تو حضور ﷺ دارالارقم میں جلوہ افروز تھے۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ ہم چالیس ہو گئے ہیں اور کعبہ میں بت رکھے ہیں، بت پرست کعبہ میں عبادت کریں اور اللہ کا نبی ﷺ کعبہ میں نہ جائے جب کہ ہم چالیس ہیں، آج ہم کعبہ میں جائیں گے۔ ابوجہل نے راستوں پر نیزے اور تلواریں دے کر اپنے سپاہی کھڑے کر دیئے۔ اہل شہر نے پتھر مارے، عورتوں نے مٹی کے برتن، گھڑے اور چیزیں پھینکیں لیکن چالیس آدمیوں نے بازوؤں میں بازو دے کر وہ ارادہ کیا کہ ابوجہل کو اپنی سپاہ ہٹانا پڑی کہ یہ تو مختلف قبائل کے چالیس لوگ ہیں، ان کو مارو گے تو سارے قبائل میں جنگ چھڑ جائے گی۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو حرم شریف میں لے جا کر عبادت کی۔ آج دنیا کی آبادی چھ سو کروڑ کے لگ بھگ ہے جس میں دو سو کروڑ کے قریب مسلمان ہیں یعنی دنیا میں اس وقت سب سے بڑی قوم مسلمان ہیں، عیسائی دوسرے نمبر پر ہیں اور آج ہم رسوا ہیں، کیوں؟ اللہ کے ساتھ وہ تعلق ہی نہیں رہا، ہم اُس سے بات ہی نہیں کرتے، اُس کی بات ہم سنتے ہی نہیں، اُسے اپنے ساتھ رکھتے نہیں، ہم اُس کے ساتھ رہتے نہیں۔ اللہ بھی وہی ہے، رسول ﷺ بھی وہی ہیں، کتاب بھی وہی ہے، کیا بدل گیا؟ کوئی چیز تو بدلی ہے کہ نتائج وہ نہیں رہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم بدل گئے ہیں اور ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم سب وعظ کرتے ہیں، دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں، دوسروں کے لئے احتجاج کرتے ہیں، حکومت اسلام نافذ کر دے۔ بھئی! حکومت بھی کر دے گی، اگر ہم میں سے ہر فرد خود اپنے اوپر اسلام نافذ کرے تو کونسی حکومت ہے جو اسے گمراہ کر سکے لیکن اگر ہم خود اپنے

آپ پر نفاذِ اسلام نہیں کریں گے تو کوئی حکومت ایسی نہیں آئے گی جو اسلام نافذ کر سکے۔

بنیادی اور پہلی بات یہ ہے کہ خود حق کا ساتھ دیجئے۔ وہ دلوں کو دیکھتا ہے، ارادوں کو دیکھتا ہے، شکلیں اُس کی خود بنائی ہوئی ہیں، اُس کے لئے سب خوبصورت ہیں اس لئے کہ وہ خود خالق ہے۔ یہ میری اور آپ کی بات ہے کہ فلاں بندے کا رنگ اچھا نہیں ہے فلاں کا خراب، ہے فلاں خوبصورت ہے فلاں خوبصورت نہیں۔ وہ سب کا مالک ہے، اُسے سب عزیز ہیں اور سب اُس کے اپنے بنائے ہوئے ہیں۔ وہ دلوں کو دیکھتا ہے، جو دل بھی اس کی طرف مائل ہوتا ہے اُسی پہ کرم فرما دیتا ہے۔

لہٰذا کم از کم اپنے آپ کو اللہ کے قریب کر لو، اللہ کو ہر وقت ساتھ رکھو۔ سفر و حضر میں، عبادت میں، دوستی اور دشمنی میں، کاروبار میں، اگر کوئی شخص یہ کیفیت رکھتا ہے تو بھلے ساری دنیا کو آگ لگ جائے، وہ مانند ابراہیم علیہ السلام اُس میں محفوظ و مطمئن ہی بیٹھا ہوگا۔

اہلِ ہدایت:

سورہ البقرہ کی ابتدائی چار آیات میں ایمان، ہدایت اور ضروریات دین کا تذکرہ ہوا جس میں آخرت کے ساتھ یقین کا ذکر مکرر فرمایا گیا کہ جو لوگ اللہ پر، اللہ کے رسول ﷺ پر، اللہ کی کتاب پر، اُن باتوں پر جو اللہ کا نبی ﷺ منوانا چاہتا ہے، یقین رکھتے ہیں اور آخرت پر پورا اعتماد رکھتے ہیں **أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ** ۖ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف سے ہدایت پر ہیں **وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝٥** یہ وہ لوگ ہیں جنہیں زندگی نصیب ہوئی، عالم امر سے عالم خلق میں آئے اور دنیا سے اپنی فلاح، بہتری، قربِ الٰہی اور اللہ کی رحمتیں سمیٹ کر آخرت میں پہنچے۔ یہ لوگ ہیں جنہوں نے فائدے کا سودا کیا۔ اب ان کے بعد دوسری قسم کے لوگوں کا ذکر ہے۔

طبقۂ کفار اور اقسامِ کفر:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝٦ یقینا جو لوگ کفر پر جم گئے ہیں۔ ایک خاص طبقہ کے لوگ جو اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے، اپنی اَنا کو قائم رکھنے کے لئے بغیر کسی دلیل کے، بغیر کسی ثبوت کے صرف انکارِ نبوت پر جم گئے کہ اگر ہم حضور اکرم ﷺ پر ایمان لاتے ہیں تو ہماری اپنی حیثیت ختم ہو جائے گی۔ کفر کی بھی کئی اقسام ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ کسی تک تبلیغ حق پہنچی نہیں، وہ گمراہ

ہے، کفر میں، شرک میں مبتلا ہے۔ دوسرا وہ ہے جس تک بات تو پہنچی لیکن وہ اپنی غلط فہمی میں مبتلا رہا اور اس اندیشے میں رہا کہ جو میں سمجھ رہا ہوں وہ درست ہے۔ ایک تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو یہ سمجھ جاتے ہیں کہ دلائل اُس طرف ہیں، حق اُس طرف ہے اور پھر احقاقِ حق کی آخری اور سب سے بڑی دلیل آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کی حیثیت ایسی ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت عالی نے قیامت تک کسی نئے نبیؑ کے آنے کی ضرورت پیدا نہیں ہونے دی۔ انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے تھے اس لئے کہ جو ادیان پہلے نبیؑ لے کر آتے تھے اُن میں خلل واقع ہو جاتا۔ پھر اُن کے متبع اُس کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوتے تھے یا پھر وہ دین کلیۃً دنیا سے اٹھ گیا اور لوگوں نے فراموش کر دیا، کتابیں گم کر دیں، تحریف کر دی تو نیا نبیؑ مبعوث ہو گیا لیکن حضور اکرم ﷺ کی بعثت نے وہ روشنی دی جو تا قیامت ختم نہ کی جا سکے گی۔ روئے زمین پر کبھی بھی حق کی آواز خاموش نہیں ہوگی۔ آپ ﷺ کی نبوت جس طرح حضور ﷺ کے عہدِ عالی میں تھی، اُسی طرح آج بھی جاری ہے اور اُسی طرح قیامت تک جاری وساری رہے گی۔ اللہ کی کتاب جس طرح نبی کریم ﷺ نے ترتیب دلوائی اور جس طرح آپ ﷺ نے وحی نقل کروائی اُس طرح آج بھی موجود ہے اور انشاء اللہ قیامت تک اُسی طرح موجود رہے گی۔ اب اس کے بعد اس سے بڑی کوئی دلیل نہیں ہے۔ مخلوق کی رہنمائی کے لئے اللہ کریم نے جتنے اسباب ووسائل پیدا فرمائے اُن میں سب سے اعلیٰ ذریعہ آقائے نامدار ﷺ ہیں۔

اب جن کفار نے یہ بات سمجھ لی کہ بتوں میں کچھ نہیں ہے، ہمارے اپنے گھڑے ہوئے عقیدوں میں کچھ نہیں ہے اور جو کچھ اللہ کا نبی ﷺ فرما رہا ہے یہ حق ہے لیکن اُن کی اپنی اَنا آڑے آتی ہے کہ اگر ہم ایمان قبول کرتے ہیں تو پھر ہماری حیثیت، ہمارے آباء واجداد کی حیثیت، ہمارے رسوم ورواج کی حیثیت تو ختم ہو گئی۔ فرمایا اس طرح سے جو کفر اختیار کرتے ہیں اُن کے لئے برابر ہے کہ آپ ﷺ انہیں تبلیغ فرمائیں، احقاقِ حق واضح کریں یا آپ ﷺ اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دیں، اُن کے لئے دونوں حالتیں برابر ہیں، اس لئے کہ انہوں نے ایمان نہ لانے کا فیصلہ کیا اور وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اُن کے اس فیصلے پر کہ حق کو حق سمجھ کر پھر اپنی ذات کو منوانے کے لئے اڑ گئے ہیں، اللہ کریم کی ناراضگی اس حد تک بڑھی کہ فرمایا:

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اللہ نے اُن کے دلوں پر مُہر لگا دی۔ اس گستاخی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اُن کے دلوں پر مُہر لگا دی اور اُن کے کانوں پر مُہر کر دی۔ اب وہ نہ حق سُن سکتے ہیں، نہ اُن کے دل میں

اُتر سکتا ہے۔

وَعَلٰی سَمۡعِهِمۡ ؕ وَعَلٰٓی اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا کہ انہیں حق دکھائی ہی نہیں دیتا۔ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۝ اور اُن کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔ گزارش کی گئی کہ یا رسول اللہ ﷺ جب اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر لگادی، اُن کے کانوں پہ مُہر لگادی، اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تو پھر انہیں عذاب کیوں ہوگا؟ انہیں تو کچھ نہ سنائی دیا، نہ دکھائی دیا، نہ سُجھائی دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ نافرمانی کی ایک حد ہے۔ بُرائی کرتے کرتے جب بندہ اُس حد پر پہنچتا ہے تو بطور سزا اللہ کریم اُس کے دل پر مُہر لگادیتے ہیں، پھر اُس کے لئے واپسی کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ یہ من جانب اللہ زبردستی نہیں کیا گیا بلکہ اُن لوگوں کے کردار، اُن کی بُرائیاں، اُن کی انانیت ہے جو اپنی بات پہ اڑے رہنا چاہتے ہیں، اِس جرم کی پاداش میں دلوں پر مُہر لگادی جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ آدمی جب گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل پہ ایک سیاہ نقطہ پیدا ہوجاتا ہے، توبہ کرے تو وہ نقطہ صاف ہوجاتا ہے لیکن اگر توبہ نصیب نہیں ہوتی، پھر گناہ کرتا ہے تو ایک نقطہ اور بڑھ جاتا ہے یا وہی پھیل جاتا ہے۔ سیاہی بڑھتی رہتی ہے اور مسلسل گناہ اُس سیاہی کو اتنا بڑھادیتے ہیں کہ سارا دل تاریک ہوجاتا ہے اور اگر ایسا ہوجائے تو اللہ کریم ناراض ہوکر اُس پر مُہر لگادیتے ہیں کہ اب تم یہی بھگتو، تمہارا واپسی کا راستہ بند ہوگیا۔

انسان مکلف ہے لیکن اگر کوئی سورج کی روشنی میں بھی دیکھنا نہ چاہے اور کسی گہرے کھڈ میں ہی گرنا چاہے تو اُس کا ذمہ دار تو وہ خود ہی ہوگا۔ لہٰذا ایک طبقہ لوگوں کا وہ ہے جنہوں نے آپ ﷺ کی بعثت پر بھی حق قبول کرنے سے اس لئے انکار کردیا کہ وہ اپنے دل میں جانتے ہیں کہ حضور ﷺ حق پر ہیں۔ آپ ﷺ کے دلائل، آپ ﷺ کے معجزات، آپ ﷺ کا کردار، ہر شے حق کی طرف دلیل ہے، روشن اور واضح لیکن اس کے باوجود وہ صرف اس لئے حق کو قبول نہیں کررہے کہ اس میں اُن کی اَنا کو اور اُن کے بنائے ہوئے رسوم و رواجات کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ اس پر ناراض ہوکر اللہ کریم اُن کے لئے واپسی کا راستہ بند کردیتے ہیں۔ یہ دو طبقے قرآن کریم نے بیان فرمائے، ایک وہ لوگ جو ہدایت پاتے ہیں، ایک وہ لوگ جو دائمی کفر کی نذر ہو جاتے ہیں اور اُس کی دلدل میں دھنس جاتے ہیں۔ فرمایا: ان کے لئے بہت بڑی سزا ہے۔ چونکہ یہ بہت بڑا جرم ہے، اس کی سزا بھی بہت بڑی ہے۔

سورۃ البقرہ رکوع 2 آیات 8 تا 20

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾
يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا
يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ
قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا
يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ
اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا لَقُوا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ
اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ
يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ
تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ
فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا
يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ
فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ
حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٠﴾

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے ﴿۸﴾ اللہ کو اور مومنوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں مگر (درحقیقت) وہ سوائے اپنے آپ کے کسی کو دھوکہ نہیں دے رہے مگر وہ اس بات کا شعور نہیں رکھتے ﴿۹﴾ ان کے دلوں میں مرض ہے جسے اللہ نے اور بڑھا دیا ہے اور جھوٹ بولنے کی وجہ سے انہیں دردناک عذاب ہوگا ﴿۱۰﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں ﴿۱۱﴾ یاد رکھو! یقینا یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں و لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے ﴿۱۲﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لاؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم ویسا ایمان لائیں جیسا بے وقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟ یاد رکھو! یقینا وہی (خود) بے وقوف ہیں مگر نہیں جانتے ﴿۱۳﴾ اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے مگر جب اپنے شریر سرداروں سے علیحدگی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں (مسلمانوں سے) ہم تو مذاق کیا کرتے ہیں ﴿۱۴﴾ اللہ ان (منافقوں) سے مذاق کرتے ہیں اور انہیں مہلت دیئے جاتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں سرگرداں ہو رہے ہیں ﴿۱۵﴾ انہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو نہ تو ان کی تجارت نے (انہیں) نفع دیا اور نہ ہی ہدایت پا سکے ﴿۱۶﴾ ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے کہیں (شبِ تار میں) آگ جلائی ہو۔ جب (آگ نے) اس کے اردگرد کی چیزوں کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان لوگوں کی روشنی سلب کر لی ہو اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ کچھ دیکھ نہیں پاتے ﴿۱۷﴾ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں کہ وہ (ہدایت کی طرف) لوٹ نہیں سکتے ﴿۱۸﴾ یا ان کی مثال بارش

جیسی ہے کہ آسمان کی طرف سے برس رہی ہو اور جس میں تاریکی چھا رہی ہو اور بادل گرج رہا ہو اور بجلی کوند رہی ہو تو یہ کڑک سے (ڈر کر) موت کے خوف سے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور اللہ کافروں کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں ﴿۱۹﴾ ایسا لگتا ہے کہ بجلی (کی چمک) نے ان کی بینائی لے لی جہاں ذرا ان کو (بجلی کی) روشنی ہوئی تو اس میں چلنا شروع کر دیا اور جب اُن پر تاریکی ہوئی تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ اور اگر اللہ چاہتے تو ان کی سماعت اور بصارت سب سلب کر لیتے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہیں ﴿۲۰﴾

خلاصۂ تفسیر و معارف

طبقۂ منافقین:

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ۘ﴿۸﴾ ایک طبقہ تیسرا بھی ہے یعنی انسانوں کے تین طبقے ہیں، ہدایت یافتہ اور مومن، پکے کافر اور ایک طبقہ درمیان میں بھی ہے، منافقین کا۔ فرمایا: کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، ہم آخرت پر ایمان لائے لیکن، وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸﴾ وہ ایمان والے نہیں ہیں۔

يُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ یہ اللہ سے مذاق کرتے ہیں، چالبازی کرتے ہیں، دھوکا دینا چاہتے ہیں وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ اور اُن لوگوں کو بھی دھوکا دینا چاہتے ہیں جو اللہ پر ایمان لائے ہیں لیکن ہوتا کیا ہے۔ وَمَا يَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ حقیقت میں وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں، نہ اللہ کو دے رہے ہیں نہ اللہ کے بندوں کو دے رہے ہیں۔ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ؕ﴿۹﴾ حالت یہ ہے کہ خود انہیں اس بات کا شعور ہی نہیں کہ جو وہ کر رہے ہیں اُس کی بُرائی اور اُس کا انجام خود انہیں بھگتنا ہوگا۔ یعنی ایک طبقہ ایسا ہے جو زبان سے کلمہ حق قبول کرتا ہے لیکن دل میں اُس پر یقین و اعتماد نہیں ہے۔ اللہ تو دلوں کا حال جاننے والا ہے۔ ہر آدمی کا حال وہ جانتا ہے اور ہم ایک دوسرے کے دل کا بھید نہیں جانتے لیکن ایک حد تک بندہ اپنے کردار کو خود جانتا ہے۔ یہ منافقین آخر ظاہری طور پر ایمان کیوں لائے؟ جب انہوں نے اسلام کو بڑھتے پھیلتے دیکھا اور انہوں نے سمجھا کہ یہ ایک قوت بن رہی ہے تو سوچا، چلو ہم بھی اس میں شامل ہو جائیں، کچھ فائدہ تو ہوگا۔ اس لئے نہیں کہ اللہ سچا

ہے، اس لئے نہیں کہ اللہ کا نبی ﷺ سچا ہے، اللہ کی کتاب سچی ہے بلکہ اپنے ذاتی فائدے کے لئے انہوں نے ایک پناہ تلاش کی لیکن اُن کا کردار اُس کی شہادت نہیں دیتا۔ چھوٹے چھوٹے فائدے کے لئے بک جاتے ہیں۔ جب بھی کوئی قوت بڑھتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اُس سے مفاد حاصل کرنے کے لئے اُس میں شامل ہو جاتے ہیں اور بالآخر ایسے لوگوں کا پردہ چاک ہوتا رہتا ہے، وہ سامنے آتے رہتے ہیں، الگ ہوتے رہتے ہیں۔ اصطلاحِ شریعت میں اسے نفاق کہا گیا ہے کہ زبانی تو اقرار کیا جائے لیکن عمل اُس کے خلاف ہو، دل سے نہ مانا جائے۔ خطا انسان سے ہوسکتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی معصوم عن الخطا نہیں ہے لیکن خطا کو خطا ماننا تقاضائے ایمان ہے۔ خطا کے جواز تلاش کرنا، یہ منافقت ہے کہ دین بھی ہاتھ سے نہ جائے اور گناہ سے باز بھی نہ آؤ بلکہ اُس گناہ کو جائز یا حلال کرنے کے حیلے تراشا ہے۔ نفاق کفر کی بدترین قسم ہے یعنی منافق کافر سے بھی گیا گزرا ہے اور قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء:45) کہ منافقین کو دوزخ میں کافروں سے بھی نچلے درجے میں رکھا جائے گا، یعنی کافر کی نسبت وہ شدید تر عذاب میں ہوں گے، اس لئے کہ انہوں نے اللہ کو، اللہ کے بندوں کو، اللہ کے رسول ﷺ کو، اللہ کے دین کو دھوکا دینے کی کوشش کی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ اپنی طرف سے تو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو دھوکا دینا چاہ رہے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اللہ ایسی ذات نہیں ہے جسے دھوکا دیا جا سکے، وہ دلوں کے حال سے واقف ہے۔ نتائج اُسی پر مرتب ہوں گے جو اعتماد دل میں ہوگا اور جس کا اظہار کردار سے ہوگا۔

قلب اور نفاق:

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ۝10

نفاق ایک مرض ہے جو دلوں میں دھنس جاتا ہے۔ ان کے دلوں میں ایک مرض تھا، ایک بیماری تھی اور وہ مزید بداحتیاطی کرتے گئے، مزید بُرائی کرتے گئے جس کی وجہ سے اللہ اُن کے مرض کو بڑھاتا رہا۔ یہ ایک قانونِ فطرت ہے۔ اگر ایک مریض پرہیز نہیں کرتا تو اس کا مرض بدپرہیزی سے بڑھے گا۔ ان کے قلوب میں مرض تھا، ان کے دلوں میں مرض تھا۔ اب دل کی دنیا ایک الگ دنیا ہے، اُس کے اپنے شب و روز ہیں، اُس کی اپنی ایک آبادی ہے، اُس کا اپنا ایک جہان ہے، بلکہ ایک انسان کے اندر کئی جہان آباد ہیں۔ بنیادی طور پر تو کہا جاتا ہے کہ انسان اس کائنات کا خلاصہ ہے۔ جس طرح اللہ کی مخلوق کائنات میں ہے، اُن کے شب و روز اور حیات و اموات ہیں، اسی طرح ہر انسان کے وجود کے اندر ایک کائنات بسی ہوئی ہے۔ آج کل کی سائنس

نے تو اُس کے بہت سے گوشے بے نقاب کر دیے ہیں کہ لاکھوں اور کروڑوں قسم کے جراثیم ہیں۔ ایک بندے کے وجود کے اندر کتنی طرح کی مخلوق ہے۔ کوئی مر رہے ہیں، کوئی بڑھ رہے ہیں، کوئی پیدا ہو رہے ہیں۔ بخار ہو گیا ہے تو اس کے جراثیم آ گئے۔ انجکشن دیا، گولی دی، وہ جراثیم مر گئے۔ موت وحیات کا سلسلہ، پیدا ہونے اور مرنے کا سلسلہ، شب و روز کا تسلسل انسان کے وجود کے اندر کئی طرح سے جلوہ افروز ہے۔ اس سب کے ساتھ انسان کو قلب عطا کیا گیا ہے جس کا مقام وہی دل ہے جو سارے بدن کو خون سپلائی کرتا ہے اور ایک پمپنگ سٹیشن ہے۔ اُس کے اندر ایک لطیفہ رُبانی ہے جسے ''قلب،، کہا گیا ہے۔ وہ قلب تجلیات الٰہی کا مہبط ہے، اُسی میں آرزوئیں اور خواہشات جنم لیتی ہیں اور وہی اصل حکمران ہے۔ وہ حکم دیتا ہے تو دماغ اُس کی تعمیل کا اہتمام کرتا ہے۔ اسے یوں بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو بعض ایسے کام کرتے ہیں جنہیں وہ عقلاً خود بھی مناسب نہیں سمجھتے۔

بعض لوگ جوا کھیلتے ہیں اور ساری دولت اڑا دیتے ہیں لیکن عقلاً وہ خود بھی اُسے بُرا سمجھتے ہیں، تو پھر کیوں کھیلتے ہیں؟ کہتے ہیں دل چاہتا ہے۔ اور بے شمار ایسے کام ہیں جو لوگ کرتے ہیں اگرچہ ان میں نقصان ہوتا ہے، دماغ اُن سے روکتا ہے، اُن کی اپنی عقل روکنا چاہتی ہے لیکن وہ نہیں رُکتے۔ کیوں نہیں رُکتے؟ کہتے ہیں دل چاہتا ہے۔ اس کا مطلب ہے دل ایک ایسی قوت ہے کہ جس کا حکم حتمی ہوتا ہے اور دماغ نہ چاہے تو بھی تعمیل کرتا ہے۔ یہ دل اور قلب ایسی قوت ہے جس میں لطیفہ ربانی موجود ہے۔ جس کے بارے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، حدیث کا مفہوم ہے: خوب غور سے سمجھ! کہ اس جسم کے اندر ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔

اذا صلحت صلح الجسدُ کله۔ اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم سُدھر جاتا ہے۔ آنکھیں حق دیکھتی ہیں، ہاتھ صحیح کام کرتے ہیں، پاؤں صحیح سمت اٹھتے ہیں، دماغ صحیح سوچتا ہے، افکار کی اصلاح ہو جاتی ہے اور نظریات سے لے کر کردار تک ہر شے سدھر جاتی ہے۔ **واذا فسدت فسد الجسد کله**۔ اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا نظام ہی بگڑ جاتا ہے، سب کچھ خراب ہو جاتا ہے۔ فرمایا: **الا وھی القلب**۔ غور سے سُنو! یہ قلب انسانی ہے۔

منافقین کے بارے ارشاد ہوا کہ جب ان کا قلب ہی بیمار ہے اور وہ مزید بُرائی کرتے جا رہے ہیں جس پر اللہ ان کی بیماری کو بڑھا رہا ہے تو نتیجہ اس کا یہ ہوگا **وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ**۔ کہ یہ جو اللہ سے، اللہ کے رسول ﷺ سے اور اللہ کے بندوں سے جھوٹ بول رہے ہیں، انہیں اس کا بہت دردناک عذاب بھگتنا پڑے گا۔ اگر ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں دیکھیں، ہم خود اپنے کردار میں جھانک کر

دیکھیں تو جو جو کام ہم نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ خلوص کے ساتھ کئے ہیں اُن کے نتائج بھی جمع کر لیجئے اور جہاں ہم نے اپنی خواہشات کی تکمیل کی، اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کو چھوڑا اور بظاہر اپنی نیکی اور پارسائی کا پردہ بھی رکھا ہے، اُن کے نتائج کو بھی جمع کر لیجئے۔ آپ کو سمجھ آ جائے گی کہ یہ دردناک انجام اسی دنیا میں شروع ہو جاتا ہے۔ پریشانیاں اور مصیبتیں مقدر بن جاتی ہیں اور آخرت کا معاملہ تو بہت برا ہے۔

اہل اللہ کا طریقۂ اصلاح:

قرآن حکیم کتاب ہدایت ہے اور جو کچھ بیان فرماتا ہے یہ اس لئے بیان فرماتا ہے کہ ایک آئینہ ہمارے سامنے آ جائے اور اُس میں ہم اپنے آپ کو تلاش کر سکیں کہ میں کہاں ہوں۔ ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم دوسروں کو تلاش کرتے رہتے ہیں کہ وہ کتنا نیک ہے، کتنا پارسا ہے حالانکہ اس کی باری بعد میں آتی ہے، پہلے ہر فرد کو اپنی ذات کو تلاش کرنا چاہئے۔ چونکہ آپ کی طرف سے جواب میں نہیں دوں گا، میری طرف سے آپ نہیں دیں گے لیکن مجھے اپنا جواب تو دینا ہوگا۔ میں خود کہاں ہوں، اللہ کی بارگاہ میں میرا کتنا خلوص ہے، نبی کریم ﷺ کے ساتھ میں کس حد تک مخلص ہوں؟ اللہ علماء کی برکات سے ہمیں مستفید فرماتا رہے،۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ علماء ظواہر الحمدللہ، ساری عمر محنت کرتے ہیں، سیکھتے ہیں، ہمیں سکھاتے ہیں، سمجھاتے ہیں، بتاتے ہیں، لیکن اُن کی ساری کاوش ہمارے دماغ تک ہوتی ہے، ہماری عقل تک ہوتی ہے، اُن کے دلائل ہمارے دماغ کو، ہماری عقل کو قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ایک طبقہ جو اہل اللہ اور صوفیا کا ہے، اُن کا طریق مختلف ہے۔ وہ براہِ راست قلب سے بات کرتے ہیں اور شروع ہی اس بات سے کرتے ہیں کہ قلب ذاکر ہو جائے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ اُن کی مجلس میں کوئی روک ٹوک، کوئی تنقید نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجود جب قلب ذاکر ہو جاتا ہے تو بندے کو خود فکر ہوتی ہے کہ میں کہاں کہاں غلطی کرتا ہوں اور مجھے کن کن باتوں کو چھوڑنا ہے، کن کن کو اختیار کرنا ہے، اپنی اصلاح بندہ خود کرتا چلا جاتا ہے۔ یعنی اُن کا طریق یہ ہے کہ وہ بات ہی قلب سے شروع کرتے ہیں اور جب قلب سدھرنا شروع ہوتا ہے تو باقی سارے اُمور از خود سدھرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ وہ قلوب کی بیماریوں سے نجات دے اور ایمان ویقین کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ زندگی بالکل عارضی ہے۔ ہمارے سامنے ہزاروں لوگ روز اس جہان سے جاتے ہیں اور اُن سے زیادہ اس جہان میں آتے ہیں، ہم بھی اُن میں سے ایک ہیں۔ ہمارے پاس بھی دوسرا سانس آنے کی کوئی سند نہیں۔ ایمان ویقین وہ دولت ہے جو موت سے ڈرنے کی بجائے موت کو بھی محبوب بنا دیتی ہے۔ آدمی اُس حادثے کے لئے، اُس طرف جانے کے لئے تیار ہوتا ہے، بلکہ صوفیا کا قول تو یہ ہے کہ

الموت جسرٌ یوصل الحبیب الی الحبیب۔ موت تو وہ پُل ہے، وہ دروازہ ہے، جو اللہ کی بارگاہ میں، مطلوب کی بارگاہ میں طالب کو پہنچا دیتا ہے۔ اُس کا مقصود ہی اللہ ہے۔ ساری زندگی وہ اُس کی طلب میں لگا رہا، اُس کے جمال کی طلب میں لگا رہا، اُس کی اطاعت کرتا رہا، اُس کے حبیب ﷺ کی اطاعت کرتا رہا، اُس کے احکام پر عمل کرتا رہا، اس لئے کہ اُسے وصالِ الٰہی نصیب ہو تو موت ہی وہ پل ہے جو اُسے اُس پار پہنچا دیتا ہے۔ اس طرح گھبرانے یا ڈرنے کی بجائے موت بھی ایک محبوب منزل بن جاتی ہے۔

منافقین کے قلبی مرض کے متعلق قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪ جب اُن سے کہا جائے کہ اللہ کی زمین پر فساد پیدا نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔

فساد کی حقیقت:

جو شخص اپنے طریقے سے یا اپنے خیال کے مطابق اپنی رائے سے اصلاح کرنا چاہتا ہے اور اُس کی رائے اللہ جل شانہ، کے حکم اور اللہ کے نبی ﷺ کے ارشاد کے خلاف ہوتی ہے، وہ ایک فساد پیدا کرتی ہے۔ انسان جو چیز بناتا ہے اس کے استعمال کا ایک قاعدہ ہے۔ ایک مکان بنایا گیا، اُس میں کھڑکیاں بھی ہیں، روشندان بھی ہیں، دروازے بھی ہیں، اُس کے اندر داخلے کے لئے دروازہ رکھا جاتا ہے۔ اب کوئی کہے کہ روشندان میں بھی جگہ ہے، میں سیڑھی لگا کر روشندان سے داخل ہو جاؤں گا اور پھر اُس سے نکل آؤں گا تو یہ فساد ہوگا، مصیبت پیدا کرے گا، صحیح طریقہ نہیں ہوگا۔ جس قادرِ مطلق نے کائنات بنائی ہے اُس نے اُس میں رہنے سہنے کے، ہر کام کے طریقے اور راستے مقرر فرمائے ہیں جو نبی کریم ﷺ نے وضاحت سے ارشاد فرما دیئے ہیں۔ اسلام کا صرف زبانی فلسفہ ہی ارشاد نہیں فرمایا گیا بلکہ اللہ کریم نے حضور اکرم ﷺ کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایسی مبارک جماعت عطا فرمائی جس نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے اللہ کے احکام پر عمل کیا اور حضور ﷺ نے تصدیق فرمائی۔

تو گویا زندگی کے سارے طور طریقے نہ صرف ارشاد فرما دیے گئے بلکہ عملی طور پر وہ معاشرہ تشکیل دے کر ایسے لوگ دکھا دیے گئے جو اُس پر سند تھے کہ اس حکم کا یہ مفہوم ہے اور اس پر اس طرح سے عمل کیا جائے۔ اب کسی بھی معاملے میں جب ہم اپنی رائے استعمال کریں گے جو اُس قانون کے خلاف ہوگی تو یقیناً خرابی، تکلیف اور فساد کا سبب بنے گی۔ منافقین چونکہ دل سے ایمان نہیں رکھتے تھے اور بظاہر خود کو مسلمان

کہلواتے تھے لہٰذا عملی زندگی میں وہ آپ ﷺ کے ارشادات سے رہنمائی لینے کی بجائے اپنی عقل سے، اپنے دماغ سے، اپنی سوچوں سے کام کا طریقہ متعین کرتے اور اُس پر عمل کرتے تھے اور فرمایا جب ان سے کہا جائے کہ تمہارا جو طریقہ کار ہے اس سے روئے زمین پر فساد پیدا ہوگا، تو جواب دیتے کہ ہم تو اصلاح کر رہے ہیں۔

آج پھر ہمیں اپنے اردگرد سے لے کر روئے زمین تک، جہاں تک ہماری معلومات ہیں یا جہاں تک ہماری نگاہ کام کرتی ہے، ہر جگہ، ہر طرف، فساد نظر آتا ہے۔ اس فساد کا بنیادی سبب کیا ہے؟ لوگوں نے اپنی محدود عقل اور اپنی ناقص رائے پر عمل شروع کر دیا ہے اور ارشاداتِ الٰہی کو اور اُن ضابطوں کو، جو نبی کریم ﷺ نے عطا فرمائے، چھوڑ دیا ہے۔

دنیوی کامیابی:

اسلام صرف مسلمانوں کے لئے نہیں ہے۔ اسلام اللہ کا قانون ہے اور اللہ کی مخلوق اور انسانوں کے لئے ہے، اللہ کے بندوں کے لئے ہے خواہ وہ کہیں بھی بستے ہوں۔ ایمان بہت بڑی نعمت ہے، اللہ کا بہت بڑا انعام ہے کہ ایمان کی دولت نصیب ہو لیکن اگر کسی کو ایمان نصیب نہ ہو مگر وہ اپنے کام میں، اپنے کاروبار میں، اپنی زندگی کے طور طریقوں میں وہ طریقے اپنا لے جو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں تو دنیا میں خرابیوں سے بچ جاتا ہے، بالکل اسی طرح، جس طرح کسی کافر کو دوا دی جائے تو بیماری سے صحت یاب ہو جاتا ہے، پیاسا ہو اور پانی پئے تو پیاس بجھ جاتی ہے۔ اس کا جو اُخروی نتیجہ ہے کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے یا نہیں، اللہ کی عظمت کو پہچانتا ہے یا نہیں، وہ الگ ہے لیکن دنیا میں اُسے اُس کا صلہ ضرور ملتا ہے۔ آج ہمارے ہاں یہ سوال بھی ہے کہ مغربی ممالک کافر بھی ہیں، اسلام کا انکار بھی کرتے ہیں، اسلامی شعائر کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں، بڑی بے حیائی ہے لیکن وہ ہم سے مال و دولت میں آگے ہیں، ہم سے قوت اور طاقت میں آگے ہیں، ہم پر روز چڑھائی کر رہے ہیں اور ہمیں روز مار رہے ہیں۔

مغرب کا عروج کہاں سے شروع ہوتا ہے؟ مغرب بہت پسماندہ تھا جب بغداد میں پختہ گلیاں تھیں، پیرس میں گھٹنوں گھٹنوں کیچڑ ہوا کرتا تھا اور جب مسلمان دنیا کو تہذیب آشنا کر رہے تھے تو مغرب جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا وحشیانہ زندگی بسر کرتا تھا بلکہ امریکہ وغیرہ کو تو اُس عہد میں Wild Wild West کہا جاتا تھا یعنی دو دفعہ Wild وحشی وحشی! مغرب اور یورپ میں لوگوں کو مکان تک بنانا نہیں آتا تھا۔ انہیں تاریخ میں The Cave Men لکھا گیا ہے، غاروں میں رہنے والے لوگ۔ اسلام نے جب ایک

تھوڑے سے عرصے میں ترقی کی تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کی ذات عالی صفات کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ اس بات کا اقرار مغرب کے کفار بھی کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ وہ ہستی ہیں جنہوں نے صرف تیئس برسوں میں پوری انسانیت کا ماحول تبدیل کر کے رکھ دیا اور پوری دنیا کے انسانوں کو ایک نئے راستے پر چلا دیا۔ پوری انسانیت کو بدل دیا اور صرف تیئس برسوں میں یہ کام مکمل ہوا۔ اہل مغرب نے سر جوڑ کر یہ سوچنا شروع کیا کہ اسلام اتنے تھوڑے عرصے میں کس طرح پھیل گیا؟ کیوں اتنے لوگ جوق در جوق اس میں شامل ہو گئے اور لوگوں کو اس سے کیا ملا؟ وہ ایمان تو نہ لائے، بعض خوش نصیبوں کو نصیب ہوا، اکثریت کو نہ ہوا لیکن انہوں نے وہ چیزیں تلاش کیں جو مسلمانوں کی ترقی کا راز تھیں۔ مسلمان جب بات کرتے تو وہ بات ایک ہوتی، اختلاف رائے نہیں ہوتا تھا۔ کسی کو یہ شبہ نہیں ہوتا تھا کہ مسلمان نے بات کی ہے، شاید غلط کہہ رہا ہو۔ جب چیز بیچتے اور خریدتے تھے تو ناپ تول بھی پورا ہوتا تھا اور اُس کی کوالٹی بھی جیسی وہ بتاتے ویسی ہی ہوتی۔ اب مسلمان جہاں جاتے وہاں کی انسانیت ظلم سے پسی ہوئی ہوتی، طاقت ور کا اپنا قانون ہوتا اور کمزور کو سارے دکھ برداشت کرنا پڑتے تھے لیکن جب اسلام انہیں برابری کی سطح پر حقوق دیتا، اُن کا تحفظ کرتا اور یہ تقاضا بھی نہ کرتا کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ انسانی حقوق تمام انسانوں کے لئے ہیں، زندہ رہنے کا سب کو حق ہے، وہ کلمہ پڑھتے ہیں یا نہیں اُن سب کی اولادوں کو تعلیم حاصل کرنے کا حق ہے، علاج معالجے کا حق سب کو ہے، روزگار کے حقوق اور روزی کے وسائل پر سب کا حق ہے، لوگ جب یہ کردار دیکھتے تو از خود اسلام کی طرف کھنچے چلے آتے اور کلمہ پڑھتے چلے جاتے۔ اہل مغرب نے ان اعمال کو اپنا لیا۔ آج ہم اپنی عدالتوں کا حال دیکھتے ہیں، مغرب کی عدالتوں سے موازنہ کریں تو وہ ہم سے ہزاروں گنا بہتر انصاف کرتی نظر آتی ہیں، گو وہ اپنے قاعدے سے کرتی ہیں لیکن انہیں کوئی سفارش یا کوئی رشوت متاثر نہیں کرتی۔ یہ بات انہوں نے کہاں سے لی؟ اسوۂ حسنہ ﷺ سے۔ یورپ میں آپ ایک چیز خریدتے ہیں۔ بطور نمونہ چیزیں دکانوں پہ لگی ہوتی ہیں، آپ کو ایک چیز پسند آئی، آپ نے کہا مجھے یہ چاہیے۔ وہ کہتے ہیں یہ بطور نمونہ ہے ہم آپ کو پیک دیتے ہیں، آپ نے ایک نیا سویٹر خریدا، ایک کوٹ خریدا لیکن گھر جا کر کھولا تو اُس میں کوئی نقص نکل آیا، کوئی بٹن ٹوٹا ہوا ہے یا کہیں سے پھٹا ہوا ہے کوئی اور نقص آ گیا تو آپ ایک ٹیلی فون کرتے ہیں اور اب یہ دکاندار کی ذمہ داری ہے کہ وہ تبدیل کرے، اپنا آدمی بھیجے اور آپ کے گھر سے خراب چیز اٹھا لے اور صحیح بھیج دے۔ ہمارے ہاں آپ دکان سے خرید کر نکلے لیکن باہر آ کر دیکھا کہ یہ چیز تو خراب ہے۔ آپ واپس گئے تو دکاندار کہتا ہے، آپ ہمارے ہاں کب آئے تھے؟ میں تو آپ کو نہیں پہچانتا۔ رسید پر لکھا ہوا ہوتا ہے، خریدا ہوا مال واپس نہ ہوگا۔

نبی کریم ﷺ بازار سے گزرے تو گندم کا ڈھیر لگا ہوا تھا جو پانی سے ایک دفعہ گزاری گئی تھی۔ گندم صاف کرتے وقت اکثر اُسے پانی سے گزار دیا جاتا ہے تو مٹی پانی میں حل ہو جاتی ہے اور دانے الگ ہو جاتے ہیں، نکھر جاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے گزرتے ہوئے دست مبارک ڈھیر کے اندر ڈالا تو ایک حد تک تراوت موجود تھی۔ اوپر سارے دانے خشک تھے لیکن اندر تھوڑی سی تراوت تھی۔ آپ ﷺ نے دکاندار سے فرمایا کہ گاہک کو بتانا ہاتھ ڈال کر دیکھ لے، اندر ذرا نمی موجود ہے۔ یہ نہ ہو کہ باہر کے خشک دانے دیکھ کر لے جائے اور گھر جا کر دیکھے تو آدھے اُس میں گیلے بھی ہوں اور آدھے خشک ہوں، ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ اگر کوئی آئے تو اُسے بتا دینا کہ اسے صاف کیا گیا ہے اور اس کے اندر نمی بھی ہے، پھر وہ پسند کر کے خریدے۔

ہٹلر نے جب پوری دنیا کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا اور انگریزوں کو اُس نے اس قدر مارا کہ شاید ہی لندن کا کوئی مقام سلامت رہا ہو۔ لندن کی پوری آبادی زیر زمین ریلوے میں پناہ گزین ہو گئی تھی اور غالباً ہزار ہزار جہازوں کا فلیٹ (Flight) آتا جو شہر پہ بمباری کرتا تھا۔ اُس عالم میں انگریزوں نے مسٹر چرچل کو وزیر اعظم بنایا تو اُس سے کسی نے کہا، تمہیں امید ہے کہ ہم بچ جائیں گے جو تم اس حال میں وزارت عظمیٰ سنبھال رہے ہو، بچنے کی کوئی امید نہیں۔ چرچل کا جواب بھی عجیب تھا۔ اُس نے کہا، کیا مجھے تم یہ بتا سکتے ہو کہ ہماری عدالتیں انصاف کرتی ہیں؟ جواب ملا، ہماری عدالتوں میں انصاف ہوتا ہے۔ اس پر چرچل نے کہا ''جب تک ہم انصاف کرتے ہیں تب تک ہمیں کوئی مٹا نہیں سکتا''۔

لیکن یہ طریقہ سکھایا کس نے؟...... محمد رسول اللہ ﷺ نے!

امریکہ کے صدر کے خلاف مقدمہ میں ایک وکیل کو جج مقرر کیا گیا اور ہم نے یہاں ٹیلی ویژن پر دیکھا کہ وہ چار گھنٹے جرح کرتا رہا اور امریکی صدر جواب دیتا رہا، وہ ایک عام عدالتی لوہے کی کُرسی پر بیٹھا ہوا جواب دے رہا تھا۔ یہ دیکھ کر ایک دوست مجھ سے کہنے لگا کہ امریکہ ابھی برباد نہیں ہوگا، ابھی یہ وقت لے گا۔ جہاں انصاف کا یہ عالم ہے کہ صدر پر قوم کو اعتراض ہے اور ایک وکیل کو جج بنا دیا گیا جو چار گھنٹے امریکہ جیسے ملک کے صدر پر بحث اور جرح کر رہا ہے اور وہ لوہے کی کُرسی پر بیٹھا جواب دے رہا ہے، جب تک یہ اصول ان کے پاس ہیں یہ جلدی برباد نہیں ہوں گے۔

ہم خود غلط کرتے ہیں تو اُس کے لئے تاویلیں گھڑتے ہیں اور جواز پیدا کرتے ہیں۔ جو مسجد میں گولی چلاتا ہے اُس سے آپ علیحدگی میں پوچھیں کہ تم نے نمازیوں کو کیوں مار دیا تو اُس کے پاس بھی جواز ہے۔ میں نے اس لئے کیا کہ میرے ساتھ یہ ظلم ہوا تھا۔ تمہارے ساتھ ظلم ہوا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم دوسروں پر ظلم

کرنے لگو؟ اپنے ظلم کا مداوا کرو لیکن آپ پر ظلم ہوا تو یہ اس بات کی سند نہیں ہے کہ آپ کو اجازت مل گئی کہ دوسروں پہ ظلم کرنا شروع کر دو۔ گناہ اور خلاف ارشادِ نبوی ﷺ کام کیا جائے، پھر اُس کی تاویلیں گھڑی جائیں، یہ منافقوں کا کردار ہے۔

منافقین کی روش:

جب اُن سے کہا جاتا ہے۔ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ یہ کام جو تم کرنے چلے ہو اس سے تو روئے زمین پر فساد پیدا ہوگا تو کہتے ہیں۔ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ بھئی! ہم تو بہتری کے لئے اور لوگوں کی بھلائی کے لئے کر رہے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں:

اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ یاد رکھو! یقیناً یہی لوگ فساد پیدا کرنے والے ہیں، وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ لیکن انہیں شعور ہی نہیں ہے، اُن کا اپنا شعور مسخ ہو چکا ہے، نفاق کی وجہ سے ان کی سمجھ جواب دے گئی ہے اور پھر جب ان سے کہا جائے:

وَاِذَا قِيْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ جب ان سے کہا جائے، ایسا ایمان لاؤ جیسا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے، وہ عقیدہ اختیار کرو جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے، وہ کردار اختیار کرو جو اُن کا ہے۔ صحابہ کرامؓ معیارِ ایمان وعمل ہیں۔

عظمت صحابہؓ:

یہ آیت کریمہ بتا رہی ہے کہ قرآن کے معیاری مسلمان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ قرآن کی تفسیر صحابہ کرام کا کردار ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشادات کا مفہوم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا کردار ہے۔ اب اگر کوئی گرائمر کی رو سے، منطق کا زور لگا کر اور صرف ونحو کا زور لگا کر مختلف معنی گھڑنا چاہے تو وہ ناقابل قبول ہوں گے۔ پوچھا یہ جائے گا کہ جو مفہوم اس آیت کریمہ کا آپ بتا رہے ہیں یا اس حدیث مبارکہ سے جو نتیجہ آپ اخذ کر رہے ہیں، کیا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی یہی سمجھا تھا؟ صرف اس ایک سوال پر سارے اختلافات ختم ہو جاتے ہیں صرف یہ ایک ایسی سند ہے کہ اگر اس پر سارے لوگ متفق ہو جائیں تو سارے اختلافات ختم ہو جاتے ہیں، اور اگر کوئی اختلاف رہتا ہے تو وہ رہتا ہے جو باعث برکت ہوتا ہے یعنی اُس بات کے دو، چار، پانچ مثبت پہلو ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو پہلو بھی لیا، مثبت لیا۔

اختلاف صحابہ رضوان اللہ اجمعین اس طرح کا ہے کہ اُسے ''مشاجراتِ صحابہؓ'' کہا جاتا ہے۔ ''مشاجرہ'' شجر سے بنا ہے یعنی جس طرح درخت کی شاخیں ایک دوسرے میں الجھتی ہیں تو اور گھنی ہو جاتی ہیں، سایہ گھنا ہو جاتا ہے، اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اختلافات نے امت کے لئے سایہ گھنا کر دیا۔ مثلاً حضور اکرم ﷺ جب غزوۂ خندق سے پلٹے تو حکم دیا کہ عصر کی نماز بنو قریظہ کے علاقہ میں پہنچ کر پڑھو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اُس طرف چل دیئے۔ نبی کریم ﷺ بعد میں تشریف لائے۔ اب راستے میں عصر کا وقت ہو گیا تو بعض کی رائے یہ ہوئی کہ حضور ﷺ کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ جلدی پہنچو، نماز تو وہاں پہنچ کر بھی پڑھنی ہے تو نماز کو موخر کیوں کیا جائے! اتنا ہی وقت وہاں جا کر نماز کو دینا ہے تو کیوں نہ یہاں پڑھ لی جائے! لہٰذا ہم یہاں نماز پڑھیں گے۔ کچھ لوگوں نے کہا، نہیں یہ تو بڑی واضح بات ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے وہاں پہنچ کر نماز پڑھو، بات ختم ہو گئی! کچھ لوگوں نے وہاں پہنچ کر نماز پڑھی، کچھ نے راستہ میں پڑھ لی۔ پھر حضور ﷺ تشریف لے آئے۔ نبی کریم ﷺ کے سامنے یہ بات رکھی گئی کہ حضور ﷺ یہ اختلاف ہو گیا۔ آپ ﷺ نے سکوت فرمایا، آپ ﷺ نے کسی پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا کہ بات کے دونوں پہلو سامنے آ گئے تھے۔ تعمیل ارشاد میں بھی تاخیر نہیں ہوئی، انہوں نے راستے میں ادا کر لی، انہوں نے وہاں ادا کر لی۔ بات کے دونوں پہلو، دو رخ سامنے آ گئے لیکن دونوں مثبت ہیں کہ تعمیل ارشاد بھی ہو گئی اور نماز بھی ادا ہو گئی، اس لئے انہیں ''مشاجراتِ صحابہؓ'' کہا جاتا ہے۔ ایک چھوٹی سی بات آپ نوٹ کر لیجئے۔ آج ہم اذان کہنا شروع کرتے ہیں تو سمجھ نہیں آتی ابتدا کہاں سے ہوئی اور اذان ختم کہاں ہوئی۔ اذان سے پہلے ہم نے اتنا کچھ زائد لگایا ہوتا ہے اور اُس کے آخر میں ہم اتنا کچھ لگا لیتے ہیں کہ سمجھ نہیں آتی کہ اذان کہاں سے شروع ہوئی اور کہاں ختم ہو گئی۔ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اسی طرح اذان دیتے تھے؟ اسی طرح اذان ہوتی تھی عہد نبوی ﷺ میں؟ نہیں ہوتی تھی تو ہم غلط کر رہے ہیں! اب ہمارے پاس جواز یہ ہے کہ ہم درود ہی تو پڑھتے ہیں۔ درود ضرور پڑھیں، رات دن پڑھیں لیکن درود شریف اذان کا حصہ تو نہیں، آپ اذان میں کیوں شامل کرتے ہو۔ درود شریف پڑھنے سے کوئی نہیں روکتا لیکن یہ اذان کا حصہ تو نہیں۔ اذان تو وہی ہے جو سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے دلوائی گئی اور سارے عہد صحابہؓ میں رہی اور آج تک وہی آ رہی ہے۔ اسی طرح سے ہم عبادات میں اگر اضافے اور کمی بیشی کر رہے ہیں تو باقی معاملات میں ہم کہاں تک پہنچے ہوں گے!

ایک دفعہ ایک شخص مجھ سے کہنے لگا کہ اللہ کا نام ہی تو ہے۔ چائے پیتے ہوئے اگر میں ایک کی بجائے دو کپ پی لیتا ہوں تو کیا حرج ہے؟ اگر کوئی اس طرح اذان کہتا ہے یا اگر کوئی جنازہ کے بعد دعا مانگتا ہے تو کیا ہے، اللہ اللہ ہی کرتا ہے، کرنے دو۔ میں نے کہا، نہیں! اللہ کا نام ہی تو ہے اگر آپ فجر کی نماز میں تین رکعتیں پڑھیں، چار رکعت پڑھیں، چھ رکعت فرائض کی پڑھیں تو کیا نماز ادا ہو جائے گی؟ نہ دو سے کم ہوگی نہ دو سے زیادہ۔ فجر کی دو ہی رکعت فرض پڑھیں گے، اس لئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے دو ہی پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ یہ دین ہے، یہ آپ کے ہوٹل کی چائے نہیں ہے۔ اس میں نیکی وہی ہے جو حضور ﷺ کے حکم کے مطابق ہو، اُس سے کم کرے یا زیادہ کرے، دونوں طرح دین سے نکل جائے گا، نیکی نہیں رہے گی۔ فجر کی رکعت اگر کوئی چار پڑھ لیتا ہے تو باقی رکعت میں بھی الحمد شریف ہی پڑھے گا، رکوع سجود ہی کرے گا لیکن چاروں باطل ہو جائیں گی۔

فرمایا: جب انہیں کہا جائے کہ دوسرے لوگوں کی طرح، تمہارے ساتھ جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں، اُن کی طرح ایمان لاؤ تو کہتے ہیں، یہ تو بے وقوف لوگ ہیں، انہیں جو کہا جائے اُسی پہ عمل کرتے ہیں۔ ہم عقلمند، دانا لوگ ہیں، ہم بات کو پرکھتے ہیں، سوچتے اور سمجھتے ہیں۔

قَالُوٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ ان بے وقوفوں نے جس طرح مان رکھا ہے، ہم بھی اسی طرح مان لیں؟ فرمایا: اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ یاد رکھو! جس کا عقیدہ جس کا عمل صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عمل و عقیدہ کے خلاف ہے، وہ خود بے وقوف ہے۔ بے وقوف وہ ہے جو اس پاکباز جماعت سے اختلاف کئے پھرتا ہے۔ اس لئے بے وقوف ہے کہ جسے یہ نیکی سمجھ رہا ہے، یہ اس کے لئے عذاب کا سبب اور گستاخی قرار پائے گی۔ ایک آدمی تو گناہ کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں گناہ کر رہا ہوں تو اس پر سزا ہوتی ہے۔ ایک سمجھتا ہے کہ میں نیکی کر رہا ہوں اور اُس پر جوتے پڑتے ہیں تو یہ کتنی بے وقوفی ہے! فرمایا بیوقوف وہ ہیں کہ جو اپنی طرف سے عقلمند ہونے کا دعویٰ کر کے اپنی پسند کی تعبیریں گھڑ رہے ہیں لیکن اس پر انہیں سزا ہوگی۔ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ لیکن انہیں اس بات کا علم نہیں ہے، ان میں اتنی استعداد ہی نہیں کہ اس بات کو جان سکیں۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ ان کا طریقہ کار یہ ہے کہ جب ایمان داروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم مانتے ہیں، ہم ایمان لائے، ہم یقین رکھتے ہیں یعنی جب کسی نیک آدمی سے ملتے ہیں تو بڑی دینی باتیں کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بڑا دین دار ظاہر کرتے ہیں۔ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ اور جب اپنے شیطانوں اور اپنے ہم جولیوں میں الگ بیٹھتے ہیں تو قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ کہتے ہیں ہم تو آپ

لوگوں کے ساتھ ہیں۔ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ ہم تو ان سے مذاق کر رہے تھے، انہیں بیوقوف بنا رہے تھے، بھلا یہ ملاؤں کی باتیں کوئی سننے کے لائق ہیں یا کوئی انہیں مانتا ہے۔ اس زمانے میں ان پرانی باتوں میں کیا رکھا ہے، ہم تو ان باتوں کو نہیں مانتے، ہم تو آپ لوگوں کے ساتھ ہیں، روشن خیال اور ترقی پسند ہیں، ہم تو زمانے کا ساتھ دینے والے لوگ ہیں۔ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اُن سے تو ہم مذاق کر رہے تھے۔ فرمایا:

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ اللہ اُن سے مذاق کرتا ہے۔

مذاق کرنا شان باری تعالیٰ سے بعید ہے، جب اس طرح کا کوئی لفظ اللہ کریم کی ذات کی طرف منسوب کیا جاتا ہے یا اس طرح کی کوئی صفت اللہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے تو اُس سے معنی بعید مراد ہوتا ہے۔ معنی بعید وہ ہوتا ہے جو نتیجہ ہوتا ہے مثلاً آپ کسی سے مذاق کرتے ہیں کہ میں نے آپ کو دس ہزار انعام دے دیا اور آپ دیتے نہیں ہیں تو اس میں اُس کی سبکی بھی ہے کہ وقتی طور پر خوش ہوا پچاس بندوں کو بتادیا پھر اُسے ملا بھی کچھ نہیں۔ نتیجتاً محرومی حصے میں آئی تو یہاں فرمایا گیا۔ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ کہ اللہ اُن سے ایسا سلوک کرتا ہے کہ وہ محروم ہو جاتے ہیں، اپنی جگہ خوش پھرتے ہیں کہ ہم نے بہت کچھ پالیا لیکن نتیجتاً محروم ہو جاتے ہیں۔ جب یہ استہزا کا لفظ اللہ جل شانہ، کی طرف بولا جائے گا تو معنی بعید مراد لیا جائے گا۔ فرمایا: اللہ اُن سے مذاق فرماتا ہے یعنی انہیں محروم کر دیتا ہے اور اُس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ اور وہ اپنی گمراہی میں مزید سرگرداں رہتے ہیں، بھٹکتے رہتے ہیں، آگے سے آگے چلتے چلے جاتے ہیں اور یہ گمراہی بالآخر اُن کی اُخروی تباہی کا سبب بنتی ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى۔ منافقین کیسے لوگ ہیں؟ نفاق کیا ہے؟ اللہ پناہ دے، کہتے رہنا میں مسلمان ہوں، کلمہ پڑھتے رہنا، نمازیں پڑھتے رہنا، روزے رکھتے رہنا، حج ادا کرنا، زکوٰۃ دینا لیکن کردار کی اصلاح نہ کرنا اور دنیوی لالچ میں آ کر کردار میں برائیاں پیدا کر لینا، چند ٹکوں کے عوض جھوٹ بول لینا، چند سکے کمانے کیلئے دھوکا دینا۔ فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی خرید لی اور بدلے میں ہدایت کو چھوڑ دیا۔ نتائج تو عملی زندگی پر ہوں گے، زبانی قول پر نہیں! کوئی کہتا ہے میں نے زہر کھا لیا تو صرف کہنے سے نہیں مرتا لیکن اگر کوئی یہ اعلان نہ بھی کرے اور عملاً زہر کھا لے تو مر جائے گا۔ نتائج عمل پر مرتب ہوتے ہیں۔ منافقین ایسے بدبخت ہیں کہ انہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی کو اپنایا۔ گویا انہوں نے ایسا کاروبار کیا کہ ہدایت کی دولت لٹا کر گمراہی خرید لی فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾ یہ تجارت انہیں کبھی فائدہ نہ دے گی اور نقصان یہ ہوگا کہ یہ کبھی ہدایت نہیں پائیں گے۔

بدعت:

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے ارشادات میں یہ بات لکھتے ہیں کہ دین میں جو نئی نئی رسومات ایجاد کی جاتی ہیں اور انہیں پھر عبادت سمجھا جاتا ہے، یہ ایسی بدبختی ہے جسے شریعت بدعت کہتی ہے۔ بدعت کیا ہے؟ کوئی نئی رسم ایجاد کریں اور اُسے عبادت قرار دیں جسے اللہ نے عبادت قرار نہیں دیا، نبی کریم ﷺ نے عبادت قرار نہیں دیا۔ فرماتے ہیں کہ بدعت کی مصیبت یہ ہے کہ بندے کو توبہ نصیب نہیں ہوتی۔ جو شخص گناہ کو گناہ سمجھ کر کر رہا ہے، ممکن ہے اُسے کسی وقت احساس ندامت ہو جائے لیکن جو گناہ کو نیکی سمجھ رہا ہے وہ نیکی سے توبہ کب کرے گا حالانکہ وہ نیکی ہے ہی نہیں۔ وہ فرماتے ہیں، بدعت کی ایک مصیبت یہ ہے کہ اس سے توبہ نصیب نہیں ہوتی اور یہی بات یہاں قرآن نے فرمادی کہ:

وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿١٦﴾ یہ کبھی ہدایت نہیں پائیں گے چونکہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں، اُسے یہ بھلا سمجھ رہے ہیں کہ ہم اچھا کر رہے ہیں۔ اب اچھے سے توبہ کون کرے گا! جو سمجھتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہو رہی ہے، بُرائی ہو رہی ہے، وہ تو توبہ کر سکتا ہے، کبھی اُسے احساس ہو سکتا ہے کہ میں اب نہ کروں لیکن جو برائی کرتا ہے لیکن اُسے اچھا، بھلا اور نیکی بھی سمجھتا ہے تو اس مفروضہ نیکی سے توبہ کون کرے گا! فرمایا: فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ اُن کی یہ تجارت انہیں فائدہ نہیں دے گی اور سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ انہیں کبھی ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧﴾ ان کی مثال تو ایسی ہے جیسے کسی شخص نے رات کی تاریکی میں روشنی حاصل کرنے کے لئے آگ جلائی ہو۔ جب وہ خوب روشن ہوگئی اور اُس کا اردگرد اُس آگ نے روشن کر دیا اور ماحول نظر آنے لگا، اونچی نیچی جگہ دکھائی دینے لگی، گھاس جھاڑی نظر آنے لگی، کہاں پتھر پڑا ہے، کہاں صاف جگہ ہے، اسے دکھائی دینے لگا تو ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ اللہ اُس کا سارا نور سلب کر لے، اللہ اُس کی ساری روشنی سلب کر لے اور اُسے تاریکیوں میں چھوڑ دے جس میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا ہو۔ یعنی منافقین، دعوئ ایمان کے بعد کافرانہ کردار کے حامل لوگ، جنہوں نے دعوئ ایمان کو صرف دنیوی فائدے کے لئے اور مسلمانوں کی مردم شماری میں شامل ہونے کے لئے اختیار کرلیا اور کردار وہی کافرانہ رہا، ان کے متعلق فرمایا: یہ لوگ تاریکی میں بھٹک رہے تھے، پھر انہیں ایمان کی روشنی نصیب ہوئی لیکن جو کردار انہوں نے اپنایا وہ اُس کا سبب بن گیا کہ اللہ نے وہ روشنی سلب کرلی۔ اب ایک شخص مسلسل تاریکی میں رہ رہا ہو تو کسی حد تک اُسے کچھ نہ کچھ سجھائی دیتا رہتا ہے لیکن تاریکی میں کسی کو آپ روشنی عطا کر دیں، ایک بلب لگا

دیں، آگ جلا دیں، ماحول روشن ہو جائے، پھر اچانک وہ روشنی بجھ جائے تو کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ فرمایا: انہوں نے ایمان کا اعلان کیا، اللہ نے ان کے سامنے روشنیاں بکھیر دیں لیکن جب انہوں نے کافرانہ کردار اپنایا تو وہ نور سلب ہو گیا۔ اب یہ ایسے اندھیرے میں ہیں جس میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ یہ نفع نقصان کی بات کیا سمجھیں گے، یہ بہتری اور بھلائی کو کیا جانیں گے! ان کا حال تو یہ ہو گیا ہے جیسے صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡیٌ فَهُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ ۝﴿۱۸﴾ ان کی قوت گویائی کھو چکی ہو، گونگے ہو چکے ہوں، آنکھیں دید سے محروم ہو چکی ہوں اور کان سماعت سے محروم ہوں۔ یہ تو گونگے، بہرے، اندھے ہو چکے ہیں اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ فَهُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ ۝﴿۱۸﴾ یہ واپس نہیں آئیں گے، یہ واپسی کی استعداد ہی کھو چکے۔ یعنی رسومات کو نیکی سمجھنا یا اپنی عقل سے، اٹکل پچو سے کسی کام کو عبادت قرار دینے والا شخص واپسی کا راستہ ہی بھول جاتا ہے۔

اَوۡ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان برس پڑا ہو، موسلا دھار بارش ہو رہی ہو۔ فِیۡهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعۡدٌ وَّبَرۡقٌ ۚ اُس میں ہر طرف تاریکی پھیلا دی گئی ہو، کچھ نظر نہ آتا ہو اور اُس میں بجلی کی گرج بھی ہو، چمک بھی ہو۔ یَجۡعَلُوۡنَ اَصَابِعَهُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الۡمَوۡتِ اب یہ موت کے ڈر سے اور بجلی سے بچنے کے لئے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں یعنی حیلے کرتے ہیں۔ اب اگر کسی پر بجلی ہی گرتی ہے اور اُس نے کانوں میں انگلیاں دے رکھی ہوں تو بھی تباہ کر دے گی، نہ دے رکھی ہوں تو بھی، یہ کوئی بچنے کا سبب تو نہیں ہے۔ فرمایا: جس طرح کوئی شخص بارش میں گھر جائے جس میں بجلی کی گرج بھی ہو، چمک بھی ہو، ہر طرف کچھ سجھائی نہ دیتا ہو تو یہ بچنے کے لئے کیا کر رہے ہیں؟ اللہ کی پناہ میں نہیں آتے، اللہ نے اسلام کو جو ایک قلعہ بنا دیا، اُس کے اندر داخل نہیں ہوتے، سنت نبوی ﷺ، جو حفاظت کا سبب ہے، اُسے نہیں اپناتے! اپنا اٹکل پچو لگاتے ہیں کہ چلو بجلی کڑک رہی ہے، کانوں میں انگلی دے لو۔ بھئی! کانوں میں انگلی دینا تجھے کیا تحفظ عطا کرے گا! بودی تدبیریں کرتے ہیں کہ شاید اسی طرح ہم موت سے بچ جائیں گے۔

كُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمۡ مَّشَوۡا فِیۡهِ ۙ جب بجلی چمکتی ہے تو روشنی ہوتی ہے، دو چار قدم چل لیتے ہیں۔ وَاِذَاۤ اَظۡلَمَ عَلَیۡهِمۡ قَامُوۡا ؕ جب پھر تاریکی چھا جاتی ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یعنی جب کبھی اللہ کے بندوں سے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے کوئی بات سنتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہمیں ایسا کرنا چاہیے، تھوڑی سی چمک، تھوڑی سی روشنی نظر آتی ہے لیکن جب اپنی بات، اپنے دوستوں کی بات، اپنی سوسائٹی اور اپنے گٹھ جوڑ کی بات نظر آتی ہے تو اُس روشنی پر چلنے سے رُک جاتے ہیں۔ اگر اللہ چاہتا تو اُن کی قوتِ شنوائی بھی سلب کر لیتا، اُن کی قوتِ بینائی بھی سلب کر لیتا، اس لئے کہ اللہ ہر چیز پہ قادر ہے۔ تم اپنی قوت

سماعت اور اپنی بصارت کی بھی توہین کر رہے ہو کہ جب روشنی نظر آتی ہے تو پھر اُسے چھوڑتے کیوں ہو؟ جب حق بات سنتے ہو تو اُس حق بات کو اختیار کیوں نہیں کر لیتے ، اُسے چھوڑ کیوں دیتے ہو؟ فرمایا:

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۰ ہونا تو یہ چاہیے کہ ایسے گستاخ لوگوں سے قوتِ گویائی، قوتِ بصارت اور اُن کی سماعت سلب کر لی جائے، اس لئے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، جو چاہے کر سکتا ہے لیکن وہ پھر وقت عطا کر دیتا ہے، فرصت اور مہلت عطا کر دیتا ہے۔ اپنے احکام، اپنے ارشادات اور اپنے نبی ﷺ کے ارشادات کو پہنچانے کا اہتمام فرماتا ہے، ایسے لوگ پیدا کرتا رہتا ہے جو سیدھی کھری سچی بات کہتے رہتے ہیں، پہنچاتے رہتے ہیں، لوگوں پر یہ اُس کا احسان ہے۔ فائدہ کس کو ہوگا؟ فائدہ وہی پائے گا جو خلوصِ نیت سے حق کو قبول کرے گا اور اپنے کردار کو اُس میں ڈھالنے کی پوری کوشش کرے گا۔ بشری کمزوریوں کے سبب جو کمی رہ جاتی ہے اُسے معاف کرنا اُس رحیم و کریم کا کام ہے لیکن مقدور بھر وہ کوشش تو کرے۔ اب اس میں اگر کمی رہ گئی تو اُس کی رحمت بہت وسیع ہے لیکن اگر کوئی شخص سرے سے کوشش ہی نہیں کرتا اور احکام کی توجیہات از خود اپنی طرف سے گھڑتا رہتا ہے تو اُس کا انجام وہی ہوتا ہے جو ایسے لوگوں کا ہونا چاہیے۔

اللہ کریم ہمیں نفاق جیسی بڑی مصیبت سے اپنی پناہ میں رکھے، ایک ہوتا ہے عقیدۂ نفاق میں مبتلا ہو جانا یا کافر ہو جانا، اللہ اُس سے بھی پناہ میں رکھے لیکن ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ آدمی سمجھتا ہے میرا عقیدہ ٹھیک ہے تو عمل کا کیا ہے، خیر ہے جب میں مسلمان ہوں تو بخشا جاؤں گا۔ یہ درست نہیں۔ کلمہ وہی مقبول ہوگا جو عمل میں تبدیلی لانے کا سبب بنے گا۔ ایک شخص کہتا ہے میں نے کھانا کھا لیا اور کھاتا نہیں ہے تو کیا وہ بھوکا نہیں مرے گا؟ یہی عالم کلمۂ طیبہ کا ہے، ہم نے کلمہ پڑھ لیا اور اُس پر عمل نہیں کرتے۔ اس اقرار نے جو ذمہ داریاں ہم پر عائد کی ہیں، اُن کو پورا نہیں کرتے۔ کلمۂ طیبہ نے ہمارے لئے جو حدود و قیود مقرر کر دی ہیں اُن کے اندر ہم نہیں رہتے تو اللہ پناہ دے! نتیجہ تو خراب ظاہر ہوگا۔ اپنی بھرپور سعی کرنی چاہئے کہ عقائد و نظریات وہ ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائے اور جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین نے سمجھے اور اُن پر عمل کیا۔ کردار وہ ہو جو اللہ کے حبیب ﷺ نے سمجھایا اور حضور ﷺ کے سامنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین نے اُس پر عمل کر کے دکھایا۔ اگر بشری کمزوریوں کی وجہ سے اُس میں کوئی کمی رہ جائے تو اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے لیکن صرفِ نظر کر لینا، توجہ ہی نہ کرنا اور پرواہ ہی نہ کرنا، اللہ ایسے حال سے اپنی حفاظت میں رکھے، آمین۔

سورۃ البقرہ رکوع 3 آیات 21 تا 29

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُوْنَ ﴿٢١﴾ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ
السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا
وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا
بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿٢٣﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا
النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۗ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ
ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِىْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۗ
وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْىٖۤ اَنْ
يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۗ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا
مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ۗ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا
الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ
اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٢٧﴾

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ
يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٨﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ
جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٩﴾

اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم (گرفت سے) بچ سکو ﴿۲۱﴾ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسا کر تمہارے کھانے کے لئے انواع و اقسام کے پھل پیدا کئے پس کسی کو اللہ کا ہمسر نہ بناؤ اور تم جانتے ہو ﴿۲۲﴾ اور اگر تم کو اس کتاب میں جو ہم نے اپنے بندۂ خاص پر نازل فرمائی کچھ شک ہو تو ایسی تحریر کا ایک ٹکڑا تم بھی بنا لاؤ اور اگر تم سچے ہو تو اللہ کے علاوہ جو تمہارے مددگار ہیں ان کو بھی بلا لو ﴿۲۳﴾ پھر اگر تم یہ کام نہ کر سکے اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے (اور) جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ﴿۲۴﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے باغات ہیں جن کے تابع نہریں بہہ رہی ہیں جب ان میں سے انہیں کسی قسم کا پھل کھانے کو دیا جائے گا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا اور ان کو ایک دوسرے سے ملتے جلتے (پھل) دیئے جائیں گے اور وہاں ان کے لئے پاک بیویاں ہوں گی اور وہ ان (باغوں) میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۲۵﴾ یقیناً اللہ مچھر یا اس سے بڑی کسی شئے کی مثال دینے سے نہیں شرماتے ہاں پس جو مومن ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کے پروردگار نے حق کہا ہے (یعنی سچی بات اور برموقع ہے) اور جو کافر ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ کی کیا مراد ہے؟ اکثر لوگوں کو وہ اس سے گمراہ کرتے ہیں اور اکثر کو اس سے ہدایت بخشتے ہیں اور وہ اس سے صرف نافرمانوں کو گمراہ کرتے ہیں ﴿۲۶﴾ جو اللہ سے پکا وعدہ کرنے کے لئے بعد

توڑ دیتے ہیں اور اللہ نے جس کے جوڑے کا حکم دیا ہے اس کو توڑتے ہیں اور زمین
میں خرابی کرتے ہیں یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ﴿۲۷﴾ تم اللہ کا انکار
کیسے کر سکتے ہو اور تم بے جان تھے پھر اُس نے تم کو حیات دی پھر تم کو موت دے گا
پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کے پاس لوٹائے جاؤ گے ﴿۲۸﴾ وہی تو ہے جس
نے زمین میں سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا پھر آسمانوں کی طرف توجہ فرمائی تو
سات آسمان درست بنا دیئے اور وہ سب چیزوں سے آگاہ ہے ﴿۲۹﴾

خلاصۂ تفسیر و معارف

اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا، تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، اس لئے اُس کی عبادت کرو کہ تمہارا اُس کے ساتھ ایک ایسا رشتہ قائم ہو جائے کہ تم اُس کی ناراضگی سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنے لگو، تمہیں تقویٰ نصیب ہو جائے۔ تمہارا وہ پروردگار جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا اور آسمان کو چھت اور اُس نے تم پر آسمان سے پانی برسایا اور اُس پانی کی بدولت، بہترین پھل پیدا فرما کر تمہاری غذا کا اہتمام فرمایا، اُس کے مقابلے میں تم اُس جیسا کسی کو مت مانو اور یہ ایسی بات ہے کہ تم خود بھی جانتے ہو۔ یعنی ہر انسان خود بھی یہ بات جانتا ہے کہ کوئی دوسرا ایسا نہیں جو زمین کو پیدا کرے، آسمان کو پیدا کرے۔ کوئی دوسرا ایسا نہیں جو بارشیں برسائے اور اُس سے طرح طرح کے پھل اور کھیتیاں پیدا فرمائے، یہ اُسی وحدہٗ لاشریک کی عطا ہے۔

عبادت اور تقویٰ کا مفہوم:

بعض اوقات انسان ایسا بدنصیب ہوتا ہے کہ اُسے عبادت کی توفیق نہیں ہوتی۔ ایک اور انسان ہوتا ہے جسے عبادت میں شغف تو ہوتا ہے لیکن وہ کچھ عجیب طرح سے اپنے ٹوٹے پھوٹے سجدوں پہ یا اپنے اذکار و وظائف پہ فخر کرنے لگتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں بہت بڑا کام کر رہا ہوں اور میرا تو اب بہت حساب اللہ کے ذمے نکلتا ہے۔ اس گھمنڈ میں آ جاتا ہے کہ میں بہت نیک ہوں، میں بہت پارسا ہوں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ عبادت کا مفہوم کیا ہے؟ چونکہ ہم صرف نماز روزے کو، نفلی عبادات کو یا حج و صدقات کو فرض ہوں یا نفل ہوں، اُسی کو عبادت سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عبادت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ جو بھی کام اللہ کریم کی اطاعت میں کیا جائے، اُس کی رضا کے لئے خلوص سے کیا جائے، ہر وہ کام عبادت

ہے۔ روزی جائز طریقے سے کمانا عبادت ہے، بال بچوں کو حلال روزی کھلانا عبادت ہے، اپنے رہنے کے لئے جائز وسائل سے گھر بنانا عبادت ہے، زندگی کا ہر وہ کام جو حدودِ شرعی کے اندر کیا جائے اور اس نیت سے کیا جائے کہ اللہ کریم اس پر راضی ہوں، وہ عبادت ہے اور عبادات پر جو سب سے بڑی نعمت نصیب ہوتی ہے، وہ تقویٰ ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴿۲۱﴾ تقویٰ ایک ایسا رشتہ ہے کہ بندے کا اللہ کریم سے ایسا تعلق پیدا ہو جائے، اُس کے دل میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ میرا پروردگار ہر آن، ہر وقت میرے ساتھ ہے، میری ہر حرکت کو دیکھتا ہے، میری ہر بات کو سنتا ہے اور ہر لمحے میری دستگیری فرماتا ہے، ہر دکھ میں میری مدد فرماتا ہے، ہر سکھ مجھے وہی عطا فرماتا ہے اور اُس کی نافرمانی سے، اُس کی ناراضگی سے ڈرنے لگے۔

عبادت پہ اُجر:

جہاں تک عبادات کی اُجرت کا تعلق ہے جس پہ آدمی کو بڑا گھمنڈ ہو جاتا ہے کہ میں نے اتنے نفل پڑھے، اتنی نمازیں پڑھیں، اتنے روزے رکھے، میں بہت پارسا ہوں! تو فرمایا: عبادات کی مزدوری تم پہلے لے چکے ہو۔ وہ تمہیں اتنا عطا کر چکا ہے کہ اگر تمہیں ہزاروں برس بھی زندگی نصیب ہو اور ہر پل عبادت میں گزار دو تو اس نے جو کچھ عطا کیا ہے تم اُس کا شکر تک ادا نہیں کر سکتے۔ عبادت کی توفیق بھی تو اُس کی عطا ہے۔ اُس کا احسان ہے کہ اُس نے تمہیں یہ توفیق بخشی کہ تم اُس کی عبادت کرتے ہو۔ بخشش عبادات پہ نہیں کہ ہم نے نمازیں بہت پڑھیں تو ہماری بخشش یقینی ہوگئی، بخشش اُس کے کرم پر ہے اور اُس نے اعلان فرما دیا کہ اگر کسی کا خاتمہ کفر و شرک پر ہوگا تو اُس کی بخشش قطعی نہیں ہوگی۔ ایمان پر بھی جو مرتا ہے، وہ قادر ہے کہ اُس کی سزائیں معاف کر دے اور بخش دے۔ اُس کی اپنی مرضی کہ کس کو کتنا دیتا ہے۔ سارے گناہ معاف کر دے تو کوئی اُس کی رحمت کو روک نہیں سکتا۔ انسان کسی بھی حال میں اس بات پہ فخر نہیں کر سکتا کہ میں نے بہت عبادتیں کیں، میں نے بہت محنتیں کیں لہٰذا میرا بہت کچھ اللہ کی طرف نکلتا ہے بلکہ پہلے سے اُس پر اللہ کریم کے اتنے احسانات ہیں کہ شمار نہیں۔ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ اللہ تو وہ ہے جس نے پیدا کیا، عقل دی، شعور دیا، احساس دیا، دست و بازو دیئے، تمہاری غذا کا اہتمام فرمایا، تمہیں زندگی جیسی نعمت دی اور توفیق عبادت دی۔ یہ سب کچھ تو اللہ کریم سے آپ پہلے لے چکے۔ انسان کو جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں، ایک ایک نعمت کا بدل نہیں ہو سکتا۔ اگر اُسے ہزاروں برس بھی عمر ملے اور ہر پل عبادت میں گزار دے تو کسی ایک نعمت کا بھی شکر ادا کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔ نظر کی نعمت عطا فرمائی، سننے کی قوت عطا فرمائی اور ایسا عجیب و غریب نظام عطا فرمایا، فضائیں تمہارے لئے مسخر کر دیں، کائنات کو تمہاری خدمت پہ مامور کر دیا۔

کائنات خدمت انسانی پہ مامور ہے:

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا روئے زمین پر بے شمار نعمتیں تمہارے لئے بکھیر دیں۔ تم جو کھاتے ہو، جو پیتے ہو، جو استعمال کرتے ہو، جس پہ سواری کرتے ہو، جو سانس لیتے ہو، جو روشنی تم تک پہنچتی ہے، کس کس نعمت کو گنو گے۔ انسانی وجود ایسی عجیب مشینری ہے کہ یہ ساری چیزیں اسے بیک وقت چاہئیں اور جب تک زندہ ہے تب تک چاہئیں، کسی ایک دن کے لئے نہیں اور وہ ایسا کریم ہے کہ ہر ایک کو اُس کا حصہ ہر جگہ پہنچا رہا ہے۔ اُس کے تو پہلے ہی سے انسان پر اتنے احسانات ہیں کہ جتنی بھی عبادتیں کرتا چلا جائے، وہ اُس کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہے۔ اُس کی عطا بے حساب ہے اور عبادت کرنے کی توفیق بھی تو اُسی کی عطا ہے۔ حاصل عبادت کا یہ ہوتا ہے کہ اللہ کریم کی پہچان اور معرفت نصیب ہو جاتی ہے، اُس کے احسانات کا احساس پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اُس کے ساتھ محبت اور قرب کا ایک تعلق بننے لگتا ہے کہ میرا رب کتنا کریم ہے اور اُس نے میرے لئے کتنا اہتمام فرمایا۔ ایک ایک فرد کے لئے سورج کی روشنی بکھیرتا ہے، ایک ایک فرد کے لئے چاند کی چاندنی نچھاور کرتا ہے، ایک ایک فرد کے لئے بارشیں برساتا ہے اور بے حساب و بے پناہ رزق عطا فرماتا ہے۔ ہم اگر ایک دن کا بھی اندازہ کریں کہ صرف نوع انسانی کتنا رزق کھاتی ہے، کتنا پانی پیتی ہے، کتنی ہوا استعمال کرتی ہے، کتنی روشنی استعمال کرتی ہے تو ہم اندازہ نہیں کر سکتے! یہ بے پناہ مخلوق، جانور، چرند، پرند سارے انسان کی خدمت کے لئے پیدا فرما دیئے۔ کسی پر سواری کرتے ہو، کسی کا گوشت کھاتے ہو، کسی کی کھال استعمال کرتے ہو۔ یہ اللہ کی مخلوق کتنا رزق روزانہ کھاتی ہے اور خدمت انسان کی کرتی ہے! ان سب کو تمہاری خاطر پال رہا ہے۔ کون ہے جس نے آسمان جیسی چھت تمہیں مہیا فرما دی جس کے نیچے نہ کوئی دیوار ہے، نہ کوئی ستون ہے، نہ کبھی اس کے گرنے کا اندیشہ ہے، نہ اُس کے پھٹنے کا کوئی ڈر ہے! پھر وہ ایسا قادر ہے کہ آسمان کی بلندیوں سے بارش برساتا ہے اور ہر طرف ہریالی پھیلا دیتا ہے۔ ہر طرف پھلوں اور پھولوں کے گلشن سجا دیتا ہے اور اُس سے کون فائدہ اٹھاتا ہے! کس کی خاطر ہے یہ سارا اہتمام! اگر جانور کھاتے ہیں، پرندے کھاتے ہیں، سمندر کے جانور کھاتے ہیں تو ان سب کو کس کی خاطر پیدا فرما دیا! یہ سارے انسان کے کام آتے ہیں اور انسان کے لئے سب کو پالا جا رہا ہے، سب اس پر نچھاور ہوتے ہیں، اسی کی خدمت کے لئے ہیں۔

فرمایا لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو، وہ رب ہے تمہارا، تمہاری تخلیق سے لے کر ابدالآباد تک

تمہاری ہر ضرورت ہر ہر لمحہ پوری فرما رہا ہے۔ اُس نے تمہیں پیدا فرمایا تم سے پہلے جتنے تمہارے آباء واجداد گزرے ہیں اُن کا خالق وہی ہے۔ اُسی کا قرب تلاش کرو کہ زندگی کی معراج یہی ہے۔

معرفت باری تعالیٰ:

حدیث قدسی ہے کنت کنزاً مخفیاً فاحببتُ ان أعرف فخلقت الخلق کہ میں ایک ایسی شان رکھتا تھا جیسے کوئی پوشیدہ خزانہ ہو، میری مخلوق میں سے کسی کو جرأت نہیں تھی کہ وہ میرے جمال جہاں آرا کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا، میری مخلوق میرے حکم کی تابع تھی لیکن میری ذات، میری عظمت اور میری شان سے تعلق استوار کرنے کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ فاحببت ان اعرف۔ پھر میری ذات کو یہ بات پسند آئی کہ کوئی تو میرا جاننے والا بھی ہونا چاہئے۔ اس ساری مخلوق میں کوئی تو ایسا ہو جس کا میرے ساتھ تعلق ہو، محبت کا الفت کا، جو میرے لئے تڑپے، جو میرے لئے بے قرار ہو، جو میرے جمال کا منتظر ہو، جو میرے قرب کا متقاضی ہو، جو مجھے دیکھنا چاہے، جو مجھ سے بات کرنا چاہئے، جو میرے ہجر میں تڑپے، جو میرے وصال کے لئے بے قرار ہو، کوئی تو ایسا بھی ہونا چاہئے۔ اُس کے لئے میں نے اس مخلوق کو، نوع انسانی کو بنا دیا۔ ساری مخلوق میں بنی نوع انسان میں نبوت عطا فرمائی اور نبوت ہی وہ عظیم دروازہ ہے جس سے معرفت الٰہی کے سوتے پھوٹتے ہیں اور بندے کو یہ جرأت نصیب ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل وہ اللہ کا طالب بن جاتا ہے، وہ اللہ کا قرب چاہتا ہے، وہ اللہ کا وصال چاہتا ہے، وہ اُس کی دوری سے گھبراتا ہے۔ ایک ایسی بہترین مخلوق پیدا فرمائی جس کی خدمت میں ساری کائنات کو لگا دیا۔ جتنے ستارے یا سیارے آسمان کی وسعتوں میں تیرتے پھرتے ہیں اُن سب کا کچھ نہ کچھ اثر زمین پہ مرتب ہوتا ہے۔ کسی سے کھیتیاں اُگتی ہیں، کسی سے بارشیں برستی ہے، کسی کے اثرات سے پھل پکتے ہیں، کسی کے اثر سے اُن میں مٹھاس آتی ہے، وہ سارے روئے زمین پر مختلف چیزوں کی تخلیق کا سبب بنتے ہیں۔ فرمایا: خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا جو کچھ میں نے زمین میں تخلیق فرمایا وہ سب تمہاری خدمت کے لئے ہے اور وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ (الذریت: 56) جنوں اور انسانوں کو میں نے اپنی اطاعت کے لئے، اپنے قرب کے لئے، اپنی محبت کے لئے پیدا فرمایا۔ ورنہ ساری مخلوق تو اُس کی اطاعت میں ہمہ وقت کمربستہ ہے لیکن وہ اطاعت حکم کی ہے اور انسان ایسی مخلوق ہے جو حاکم کا قرب چاہتا ہے، اُس کی اطاعت اس لئے کرتا ہے کہ اُسے اُس ذات کا قرب نصیب ہو جائے، وصال نصیب ہو، اُسے دیکھے، اُس سے بات کرے، اُس سے اپنی

طلب، اپنے دکھ، اپنی تڑپ، اپنی محبت کا اظہار کرے۔ وہ ہستی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش کر دیا۔ کیسا عجیب فرش ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے اُسے وہ سمو لیتا ہے۔ ہم بستیوں کی بستیاں جلا دیتے ہیں، زمین اُسے ڈھانپ لیتی ہے۔ ہم بے شمار غلاظتیں پھیلاتے ہیں، زمین سب کو سمو لیتی ہے اور اس کے بدلے میں ہمیں بہترین اور خوبصورت رزق عطا کرتی ہے۔ آج تک دنیا سے گزرنے والے لوگوں کو دیکھو، اگر زمین اپنا سینہ فراخ کر کے نہ سماتی تو آج کسی کے لئے سانس تک لینا ممکن بھی نہ ہوتا۔ سب کچھ سما لیتی ہے۔ اتنی نرم ہے کہ آپ اُسے سوئی سے کھودنا شروع کر دیں تو کھودتے چلے جائیں گے لیکن اتنی مضبوط ہے کہ سینکڑوں منزلہ عمارت اس کے سینے پہ کھڑی کر دو تو اٹھا کر کھڑی ہے۔ کوئی مر جائے تو اُسے قبول کر لیتی ہے، جو زندہ ہے اُسے رزق دیتی ہے اور کتنی مخلوق ہے کہ زمین کا سینہ پھاڑ پھاڑ کر طرح طرح کی نعمتیں حاصل کر رہی ہے۔ اپنے لئے رزق حاصل کر رہے ہیں اور کب سے کر رہے ہیں، کب سے یہ کھیتیاں اُگ رہی ہیں، کب سے یہ پھل پک رہے ہیں، کب سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور زمین دیے جا رہی ہے، دیے جا رہی ہے، لیکن کوئی چیز ختم ہونے میں نہیں آتی۔ کب سے شروع ہے اب تک گھاس اُگنا ختم ہو گئی ہوتی، فصلیں ہونا ختم ہو گئی ہوتیں، پھل اُگنا ختم ہو گئے ہوتے لیکن نہیں ہو رہے۔ اُس کے اپنے خزانے ہیں اور تمہارے لئے اُس نے اتنی نعمتوں اور اتنے خزانوں کا منہ کھول دیا ہے کہ تم کبھی بھی اُس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے قابل نہیں ہو سکتے۔ صاحب خرد کو دعوت فکر ہے کہ کوئی بیٹھ کر سوچے تو سہی کہ اللہ کی کتنی نعمتیں ہیں جو بے تحاشا استعمال کی جا رہی ہیں اور کون منعم حقیقی ہے جو دیئے جا رہا ہے، پھر وہ بارشیں برساتا ہے پھر تمہارے لئے نئے نئے پھل، نئے نئے پودے، نئی نئی غذا، نئی نئی چیزیں پیدا فرماتا ہے۔ فرمایا: تم جانتے ہو کہ یہ سارا کام صرف وہ ایک ہستی انجام دے رہی ہے لیکن تم اُس کے شریک بنا لیتے ہو۔ اُس کے برابر لوگوں کو اور اُس کے برابر دوسروں کو سمجھنے لگتے ہو۔

اعجازِ قرآن:

پھر ایک اور بات فرمائی: یہ ساری باتیں تو اللہ کی کتاب بتا رہی ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے بتائیں، اب اگر کسی کو یہ شبہہ ہو کہ بھئی یہ کتاب تو نبی کریم ﷺ نے جوڑ لی ہے، کچھ لوگوں کو بٹھا کر لکھوا لی یا کسی انسان کی بنائی ہوئی بات ہے تو جو کام ایک انسان کرتا ہے وہ دوسرا بھی کر سکتا ہے۔ ایسا ممکن نہیں ہے کہ دنیا میں ایک کام ایک بندہ کر لیتا ہے تو پوری دنیا میں وہ کام کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ اگر کسی کو یہ شبہہ ہو کہ جو باتیں یہ کتاب بتا رہی ہے، جو ہم نے اپنے بندۂ خاص پر نازل فرمائی، یہ باتیں ایسے ہی نبی کریم ﷺ نے کسی سے

لکھوالی ہیں یا بنالی ہیں۔ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا :

عبد دیگر عبدہ، چیزے دیگر

عبد تو سارے ہیں لیکن عَبۡدِنَا اللہ کا بندہ، میرا بندہ علیہ السلام۔ تو جو کتاب میں نے اپنے مقرب اور خاص بندے پہ اتاری ہے، اگر اس کتاب میں کسی کو شبہہ ہو کہ پتہ نہیں یہ انسانوں کی لکھی ہوئی ہوگی تو فرمایا: کتاب تو بہت بڑی ہے فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ‌ تم اس جیسی عبارت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا لکھ کر لے آؤ اور صرف تم اکیلے نہیں وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اللہ کے سوا جتنے تمہارے حمایتی ہیں، منکرین میں سے جو بھی تمہاری حمایت کرتا ہے، اُس میں کوئی بہت بڑا فلسفی ہے، کوئی بہت بڑا ادیب ہے، کوئی بہت دانش ور ہے، کوئی بہت پڑھا لکھا ہے، سب کو اکٹھا کر لو اور عبارت کا کوئی ایک چھوٹا سا ایسا ٹکڑا تم بھی لکھ لاؤ جس میں یہ روانی بھی ہو، جس میں یہ حقائق بھی ہوں، جس میں یہ کیفیات بھی ہوں اور جو ظاہری اعتبار سے بھی اتنا ہی خوبصورت ہو اور اپنے اثرات کے اعتبار سے بھی اتنا ہی خوبصورت ہو! یہ چیلنج تب سے لے کر، اپنے نزول سے لے کر آج تک قرآن کریم میں ویسا ہی موجود ہے۔ اُس زمانے میں بھی عرب میں بڑے بڑے فاضل، بڑے بڑے ادیب تھے بلکہ عرب میں تو ادب کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے باقی دنیا کو عجم کہا یعنی دوسرے لوگ تو بے زبان ہیں، زبان سے واقف تو اہل عرب ہی ہیں اور اس قدر زبان دانی تھی کہ اگرچہ لکھنا پڑھنا کم جانتے تھے لیکن زبان سے اس طرح واقف تھے کہ بات بات پہ کنیزیں اور غلام بھی شعر کہہ دیتے تھے۔ آقا نے اگر حکم شعر کی صورت میں دے دیا تو غلام شعر کی صورت میں جواب دیتا تھا۔ وہ شعر آج تک مثال ہیں اور ادب کا خزانہ ہیں۔ فرمایا: سارے ادیب، سارے شاعر، سارے دانشور جو بھی اللہ کے علاوہ حمایتی ہیں، سب کو اکٹھا کر لو اور اس کے مقابلے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تو بنا کر لے آؤ! کیسی عجیب بات ہے کہ نہ کوئی اُس زمانے میں لکھ سکا اور نہ آج تک کوئی جھوٹا دعویٰ ہی کر سکا کہ جو میں نے لکھا ہے یہ قرآن جیسا ہے۔ کیسی قدرت الہیہ ہے اور قرآن کریم کا کتنا بڑا معجزہ ہے۔ کم از کم میری نظر سے یہ بات نہیں گزری۔ میں نے کسی عالم سے، کسی لکھنے والے سے، کسی ادیب سے سنا، نہ کسی کتاب میں پڑھا کہ کسی نے دنیا میں غلط دعویٰ بھی کیا ہو کہ یہ جو جملے میں نے لکھے ہیں، یہ ویسے ہی ہیں جیسا قرآن ہے۔ کسی کو جرأت نہیں ہوئی۔ فرمایا:

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا ہم نے اپنے بندہ خاص پر، حضرت محمد علیہ السلام پر جو کتاب اُتاری ہے اگر اس میں تمہیں کوئی شک وشبہہ ہو تو تم اپنے اُن تمام لوگوں کو جو اس کو اللہ کی کتاب نہیں

مانتے، پڑھے لکھے ہیں، ادیب ہیں، دانشور ہیں، ان سب کو بھی دعوت دو، سب کو اکٹھا کر لو اور سارے مل کر اس جیسا کوئی ایک چھوٹا سا ٹکڑا تو لکھ لاؤ۔ پھر بڑے مزے کی بات یہ ہے کہ ارشاد ہوا کہ اگر تم سچے ہو تو یہ کر دکھاؤ، اگر یہ اللہ کا کلام نہیں ہے، کسی مخلوق کا کلام ہے، انسان کا کلام ہے تو تم بھی انسان ہو، تم اس جیسا لکھ لاؤ۔ فرمایا:

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا اگر تم ایسا نہ کر سکو، پھر ساتھ فیصلہ دے دیا وَلَن تَفْعَلُوا اور تم کبھی ایسا نہیں کر سکتے ہو اور یہ بات ذات باری ہی فرما سکتی ہے کہ کوئی بھی انسان، کیسا بھی ہو، وہ اللہ کی قدرت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اللہ کے کلام کے مقابلے میں اُس کے کلام کی کوئی حیثیت نہیں، کوئی اُس جیسا کلام لکھ ہی نہیں سکتا چنانچہ فیصلہ دے دیا۔ پہلے فرمایا، اگر یہ کام نہ کر سکیں اور پھر فرمایا، کہ تم قیامت تک بھی یہ کام نہیں کر سکو گے، کبھی بھی یہ نہیں کر سکو گے اور جب نہیں کر سکتے تو فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ تو پھر اُس آگ سے ڈرتے رہو جس کا ایندھن انسانوں کو بننا ہے اور وہ ایسی تیز، ایسی سخت آگ ہے کہ پتھر بھی جلنے لگ جائیں گے۔

نارِ جہنم دنیاوی آگ کی مثل نہیں:

عرف عام میں کہیں آگ لگ جائے تو اُس پر زیادہ پتھر پھینک دو تو اُسے بجھا دیتے ہیں۔ فرمایا دوزخ کی آگ جو کفر اور شرک کی وجہ سے نصیب ہوگی، اللہ کے منکرین اور دین کے مخالفین کا آخرت میں جو ٹھکانہ ہے، اُس کی آگ ایسی سخت ہے کہ اُس میں پتھر ڈالو گے تو پتھر بھی جلنا شروع ہو جائیں گے، پتھر بھی اُس کا ایندھن ہیں۔ وہ دنیا کی آگ نہیں ہے کہ ایک جگہ آگ بھڑکی، اُس پر آپ نے مٹی ڈال دی، پتھر ڈال دیئے، وہ بجھ گئی۔ فرمایا پتھر اُس پہ ڈالتے جائیں تو اُس کا ایندھن ہی بنتے ہیں، وہ اتنی سخت ہے کہ جو چیز آئے گی اُسے جلاتی چلی جائے گی۔ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿٢٤﴾ جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ انسانی زندگی کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جو وقت انسان کو نصیب ہوا ہے یہ اُس کے امتحان کا اور آزمائش کا دور ہے۔

اللہ کریم نے مہربانی فرمائی کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے، کتابیں نازل فرمائیں، پھر آقائے نامدار ﷺ نے انبیاءؑ کے سلسلے کو مکمل فرما دیا اور ایک ایسا نبی ﷺ مبعوث ہوا جس کے بعد کسی نئے نبی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ قرآن کریم وہ آخری کتاب ہے، آخری وحی الٰہی ہے جو نازل ہوئی اور اس نے زندگی کے ہر مسئلے کا جواب تا قیامت دے دیا اور اب کسی نئی کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اب نسل انسانی ہے، اُس کے سامنے اللہ کا رسول ﷺ ہے اور اللہ کی کتاب ہے۔ جس نے اللہ کے حبیب ﷺ پر ایمان اور

یقین رکھا، دامانِ نبوت سے وابستہ ہو گیا اور اللہ کی کتاب کو اللہ کی کتاب مان کر اپنی زندگی کو اُس سانچے میں ڈھال لیا، وہ اس دنیا سے کامیاب ہوا۔

برزخ قیامت تک انتظار گاہ ہے:

موت زندگی کا خاتمہ نہیں ہے بلکہ حقیقی زندگی کی ابتدا ہے یعنی عرصہ آزمائش ختم ہو گیا۔ موت نے اُس کا عمل منقطع کر دیا۔ اب اُسے عمل کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا میں اُس نے جو کچھ کمایا، اُس کے نتائج اُسے نصیب ہوں گے۔ برزخ ایک انتظار گاہ ہے جہاں وہ قیامِ قیامت کا انتظار کرتا ہے اور برزخ میں بھی ہر ایک اپنی حیثیت کے مطابق رہتا ہے۔ آپ دنیا میں دیکھتے ہیں، ایک نظام ہے۔ ایک آدمی پہ الزام لگتا ہے تو اُسے حوالات بھیج دیتے ہیں۔ حوالات بھی جیل ہی کا نمونہ ہے لیکن حوالاتی مختلف ہوتے ہیں، الزام مختلف ہوتے ہیں، افراد کی حیثیت مختلف ہوتی ہیں اور مختلف انداز سے رکھے جاتے ہیں۔ قید ہو جاتی ہے یا سزا ہو جاتی ہے تو جیل چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح برزخ، قیامت تک کے لئے انتظار گاہ ہے لیکن برزخ میں بھی ہر رہنے والا اپنی حیثیت کے مطابق رہتا ہے۔ اگر نجات یافتہ ہے تو اُسے وہاں عزت و آرام نصیب ہوتا ہے اور اگر کوئی بلند درجات والا ہے تو اُسے مزید آسانیاں، مزید رحمتیں اور مزید لطف الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ بدنصیب ہے اگر دنیا سے ایمان ضائع کر کے اور شرک کی حالت میں مر گیا تو برزخ میں بھی وہ ایک حوالاتی یا ایک قیدی بن جاتا ہے۔ پھر وہ جس درجے کا کافر ہے، جس درجے کا مشرک ہے، جس درجے کا گنہگار ہے، اسی طرح کی رہائش برزخ میں بھی ہوتی ہے جسے عذاب وثوابِ قبر کہا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النار (مشکوٰۃ) ان کہ ہر قبر یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔ قبر میں جانے والا اگر جنتی ہے تو قبر میں بھی اسے راحتیں نصیب ہوتی ہیں، احترام نصیب ہوتا ہے۔ برزخ کے بعد ایک نئی زندگی کی ابتدا ہے۔ پھر سب قبروں کو کھولا جائے گا، حشر قائم ہوگا، قیامت قائم ہوگی، سارے لوگ حاضر ہوں گے، ہر ایک کا فرداً فرداً حساب ہوگا، اللہ کی طرف سے فیصلہ صادر ہوگا۔ جو کامیاب ہیں اللہ کی جنت اُن کی جائے رہائش ہے، قربِ الٰہی اُن کا اجر ہے اور وصالِ الٰہی اُن کا بدلہ ہے۔ ان کو دیدارِ الٰہی نصیب ہوگا، اللہ سے ہم کلام ہونا اور ہم سخن ہونا اُن کی قسمت میں ہوگا۔ جو بدنصیب کفر و شرک کی نذر ہو گئے اور زندگی ضائع کر گئے، وہ برزخ میں بھی تکلیفیں اٹھائیں گے اور میدانِ حشر میں بھی رسوا ہوں گے۔ جنت کے مقابلے میں

اللہ نے جہنم کو بنایا ہے جس میں انہیں جھونک دیا جائے گا اور اس کے بعد موت نہیں ہے، ابدی زندگی ہے۔ کفر و شرک پر مرنے والے کو بھی پھر موت نہیں آئے گی، اُسے ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہوگا جہاں وہ جلتا بھی رہے گا، زندہ بھی رہے گا۔ اہل جنت کے لئے بھی موت نہیں ہے، وہ اللہ کے قرب کی نعمتیں اور اللہ کے وصال کی لذتیں حاصل کریں گے۔ حقیقی زندگی وہ ہے جب آدمی واپس اپنے گھر پہنچے گا۔ ارشاد فرمایا جا رہا ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔

عملِ صالح کا معیار:

جہنم تو کافروں کے لئے بھڑکائی گئی ہے لیکن جنہیں ایمان اور عمل صالح نصیب ہوتا ہے، ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ قرآنِ حکیم کا یہ عجیب انداز ہے کہ جہاں بھی ایمان کا ذکر آتا ہے ساتھ عمل صالح کی بات آجاتی ہے۔ عمل صالح کسے کہتے ہیں اور عمل میں صالحیت کس بات سے پیدا ہوتی ہے؟ زندگی میں ہم اپنے گرد بے شمار لوگوں کو دیکھتے ہیں۔ اُن کی آراء مختلف ہوتی ہیں۔ ایک شخص ایک کام کو بُرا خیال کرتا ہے جبکہ دوسرا اُس پر فخر کر رہا ہوتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ مغرب میں بے حیائی بہت ہے، مغرب والے کہتے ہیں کہ تم بڑے پسماندہ لوگ ہو، ہم ترقی یافتہ لوگ ہیں۔ وہ اُسے بے حیائی نہیں، اُسے اپنی تہذیب سمجھتے ہیں، اُس پہ فخر کرتے ہیں۔ لوگوں کی آراء میں اختلاف ہے۔ ایک آدمی کہتا ہے کہ چوری بہت بُرا کام ہے اور چور کہتا ہے کہ میں صاحب کمال ہوں، میں چیز لے جاتا ہوں، کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی اور وہ اُس پہ فخر کر رہا ہوتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ قتل و غارت گری بُرا کام ہے لیکن کتنے قاتل ایسے ہیں جو قتل کرنے پہ فخر کرتے ہیں۔ لوگوں کی آراء ایک ہی کام میں مختلف ہوتی ہیں تو کیسے پتہ چلے کہ یہ کام صالح ہے! اس کا معیار ہے، اللہ کا رسول ﷺ۔ جو کام آپ ﷺ نے کیا وہ صالح ہے، جو کرنے کا حکم دیا وہ صالح ہے، جسے حضور اکرم ﷺ نے پسند فرمایا وہ صالح ہے، جو کام حضور ﷺ کے اتباع کے دائرے کے اندر آتا ہے ہر وہ کام صالح ہے اور ہر وہ کام جو اتباعِ رسالت ﷺ سے خارج ہے وہ غیر صالح ہے اور ایمان کا تقاضا، ایمان کا نتیجہ، ایمان کی پہچان یہی اعمال صالح ہیں۔

جنت کا نقشہ:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بشارت دیجئے، خوشخبری دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے، وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے اپنے اعمال کی اصلاح کر لی اور عمل صالح اختیار کر لیا۔ اُن کے لئے اللہ نے جنت

تیار کی ہے باغات تیار کئے ہیں۔ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وہ ایسی جنت ہے اللہ کی! دنیا کے باغ نہروں کے تابع ہیں، پانی کے تابع ہیں۔ جہاں پانی پہنچ سکتا ہو وہاں باغ لگایا جاتا ہے، جہاں پانی نہیں پہنچ سکتا وہاں باغ نہیں لگتا لیکن فرمایا اللہ کے وہ باغ ایسے ہیں کہ پانی اُن کے تابع ہے۔ جہاں وہ باغ اُگا دیتا ہے وہاں پانی کو پہنچنا پڑتا ہے۔ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ نہریں اُن کے تابع بہتی ہیں۔ یعنی ایسی قدرت الٰہیہ ہے ، دنیا میں جہاں پانی پہنچتا ہے وہاں باغ لگ سکتا ہے۔ دنیا کے باغ نہروں کے تابع ہیں اور جنت کی نہریں باغوں کے تابع ہیں جس کا انسان تصور نہیں کر سکتا۔

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ جب انہیں جنت کے باغوں میں سے پھل کھلائے جائیں گے تو وہ کہیں گے هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ بھئی یہ تو ہمیں پہلے بھی ملا کرتے تھے، یہ آم ہیں تو آم دنیا میں بھی ہمیں اللہ نے عطا کئے تھے، خربوزہ تو ہم وہاں بھی کھاتے تھے لیکن اُس کا پتہ وہاں چلے گا کہ وہ نام کا تو آم ہے لیکن اُس کی لذت، اُس کی شرینی اور اُس کی کیفیت کا درجہ کیا ہے!

وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ انہیں ایسے ہی پھل عطا کئے جائیں گے جن سے وہ واقف ہیں۔ وہ سمجھیں گے کہ یہ پہلی ہی قسم کا ہے۔ ایک اور عجیب بات جس کا حدیث شریف میں ذکر ملتا ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح سے ہے کہ جنت کا ایک پھل عطا ہوتا ہے، ایک درخت سے ایک پھل آدمی نے لیا اور اُس نے کھا لیا، بہت لذیذ تھا۔ اُسی درخت سے وہی پھل دوسری دفعہ اُس کی خدمت میں پیش کیا گیا تو وہ کہے گا، بھئی یہ تو وہی پھل ہے جو میں ابھی کھا چکا ہوں لیکن جب دوسرا کھائے گا تو اُس کی لذت پہلے سے کئی گنا زیادہ مختلف ہوگی۔ اگر تیسرا پھل اُسی درخت سے توڑے گا تو وہ دوسرے سے زیادہ لذیذ ہوگا۔ صورتاً متشابہ ہوں گے لیکن اپنی لذت، اپنی فرحت کے حساب سے بڑھوتری ہوتی چلی جائے گی۔

جنتی خواتین حوروں سے افضل ہیں:

وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ اور بہشت میں اُن کے لئے بیبیاں ہوں گی پاک اور صاف وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾ اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ ان کے لئے وہاں بیبیاں پاک اور صاف، محبت کرنے والی، پیار کرنے والی، خدمت کرنے والی اور ہر طرح سے خوش رکھنے والی ہوں گی۔ اس میں ضروری نہیں ہے کہ ایک مخلوق جو اللہ نے جنت ہی میں پیدا فرمائی، جسے حُور کہا جاتا ہے ، وہ بھی اللہ اپنے بندوں کو عطا کرے گا لیکن ایک بات کہ جو خواتین دنیا میں پیدا ہوئیں، نسل انسانی سے پیدا

ہوئیں، اور پھر جنہیں اللہ کے ساتھ، اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایمان نصیب ہوا، پھر جو شریعت اسلامیہ کی مکلف ٹھہریں، جنہوں نے زندگی ایمان اور عمل صالح کے ساتھ گزاری، انہیں بھی اللہ آخرت میں وہ حسن عطا کرے گا کہ چاند اور سورج اُن کے حُسن کے سامنے شرما جائیں۔ اُن کے دلوں کو اُس محبت اور اُس کیفیت سے بھر دے گا کہ جس سے کسی قسم کی بے لطفی پیدا نہ ہوگی۔ جو عورتیں دنیا میں شرعی مکلف ہیں اُن کے درجات کو وہ مخلوق نہیں پہنچ سکتی جو جنت میں ہی پیدا کی گئی۔ سب سے اعلیٰ درجات اُن خواتین کے ہوں گے جو دنیا میں نسل انسانی سے آئیں۔ جنت کی مخلوق، جو حوریں ہوں گی، وہ خادمائیں ہوں گی مومنین کی، مومن مردوں کی بھی، مومن عورتوں کی بھی۔ اُن کی حیثیت اُن خواتین کے برابر نہیں ہو سکتی جو دنیا میں مکلف تھیں۔ لاکھوں کروڑوں حوریں ہوں، امہات المومنین اور ازواج مطہرات کے نقش کف پا سے بھی نہیں مل سکتیں جنہیں محمد رسول اللہ ﷺ کا دامن دنیا میں نصیب ہوا اور جو مکلف شرعی ٹھہریں، اُن کے نقش کف پا سے مل سکتی ہیں؟ اُن کی گردِ پا کے برابر بھی نہیں! جنت کی حوریں خادمائیں ہوں گی، مومنین کی بھی اور مومنات کی بھی۔ لیکن اصل مقام ومرتبہ انہی خواتین کو نصیب ہوگا جو دنیا میں پیدا ہوئیں، نسل انسانی سے پیدا ہوئیں، جنہوں نے دامانِ محمد رسول اللہ ﷺ کو تھاما، جنہوں نے دنیا میں اللہ کی عبادت کی، جنہوں نے دنیا میں اپنی زندگی کو شریعت کے مطابق ڈھالا۔ اگر بتقاضائے انسانی دنیا میں اُن میں کسی کے مزاج میں سختی ہے یا کسی کے مزاج میں کچھ اور ایسی بات ہے کہ بدمزگی بھی پیدا ہو جاتی ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ وہاں وہ بات نہیں ہوگی۔ ہر ایک کو جوانی عطا ہوگی، ہر ایک کو وہ حسن عطا ہوگا کہ چاند اور سورج بھی اُسے دیکھ کر شرما جائیں۔ مومنین کو بھی عطا ہوگا۔ جنت میں نہ کوئی بچہ ہوگا، نہ کوئی بوڑھا ہوگا، سب کو جوانی اور ہمیشہ کی جوانی عطا ہوگی۔ اسی طرح خواتین کو بھی جوانی عطا ہوگی، حسن صورت بھی عطا ہوگا، حسن سیرت بھی عطا ہوگا۔

یہاں وَلَهُمْ فِيهَآ أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ سے صرف یہ مراد نہیں کہ انہیں جنت کی حوریں عطا ہوں گی بلکہ ازواجِ مطہرات عطا ہوں گی۔ دنیا کی بیبیاں جنت کی مخلوق سے افضل ہوں گی اور جنت کی مخلوق جو عطا ہوگی، خادماؤں کی حیثیت سے عطا ہوگی۔ اُن کے بارے بھی نبی کریم ﷺ کا ارشادِ عالی ہے کہ جنت کی اگر ایک حور آسمان سے ایک ہتھیلی اس طرف ظاہر کر دے تو سورج کی روشنی ماند پڑ جائے۔ اگر خادماؤں کا یہ عالم ہوگا تو دنیا کی وہ خواتین جنہیں جنت نصیب ہوگی اُن کے حُسن کا کیا عالم ہوگا۔ یہ تو اُن سے بہت افضل، بہت بڑھ کر ہوں گی۔ یہ وہ ہوں گی جنہوں نے زندگی دامانِ محمد رسول اللہ ﷺ سے پیوست ہو کر گزار دی۔ جنہوں

نے دنیا کے دکھ سہے، جنہوں نے تکلیفیں سہیں، جنہوں نے گرم وسرد زمانہ برداشت کیا اور دامانِ پیامبر ﷺ کو نہ چھوڑا۔

عظمت اُن لوگوں کے لئے ہے، وہ مرد ہیں یا عورتیں جنہوں نے دنیا کے اس دارِ حیات میں دامانِ پیامبر ﷺ کو نہ چھوڑا اور مقدور بھر اطاعت کی کوشش کرتے رہے۔ آدمی چاہے بھی تو وہ سو فیصد نہیں کر سکتا، اُس میں اتنی ہمت ہی نہیں ہے کہ اللہ کی عطاؤں کا پورا شکر ادا کر سکے۔ ہاں اُسے یہ احساس رہے، مقدور بھر کوشش کرتا رہے پھر بخشش اُس کی عطا پر ہے۔ وہ قادر ہے کہ کسی کو ایمان نصیب ہو جائے، دل سے اُس کی وحدانیت پر، اُس کے پیامبر ﷺ کی صداقت پر، اُس کتاب کے حق ہونے پر یقین ہو جائے تو کوئی عمل بھی نہ ہو تو وہ بخش دے، اُس کی بخشش کو کون روک سکتا ہے! لیکن ہوتا یہ ہے کہ جنہیں وہ بخشتا ہے انہیں دنیا میں توفیق عمل بھی دے دیتا ہے۔ اس لئے بے عملی سے آدمی کو متنبہ ہونا چاہے کہ اگر مجھ سے دامانِ شریعت چھوٹ رہا ہے تو کہیں اللہ کریم ناراض تو نہیں، میری بخشش خطرے میں تو نہیں؟

امثالِ قرآنی:

اللہ جل شانہ، کو اس بات سے کوئی باک نہیں ہے کہ وہ کسی مچھر کی مثال دے یا اُس سے بھی کم تر کسی مخلوق کی مثال دے۔ قرآن حکیم نے جب یہ مثال ارشاد فرمائی کہ گمراہ لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی آگ جلاتا ہے اور جب وہ روشن ہو جاتی ہے تو اللہ کریم اُس کی روشنی سلب فرما لیتا ہے۔ ایک جگہ بتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان سے اگر مکھی بھی کوئی چیز چھین کر لے جائے تو یہ اسے روک نہیں سکتے، اس پر کفار کہنے لگے کہ اگر قرآن اللہ کا کلام ہے اور یہ باتیں اللہ ارشاد فرما رہا ہے تو کہاں اللہ کی شان اور اُس کی عظمت اور کہاں یہ مچھروں کی مثالیں؟ ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ جل شانہ، کو اس بات سے کوئی باک نہیں ہے، کوئی شرم نہیں ہے کہ وہ مچھر کی مثال دے یا اُس سے بھی کم تر کسی مخلوق کی مثال دے۔

اصولی بات یہ ہے کہ مثال دینے والی ہستی کو مثال سے نہیں پہچانا جاتا بلکہ جس کی مثال دی جائے اُس کو پہچانا جاتا ہے کہ کس چیز سے اُس کی مثال دی گئی ہے۔ اللہ کریم نے کافروں کی اور اُن کے بتوں کی، اُن کے نظریات کی، اُن کے وجود کی اور اُن کی ذات کی مثال مچھر سے دی۔ جس طرح مچھر حقیر اور کمزور ہوتا ہے اسی طرح ان کافروں کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اس بات میں کوئی شرم کی بات نہیں ہے اس لئے کہ قرآن کتاب ہدایت ہے۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ اگر مچھر کے پر کے برابر بھی دنیا کی قیمت اللہ

کے نزدیک ہوتی تو کسی کافر کو ایک چلو بھر پانی بھی نہ دیتا۔ اللہ کی بارگاہ میں دنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔
قرآن کریم نے اس واقعہ کی خبر دی ہے کہ اہل دوزخ، دوزخ سے جنتیوں کو پکاریں گے اور کہیں گے:

اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ بھئ! ہمیں کوئی تھوڑا بہت پانی ہی دے دو، چند قطرے، چند گھونٹ سہی، کچھ پانی ہمیں دے دو۔ اہل جنت جواب دیں گے:

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ○ (الاعراف:50) اللہ نے کافروں کو دینے سے منع کر دیا ہے، تمہیں یہ نہیں مل سکتا۔ جنت کی قیمت ہے، آخرت کی قیمت ہے اس لئے چلو بھر پانی بھی کافر کو نہیں مل سکے گا۔ دنیا کی کوئی قیمت نہیں ہے اس لئے کافر کے پاس بھی دولت دنیا ہے۔ ویسے بھی مچھر ہو یا مکھی یا اس سے بھی ادنیٰ مخلوق، اللہ کی ساری مخلوق ہے اور وہ اپنی تخلیق میں بے مثال ہے۔ اللہ جل شانہ، کی جو تخلیق ہے، کبھی بھی کوئی دوسرا انسان اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اب آپ دیکھ لیں ایجادات کا کتنا بڑا دور ہے لیکن وہ جو میاں محمد صاحب نے فرمایا تھا:

جے اِک مچھر دا پر بھجے تے سارا ہی عالم لگے
فیر نہیں او ثابت ہوندا جو کہ آہا اَگے

اگر ایک مچھر کا پر ٹوٹ جائے تو ویسا دنیا والوں سے نہیں بن سکتا جیسا اللہ نے بنایا ہے۔ لاکھوں مشینیں ایجاد ہوئیں، لاکھوں ایجادات ہوں لیکن کوئی بھی ایسی مخلوق، جو حساس ہو، جسے زندگی کا شعور ہو، جسے اپنی زندگی کے سلیقے آتے ہوں، جو اپنا گھر بنائے، اپنی اولاد پیدا کرے، اپنی زندگی گزارے، اپنی نسل چھوڑ جائے، کون پیدا کر سکتا ہے! مخلوق خواہ چھوٹی سے چھوٹی ہو، اللہ کی صنعت ہے اور اپنی ذات میں بے مثال ہے کہ ویسی مخلوق کوئی دوسرا بنا ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اگر مچھر کی مثال دی تو اُس میں کیا حرج ہے! فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ بات اصول کی ہے۔ جن کے دلوں میں نورِ ایمان ہے وہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ حق ہے اور یہ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ خالق کائنات کی طرف سے ہے اور جو کچھ اُس نے فرمایا وہ حق ہے۔ اس لئے کہ ان کے دل میں نورِ اجابت ہوتا ہے اور اُس میں مزید اللہ کے کلام کا نور شامل ہو جاتا ہے اور انہیں اس پر یقین کامل حاصل ہوتا ہے۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ اور جو کافر ہیں، جن کے سینے نورِ ایمان سے خالی ہیں، چونکہ بات اُن کے دل میں اُترتی ہی نہیں لہٰذا وہ کہہ دیتے ہیں کہ ایسی مثالیں دینے سے اللہ کا کیا مطلب ہے۔ اللہ کی ذات اتنی بڑی ہے

اور ایک مچھر کی مثال دے رہا ہے! ان باتوں سے کیا مطلب ہے؟ مقصد کیا ہے؟ فرمایا:

یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا ۙ قرآن اگرچہ کتاب ہدایت ہے اور مخلوق کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا گیا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ لوگوں کی بہت بڑی تعداد اس کو سن کر گمراہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قرآن سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے۔ وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ؕ اور اللہ بہت سے لوگوں کو اس سے ہدایت دیتا ہے۔ وَمَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ اللہ صرف انہی کو گمراہ کرتا ہے جو حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ ہر بات کی ایک حد ہے "فسق" ہوتا ہے حد سے نکل جانا تو جو لوگ اللہ کریم کی بنائی ہوئی حدود سے متجاوز ہو جاتے ہیں، وہ کتاب ہدایت سے ہدایت پانے کی بجائے گمراہی کی دلدل میں اور بھی دھنستے چلے جاتے ہیں۔

فسق کا مفہوم:

طب کا ایک اصول ہے کہ دنیا میں کوئی چیز بھی زہر نہیں ہے، اُس کی مقدار کا فرق ہے۔ اب دودھ غذا بھی ہے، دوا بھی ہے لیکن کسی آدمی کو زبردستی اتنا دودھ پلا دو کہ اُس کا پیٹ ہی پھٹ جائے تو اُس کے لئے وہی زہر ہے۔ جن چیزوں کو ہم زہر سمجھتے ہیں، طبیب اُن سے علاج کرتے ہیں اور ایک بہت معمولی مقدار کسی کو کھانے کے لئے دیتے ہیں اور اُس سے شفا ہو جاتی ہے۔ جسے ہم زہر سمجھتے ہیں اگر باجرے کے دانے کے برابر بھی اس کی مقدار کھالیں تو زہر ہے لیکن اُس کی ایک بہت معمولی مقدار جو طبیب استعمال کراتے ہیں وہ علاج کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ اسی طرح دودھ کی بھی ایک مقدار ہے، گھی کی بھی ایک مقدار ہے، گندم کی روٹی کی بھی ایک مقدار ہے جو ہم صبح شام کھاتے ہیں۔ اگر یہی بے حساب کھانا شروع کر دیں تو زہر بن جاتی ہے۔ جو حد سے تجاوز کرتا ہے اُس کے لئے غذا اور دوا دونوں زہر بن جاتی ہے۔

اسی طرح فرمایا، قرآن حکیم کتاب ہدایت ہے لیکن لوگ اس سے بھی گمراہ ہو جاتے ہیں اور اس کے طفیل بہت سے لوگ ہدایت پاتے ہیں، اُن کے نورِ یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ نورِ ایمان اُن کے دل میں ہوتا ہے، جب کلامِ الٰہی سنتے ہیں، قرآن کریم کو پڑھتے ہیں تو اُس میں جو انوارات و تجلیات ذات باری ہیں، وہ اُن کے علم میں، توفیق عمل میں اضافہ کرتی ہیں، یقین و ایمان میں مزید اضافے کا سبب بنتی ہیں۔

جو لوگ گمراہ ہوتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا۔ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ اللہ سے کئے ہوئے وعدے کو توڑ دیتے ہیں۔ "یوم الست" کو تمام ارواح انسانی کو یکجا کر کے عہد لیا گیا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں! قَالُوْا بَلٰی سب نے کہا کہ بیشک تو ہی ہمارا پروردگار

ہے، تو ہی خالق ہے، تو ہی مالک ہے، تو ہی ہمیں پیدا کرنے والا بھی ہے اور تو ہی زندگی کی ہر نعمت عطا کرنے والا بھی ہے لیکن اللہ سے کیے گئے اس وعدے کو توڑ دیتے ہیں۔ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ اور اللہ نے جن چیزوں کو جوڑنے کا حکم دیا تھا اُن کو توڑتے ہیں۔

اسلام چند عبادات ہی کا نام نہیں ہے اس کا تعلق انسان کے ہر قول و فعل سے ہے۔ ہر بات، ہر کام یا تو اسلام کے مطابق ہے یا اسلام کے خلاف ہے۔ عبادات کا اپنا ایک مقام و مرتبہ ہے اور بہت اعلیٰ مرتبہ ہے۔ عبادات توفیق عمل عطا کرتی ہیں۔ عبادات بندے اور اُس کے پروردگار کے درمیان ایک رشتہ، ایک کیفیت، ایک محبت، ایک تعلق قائم کر دیتی ہیں۔

بارگاہِ الٰہی:

قرآنِ حکیم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ (العنکبوت:45) کہ نماز کی باقاعدگی، دن میں پانچ بار اللہ کے حضور حاضر ہونا بے حیائی اور برائی سے روک دیتا ہے کہ ابھی میں ظہر یا جمعہ کے فرائض ادا کر کے فارغ ہوا ہوں اور ابھی چند گھنٹے بعد پھر مجھے عصر کے لئے حاضر ہونا ہے۔ ان چند گھنٹوں کے درمیان وہ جو عمل بھی کرتا ہے، اُسے ایک احساس رہتا ہے کہ ابھی میں اللہ کے حضور سے آیا، ابھی پھر میری پیشی ہے، مجھے پھر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونا ہے تو یہ احساس اُسے بے حیائی اور بُرائی سے بچانے کا سبب بن جاتا ہے۔ ہم معاشرے میں دیکھتے ہیں کہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور بُرائی بھی کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نماز صحیح نہیں پڑھتے، نماز کے حقوق ادا نہیں کرتے، بروقت نہیں پڑھتے یا توجہ سے نہیں پڑھتے، اُس کے ارکان ادا نہیں کرتے۔ کہیں نہ کہیں کوئی کمی ہے یا ہمارا یہ احساس و شعور زندہ نہیں ہوا کہ نماز اللہ کے روبرو، اللہ کی بارگاہ میں حاضری کا نام ہے۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ مساجد کو اللہ کی بارگاہ کہا گیا ہے اور یہ کسی کو زیبا نہیں ہے کہ جب وہ مسجد میں داخل ہو تو لرزاں اور ترساں نہ ہو، اسے عظمتِ الٰہی کا احساس نہ ہو، اُسے پتہ نہ ہو کہ میں کس بارگاہ میں جا رہا ہوں۔ جس طرح آپ صدر یا وزیراعظم کے دفتر میں جائیں تو آپ پر ایک خاص کیفیت ہوتی ہے، اپنے آپ کو دیکھتے ہیں، کپڑے درست کرتے ہیں، بال سنوارتے ہیں، کوئی چیز خراب تو نہیں ہے، کوئی غلط چال نہیں چلتے، اونچی آواز میں بات نہیں کرتے، ادب و احترام کی ایک کیفیت ہوتی ہے کہ میں اتنے بڑے گھر میں، اتنی بڑی ہستی کے سامنے جا رہا ہوں، اسی طرح جب اللہ رب العزت کی بارگاہ میں

حاضر ہوں مَا كَانَ لَهُمْ انہیں کسی طرح سزاوار نہیں ہے اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ کہ وہ مساجد میں داخل ہوں اِلَّا خَآئِفِيْنَ ماسوائے اس کے کہ وہ لرزاں اور ترساں ہوں، عظمتِ الٰہی اُن کے ایک ایک عمل سے اور اُن کی ایک ایک حرکت سے ظاہر ہو۔ اب یہ الگ بات ہے کہ آج کے لوگ ایسے دلیر ہو گئے کہ مساجد میں گولی چلا دیتے ہیں اور نماز پڑھتے ہوئے لوگوں کو شہید کر دیتے ہیں، بم بلاسٹ کر دیتے ہیں، یہ لوگ کون ہوتے ہیں؟

الْفٰسِقِيْنَ﴿۲۶﴾ حد سے گزر جانے والے اور یہ کردار کی گمراہی ہے۔ راستے سے بھٹک جانے والے لوگ۔ فرمایا: يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ بہت سے لوگ اس سے گمراہ ہو جاتے ہیں وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا بہت سے لوگوں کو ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ﴿۲۶﴾ اور کسی کو گمراہ نہیں کرتا سوائے اُن کے، جو حد سے گزر جاتے ہیں، اللہ سے کیا ہوا عہد توڑ دیتے ہیں، باوجود اس کے کہ وہ پکا وعدہ کر چکے ہیں۔ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ اور جن چیزوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں توڑتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ اللہ کی زمین پر فساد کا سبب بنتے ہیں۔

گناہ فساد فی الارض کا سبب بنتے ہیں:

گناہ کے اثرات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک اثر تو بندے کی اپنی ذات پہ مرتب ہوتا ہے کہ اُس نے جرم کیا اور اُس کی گمراہی میں اضافہ ہوتا گیا، نورِ ایمان کم ہوتا گیا، وہ بھٹکتا گیا حتیٰ کہ گناہ بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ دل سیاہ ہو جاتا ہے اور پھر اُس پہ مہر کر دی جاتی ہے، توفیق توبہ بھی سلب ہو جاتی ہے اور پھر اُسے ہدایت بھی نصیب نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ یہ مہر لگنے سے پہلے اسے توبہ کا احساس ہو جائے اور توفیق توبہ نصیب ہو جائے۔ دوسرا اثر وہ ہوتا ہے جو ماحول کو متاثر کرتا ہے، دوسرے لوگوں کو متاثر کرتا ہے، جن بستیوں، جن آبادیوں، جن شہروں میں ہم رہتے ہیں اُن کو متاثر کرتا ہے، یعنی گناہ کے دو اثرات ہوتے ہیں۔ آدمی جب گناہ کرتا ہے تو اُس کے بُرے اثرات سے اُس کا دل سیاہ ہوتا ہے۔ اگر اُس میں نورِ ایمان ہے تو کم ہو جاتا ہے، کافر ہے تو کفر اور تاریکی اور بڑھ جاتی ہے۔ یہ اثر تو اُس کی ذات پہ ہوتا ہے لیکن ماحول اور معاشرہ بھی اُس سے متاثر ہوتا ہے جیسے ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ (الروم: 41) خشکی میں، تری میں، سمندروں میں، زمینوں پر فساد ظاہر ہو گئے، تباہی پھیل گئی، ہر طرف موت رقص کرنے لگی، ہر طرف جور و ستم پھیل گیا۔ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ اور یہ سب لوگوں کے کردار کے نتیجے میں، ان کے اعمال کا ثمر ہے، یعنی گناہ کا دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی

زمین پر فساد پھیلتا ہے، لوگ تباہ ہوتے ہیں، لوگوں کے لئے مصیبتیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ فرمایا: یہ حد سے گزرنے والے اتنے بڑے مجرم ہیں کہ پہلے تو انہوں نے اللہ سے کیا ہوا بڑا پکا وعدہ توڑ دیا پھر انہوں نے احکام الٰہی کی خلاف ورزی کی اور جن کاموں کو کرنے کا اللہ نے حکم دیا تھا اُن کو چھوڑ دیا اور جن کاموں سے روکا تھا وہ کام انہوں نے اختیار کر لئے جس کا نتیجہ یہ ہوا: وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ اللہ کی زمین پر انہوں نے فساد پیدا کر دیا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فرمایا یہ لوگ بہت زیادہ خسارے میں جا رہے ہیں۔ وقت آنے پر انہیں پتہ چلے گا کہ انہوں نے اپنا کتنا بڑا نقصان کر لیا۔ پھر استفہامی انداز میں انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ لوگو! تم اللہ سے کفر کس طرح کر سکتے ہو اس لئے کہ تمہاری تو کوئی حیثیت نہ تھی۔ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا تم تو ایک ذرہ بے مقدار اور بے جان تھے۔

نظامِ تخلیق:

ہم دیکھتے ہیں کہ سلسلہ توالد و تناسل، جو بنی آدم علیہ السلام میں چلا آ رہا ہے، تو صلب پدر میں اُس کی نسل کے اجزا کہاں کہاں سے آتے ہیں۔ سارے ہی تو مٹی کے رنگ ہیں لیکن مٹی تو کوئی نہیں پھانکتا۔ کہیں وہ مٹی چاول کا روپ دھارتی ہے، کہیں گندم اور غلے کا روپ دھارتی ہے، کہیں کسی جانور کی شکل اختیار کرتی ہے۔ پھر اُس آدمی تک کسی جانور کا گوشت پہنچتا ہے، کسی کا دودھ پہنچتا ہے، کہیں سے مکھن، گھی لیتا ہے، چاول، دال، مرچیں، آٹا، روٹی، پھل اور نہ جانے کیا کیا! لیکن یہ سب مٹی ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ نے ایک پودا بنا دیا، اُسی مٹی سے اجزا کشید کر کے اُس پر پھل لگا لیکن یاد رکھو! جو لقمہ بھی بندہ کھاتا ہے، اُس میں ایک حصہ تو اُس کے اپنے وجود کا ہے جو اُس کا گوشت پوست ہڈیاں پٹھے بن جاتا ہے، خون بنتا ہے لیکن ایک حصہ آنے والی نسل کا بھی ہے۔ اگر اُس سے اللہ نے نسل کو چلانا ہے تو وہ اُس کے صلب میں محفوظ ہوتا جاتا ہے۔ آدمی اگر غور کرے تو اندازہ نہیں کر سکتا کہ زمین پر ایک وجود کے اجزاء کتنی دور تک پھیلے ہوئے ہیں، کہاں کہاں سے وہ پانی پیتا ہے، کہاں کہاں سے غذا حاصل کرتا ہے اور اُس میں وہ ذرات جمع کئے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کے صلب سے جس وجود کو میں نے پیدا کرنا ہے، اُس کے ذرات میں نے کہاں کہاں بکھیرے ہیں اور کس طرح اس شخص تک پہنچاتے ہیں۔ اُس کا ایک ایسا نظام ہے جس میں کوئی غلطی نہیں ہوتی۔ ایک کے اجزاء دوسرے میں نہیں جاتے اور دوسرے کے تیسرے کے پاس نہیں جاتے۔ ہر آدمی کے اپنے اپنے اجزاء، اپنی جگہ جمع ہوتے رہتے ہیں۔ پھر صلب پدر سے شکم مادر میں منتقل ہوتا ہے تو اُس کی ماں

نے بھی تو غذائیں استعمال کی ہیں، دوائیں استعمال کی ہیں، پانی پیا ہے، ہوا میں سانس لیا ہے تو ایک ایک لقمہ، ایک ایک سانس جو آنے والے بچے کا حصہ ماں کے پاس ہے، وہ شکم مادر میں بھی اُس کے کام آتا ہے اور پیدا ہونے کے بعد بھی دودھ کی نہروں کی صورت میں اُس کے پیٹ میں جاتا ہے، اُس کے وجود کا حصہ بنتا ہے۔ اتنا بڑا نظام کہ جسے عقل انسانی سوچ نہیں سکتی، اگر سوچے تو شل ہو جاتی ہے۔

اتنی ترتیب سے قادرِ مطلق نے تمہیں تخلیق فرمایا تو اب تم اُس کا انکار کرتے ہو! كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ تم اللہ کا کیسے انکار کر سکتے ہو، کیسے کفر کر سکتے ہو اُس ذات بے ہمتا کے ساتھ! وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا تم تو ذرہ بے مقدار تھے، تمہاری تو کوئی حیثیت نہیں تھی، تم تو محض بے جان ذرات تھے، مردہ تھے۔ فَاَحْيَاكُمْ اُس نے تمہیں زندگی عطا کر دی، اُس نے تمہیں صلب پدر میں پہنچایا، شکم مادر میں پہنچایا۔ پھر تمہارا وجود بنایا، پھر اُس میں روح پھونک دی۔ فَاَحْيَاكُمْ تمہیں زندگی دے دی لیکن یاد رکھو! یہ زندگی بھی بے مہار یا بے لگام نہیں ہے۔ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ اُس کے بعد بھی موت تمہارا مقدر ہے، پھر تمہیں مرنا بھی ہے۔ اگر بات یہیں ختم ہو جاتی کہ اس نے تمہیں ذرہ بے مقدار سے حیات عطا کر دی اور پھر تم ایسے ہی زندہ رہتے اور بے مہار پھرتے رہتے اور تمہیں کبھی پھر واپس نہ جانا ہوتا، پھر بھی کوئی بات تھی۔

آخری انجام:

تم جانتے ہو کہ ظہورِ آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آج تک ہر ایک کو جاتے دیکھا گیا۔ کہاں ہیں وہ لوگ؟ کہاں ہیں بڑے بڑے سلاطین عرب وعجم اور کہاں ہیں وہ شہنشاہِ جہاں جو تخت و تاج کی زینت تھے؟ آج اُن کی قبور سیرگاہیں بنی ہوئی ہیں۔ کس نے انہیں وہاں پہنچادیا؟

تم جانتے ہو کہ تم ایک ذرہِ بے مقدار، بے حیثیت تھے، اُس نے تمہیں زندگی دی اور یہ بھی جانتے ہو ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ کہ تمہیں موت بھی آئے گی۔ پھر موت پر ہی بات ختم نہیں ہو جاتی ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ تمہیں پھر زندہ ہونا ہے۔ آج تم یہ سوال کرتے ہو کہ مر کر مٹی میں مل گئے تو کیسے زندہ ہوں گے؟ جو آگ میں جل گیا کیسے زندہ ہوگا؟ جانور کھا گئے تو کیسے زندہ ہوگا؟ جانور کھا جائیں، آگ میں جلا کر منتشر کر دیا جائے، پھر بھی انسانی اجزاء مر کر اتنے منتشر نہیں ہو سکتے جتنے پیدائش سے پہلے تھے۔ جس نے پہلے جمع کر لئے، وہ دوبارہ بھی جمع کر

لے گا، وہ اس پر قادر ہے۔ کفار نے پوچھا تھا، کون دوبارہ زندہ کرے گا؟ وَّ هُوَ خَلَقَكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا اور پھر تمہیں زندہ ہو کر، اُس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے کردار کا جواب دینا ہے۔ كَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ وَكُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡيَاكُمۡ ۚ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۸﴾ تم کیسے انکار کر سکتے ہو کہ تم ذرہ بے مقدار تھے، اُس نے تمہیں حیات دی، انسان بنایا، طاقتیں دیں، بے شمار قویٰ دیے، عقل دی، تم میں روح پھونکی، پھر تمہیں مرنا ہے اور موت زندگی کا خاتمہ نہیں ہے۔

موت کو سمجھا ہے غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

موت تو ایک نئی زندگی شروع کرنے کا نام ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔ تمہیں موت کے بعد پھر زندہ ہونا ہے اور پھر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر جواب دینا ہے۔ وہ ایسا مہربان ہے کہ تم اُس کی کس کس نعمت کا شکر ادا کر سکو گے؟ هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ۚ روئے زمین پر جو بے شمار نعمتیں پیدا فرمائیں، سب تمہارے لئے پیدا فرمائیں۔ بادل تمہارے لئے برستے ہیں، ہوائیں تمہارے لئے چلتی ہیں، گلشن تمہارے لئے کھلتے ہیں، پھل تمہارے لئے پکتے ہیں، پرندے تمہارے لئے چہچہاتے ہیں، جانور تمہارے لئے اپنی جانیں دیتے ہیں۔ ایسا نظام بنا دیا، اللہ کی شان ہے! آج کی سائنس نے بہت سی چیزیں دریافت کیں کہ چاند کے اثر سے یہ ہوتا ہے، فلاں سیارے کے اثر سے یہ ہوتا ہے، سورج کی تپش سے یہ ہوتا ہے، گویا سارے سیاروں اور ستاروں کی توجہ کا مرکز زمین اور کرۂ ارض ہے کہ مختلف سیاروں، ستاروں کی اُس توجہ سے یا اُن کے انعکاس سے یا اُن کی روشنی سے مختلف چیزیں بنتی ہیں اور جو کچھ بھی بنتا ہے۔ خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ۚ سب کچھ تمہارے لئے پیدا فرمایا۔

حلال وحرام:

اس آیت کریمہ سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر ہر چیز حلال ہے۔ جب تک اللہ یا اللہ کا رسول ﷺ اُسے حرام نہ قرار دیں۔ ہر چیز انسان کی خاطر بنی ہے۔ وہ چیزیں ممنوع ہیں جن سے اللہ نے روک دیا اور اللہ کے رسول ﷺ نے روک دیا، جس چیز کو شریعت نے حرام کر دیا، جس کی حرمت شریعت میں موجود ہے، وہ حرام ہے۔ جس کی حرمت شریعت میں موجود نہیں وہ حلال اور جائز ہے۔ فرمایا، زمین پر جو

کچھ پیدا فرمایا، وہ تمہارے لئے پیدا فرمایا۔

سبحان اللہ العظیم:

ثُمَّ اسۡتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ پھر اُس نے آسمانوں پہ توجہ فرمائی۔ فَسَوّٰٮهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ ؕ اور انہیں سات آسمان بنا دیا۔ سات آسمان بھی صرف سات چھتیں نہیں ہیں۔ ہر آسمان کا اپنا الگ جہان ہے اور اُس کا انسانی زندگی پر ایک اپنا اثر ہے۔ اُن میں ستارے سیارے، اُن میں فرشتے، اور کیا کیا ترتیب دیا اور سب کچھ تمہاری خاطر ترتیب دیا پھر یہ بھی مت سوچو کہ اُس نے بنا دیا اور بات ختم ہوگئی۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۲۹﴾ وہ ایک ایک ذرے کو جانتا ہے، جو کچھ اس نے بنایا اس کے پاس، ایک ایک چیز کا علم ہے۔ اگر علم الٰہی میں ہر چیز موجود نہ ہوتی تو کائنات اتنی پابندی سے چل نہیں سکتی۔ سورج اور زمین کے فاصلے میں اگر کم سے کم ایک ذرہ مقدار بھی روز کمی ہوتی رہتی تو دنیا کی اتنی زندگی تو ہے کہ شاید آج ساری دنیا بھی سورج کی طرح جل رہی ہوتی، اتنی قریب چلی جاتی۔ اگر ذرہ ذرہ دور ہٹتی جاتی، فاصلہ بڑھتا رہتا تو شاید آج اتنی دور جا چکی ہوتی کہ ساری دنیا ہی منجمد ہوگئی ہوتی۔ تب سے چل رہی ہے، جب تک اللہ چاہے گا، چلے گی۔ ہر چیز اپنی حد پہ معین ہے، ہر چیز اپنے وقت پہ نکلتی ہے، ہوائیں اپنے وقت پہ چلتی ہیں، بارشیں اپنے وقت پہ برستی ہیں۔ ہر قطرہ وہاں پہنچتا ہے جہاں اُسے پہنچنا چاہئے، ہر ذرہ اُس وقت پھول اور پھل کی شکل اختیار کرتا ہے جب اُسے اللہ اجازت دیتا ہے اور ہر پھل، ہر دانہ، ہر ذرہ وہاں پہنچتا ہے جہاں اُسے پہنچنا چاہئیے۔

الاوان النفس لن تموت حتی تستکمل رزقھا۔ اچھی طرح سے ذہن نشین کرلو، کوئی متنفس تب تک دنیا سے رخصت نہیں ہوتا جب تک اپنے حصے کا ایک ایک دانہ کھا نہیں لیتا اور ایک ایک گھونٹ پانی پی نہیں لیتا۔ اپنا رزق مکمل کر کے ہر کوئی جاتا ہے۔ جانے والے اگر کچھ چھوڑ کر جاتے تو دنیا میں ڈھیر لگے ہوئے ہوتے۔ فالتو کھا کر جاتے تو آنے والوں کے لئے کچھ نہیں بچتا۔ فرمایا: نہیں، حتی تستکمل رزقھا۔ ہر شخص اپنے حصے کا رزق پورا کر کے رخصت ہوتا ہے۔

كَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ تم اللہ سے کفر کیسے کر سکتے ہو؟ تمہاری کوئی حیثیت نہیں تھی، اُس نے تمہیں انسان بنا دیا۔ وَكُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا تمہیں تو کوئی جانتا نہیں تھا، تم تو ذرات کی شکل میں روئے زمین پر منتشر تھے، تم تو قطرہ آب کی شکل میں سمندروں کا حصہ بنے ہوئے تھے۔ تم تھے کہاں؟ اُس نے تمہیں بنا دیا، پھر

تمہیں پتہ ہے کہ بنانے کے بعد تمہیں مرنا ہے اور موت بھی زندگی کا خاتمہ نہیں ہے، موت بھی ختم ہو جائے گی۔ پھر تمہیں زندہ ہونا ہے، اُس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور وہ ایسا کریم ہے، کس کس بات کا حساب دو گے؟

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ وہ ایسا قادر ہے کہ روئے زمین کی ساری نعمتیں تمہارے لئے بنا دیں، اب تم کس کس کا حساب دو گے؟ تمہارے پاس صرف ایک ہی راستہ ہے کہ اُس کا شکر ادا کرتے رہو۔ اُس کی عظمت کے گن گاتے رہو، اُس کے ساتھ اپنا تعلق استوار رکھو، اُس سے محبت کرو، اُسے چاہو اور اُس کی چاہت اور اُس کی محبت میں دنیا سے دور ہو جاؤ۔ قبر میں بھی اس کی محبت کی روشنی نصیب ہو اور اٹھو تو سینے میں عشق الٰہی فروزاں ہو۔ اس کے علاوہ اے نوع انسان! تمہارے پاس دوسرا راستہ نہیں ہے۔ دوسرا راستہ، سوائے تباہی اور بربادی کے کچھ نہیں اور یاد رکھو! جب آخرت کو اٹھنا ہے، دوبارہ زندہ ہونا ہے تو اُس کے بعد موت نہیں ہے۔ پھر تمہیں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے اور ہمیشہ غضب الٰہی کا شکار رہنا کتنی بڑی بدبختی ہے! اس لئے اللہ سے کفر نہ کرو، نور ایمان اختیار کرو اور اپنی قوت اطاعت پہ صرف کر دو۔ غلطیاں ہوتی ہیں، وہ معاف کرنے والا ہے۔ کوتاہی ہوتی ہے، وہ توفیق دینے والا ہے لیکن اپنی کوشش تو کرو۔ غلطی ہو جائے تو اُس سے معافی چاہو، اُس سے رحم طلب کرو۔ وہ غفور الرحیم ہے، اُسے پکارو، اُس کی بارگاہ میں آؤ۔ وہی ہے جس نے روئے زمین کی نعمتیں تمہارے لئے پیدا فرما دیں، آسمانوں کو تمہارے سر پہ چھت بنا دیا، انہیں سات آسمان بنا دیا اور یہ مت بھولو کہ بنانے کے بعد وہ کسی چیز سے غافل نہیں ہے، وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

لا تتحرك ذرة الا باذن الله۔ ایک ایک ذرہ اُس کے حکم سے حرکت کرتا ہے، اُس کی عظمت کا احساس کرو۔

سورۃ البقرہ رکوع 4 آیات 30 تا 39

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ
فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ
لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ
عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ
الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ
بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ
وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا
لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۗ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾
وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ
شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا
الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ
مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا
مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ

عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ۝٣٨ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓٮِٕكَ
اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ۝٣٩

اور جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا آپ اس (زمین) میں ایسے لوگوں کو نائب بنانا چاہتے ہیں جو اس میں فساد کریں گے اور خون ریزیاں کریں گے اور ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں (اور) تعریف کرتے اور آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں فرمایا جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے ﴿۳۰﴾ اور آدم (علیہ السلام) کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے پھر وہ (چیزیں) فرشتوں کے سامنے کردیں تو (فرشتوں سے) فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو ان کے اسماء (مع خواص) بیان کرو ﴿۳۱﴾ انہوں نے کہا آپ پاک ہیں جتنا علم آپ نے ہم کو دیا اس کے علاوہ ہمیں کچھ معلوم نہیں بے شک آپ جاننے والے اور حکمت والے ہیں ﴿۳۲﴾ فرمایا اے آدم (علیہ السلام)! ان کو ان چیزوں کے نام بتایئے پھر جب انہوں نے ان کو ان کے نام بتائے تو فرمایا کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی تمام پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو وہ (سب) بھی جانتا ہوں ﴿۳۳﴾ اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو ابلیس کے علاوہ سب سجدے میں گر گئے اس نے (غرور میں آکر) انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ (علم الٰہی میں) تھا ہی کافروں میں سے ﴿۳۴﴾ اور ہم نے آدم (علیہ السلام) سے فرمایا آپ اور آپ کی بیوی جنت میں رہیں اور اس میں جہاں سے چاہیں مزے سے کھائیں (پئیں) اور اس درخت کے قریب مت جائیں ورنہ نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ ﴿۳۵﴾ پھر شیطان نے ان کو اس سے بہکایا تو جس (عیش ونشاط) میں تھے اس سے اُن کو نکلوا دیا اور ہم نے فرمایا (یہاں سے) چلے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں ایک مقررہ وقت تک رہائش اور

معاش ہے ﴿۳۶﴾ پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے تو
اُس نے ان کو معاف کر دیا بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا (اور) رحم کرنے والا
ہے ﴿۳۷﴾ ہم نے فرمایا تم سب یہاں سے نیچے چلے جاؤ پھر جب تمہارے پاس
میری طرف سے راہنمائی پہنچے تو جو میری راہنمائی کی پیروی کریں گے تو ان کو کوئی
ڈر ہو گا نہ وہ افسوس کریں گے ﴿۳۸﴾ اور جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا اور
جھٹلایا وہ دوزخ میں رہنے والے ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۳۹﴾

خلاصۂ تفسیر و معارف

پچھلے رکوع میں بات چل رہی تھی کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو اس لئے کہ اس نے تمہیں پیدا فرمایا، پھر تمہارے لیے کائنات سجادی اور بے شمار نعمتیں پیدا فرمائیں۔ اسی تسلسل میں انسانیت کی تخلیق کی بات آ گئی۔ اللہ نے فرشتوں سے فرمایا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ میں زمین میں ایک ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہوں جو میرا نائب ہو۔ خلیفہ اور نائب کبھی خود مختار نہیں ہوتا۔ جس کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے اس کے احکامات کو بجالانا اس کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ بنیادی بات تخلیق آدم میں یہ تھی کہ آدمیت کو اللہ کی نیابت نصیب ہوئی۔ نائب وہ ہوتا ہے جو چیزوں میں تصرف کرتا ہے، انہیں استعمال کرتا ہے، انتظام و انصرام کرتا ہے، اہتمام کرتا ہے گویا اللہ کریم ساری کائنات کا انتظام و انصرام کسی کو سونپنا چاہتے ہیں۔ روئے زمین پر کیا ہوتا ہے اور کیا ہونا چاہیے، زمین میں یہ ذمہ داری ادا کرنے کے لئے ایک نائب مقرر فرمانے والے ہیں جن کا تذکرہ فرشتوں کے سامنے کیا گیا۔

ملائکہ کا مزاج اور فرائض:

ملائکہ نوری مخلوق ہیں اور نفس سے پاک ہیں۔ بھوک، گرمی، سردی، خواب، بیداری کا ان پر کوئی اثر نہیں ہے۔ پھر ملائکہ دو طرح کے ہیں، ایک وہ ہیں جو صرف اللہ کے ذکر اور عبادت میں مصروف ہیں۔ وہ جس وقت سے پیدا کیے گئے، اگر اس وقت سے قیام میں ہیں تو ابدالآباد تک قیام میں رہیں گے، جو رکوع میں ہیں رکوع میں ہی رہیں گے، سجدے میں ہیں تو سجدے میں ہی رہیں گے یعنی ان کا کام ہی عبادت ہے۔ دوسری قسم کے ملائکہ وہ ہیں جنہیں مدبرین امور کہا جاتا ہے، امور کی تدبیر کرنے والے۔ بادل کہاں بنانا ہے، بارش

کہاں برسانی ہے، پانی کہاں پہنچانا ہے، ہوا کیسے چلے گی، پہاڑوں میں سے کس کو قائم رکھنا ہے، کس کو گرانا ہے، کھیتیاں کیسے اگیں گی، فصل کیسے ہوگی، پھل کیسے پکیں گے لیکن اس ساری تدبیر میں ان کا کوئی ذاتی دخل نہیں ہے۔ نہ کسی کام کے کرنے میں انہیں لذت محسوس ہوتی ہے نہ ہی کسی کام کے کرنے سے انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ جو حکم ہوتا ہے وہ بجالاتے ہیں۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے، جو حکم ہوتا ہے بجالاتے ہیں لہٰذا اگر حکم ہوتا ہے کہ سردی لے آؤ تو اس سردی سے انہیں نہ کوئی تکلیف ہے نہ آرام، یا حکم ہوتا ہے پھل لگاؤ اس میں مٹھاس لاؤ تو انہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ میٹھا ہے یا تلخ۔ انہیں جو حکم ہو، اس کی تعمیل کرنی ہے، وہ بجالاتے ہیں اور اسی طرح فرشتوں سمیت ساری کائنات اللہ کے حکم کی فرمانبردار ہے۔

نیابت الٰہی:

نائب صرف تصرف ہی نہیں کرتا بلکہ جس ہستی کا وہ نائب ہوتا ہے اس سے رابطہ بھی رکھتا ہے ورنہ نیابت کیسی! اس مالک کے ساتھ اس کا بڑا گہرا رابطہ ہوتا ہے، اس کی پسند و ناپسند کو پہچانتا ہے، اس کی رضا اور نارضامندی سے واقف ہوتا ہے، وہ کس بات سے خوش ہوگا، کس بات سے خفا ہوگا؟ پھر اس سے حکم حاصل کرکے نیچے مخلوق پر تصرف کرتا ہے۔ براہِ راست احکامات الٰہی وصول کرنا، اس کی رضا کو پہچاننا، اس کی نارضامندی کو جاننا، یہ منصب جنہیں نصیب ہوا وہ اللہ کے نبیؑ اور اس کے رسول ہیں۔ باقی مخلوق کو اللہ کی پسند و ناپسند یا احکام، اوامر و نواہی کا علم انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے ہوتا ہے۔ خلیفۃ الارض حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے بعد حقیقی خلفاء انبیاء و رسل علیہم السلام ہیں۔ باقی ساری انسانیت اس بات کی مکلف ہے کہ ان سے اللہ کے احکام حاصل کرکے ان کی بجاآوری کرے۔

فرشتوں نے یہ عرض کی قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ اللہ کریم تُو بے نیاز ہے۔ تو ایک اور ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے جو پھر زمین میں فساد پیدا کرے گی، خون بہائے گی اور ہم فرشتے ہر وقت تیری تسبیح اور تقدیس بیان کرتے رہتے ہیں۔ ہمہ وقت تیری بڑائی کا اظہار کرتے ہیں۔ ارشاد باری ہوا۔ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰ تم وہ بات سمجھ ہی نہیں پا رہے، جو میں ارشاد فرما رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ فرشتوں کا جواب ان کی اپنی رائے اور صوابدید کے مطابق تھا لیکن ارشاد باری سے مطابقت نہیں رکھتا تھا کیونکہ اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ میں اپنا ایک خلیفہ اور نائب پیدا کرنا چاہتا ہوں۔

زمین پر انسانوں سے پہلے جن بستے تھے۔ اور ان میں عابد و زاہد بھی تھے لیکن چونکہ ان کی تخلیق آگ سے ہے، ان کے مادے میں شر زیادہ ہے، خیر کم۔ فرشتہ سراپا خیر ہے اس میں شر ہے ہی نہیں، جنوں میں شر زیادہ ہے اور مادہ خیر کم ہے لہٰذا انہیں خلافت ارضی نہیں دی گئی۔ اگر انہیں خلافت ارضی دی جاتی تو پھر یہ بات نہ ہوتی کہ میں اپنا خلیفہ پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ پھر بات یہ ہوتی کہ پہلے والے خلیفہ ناکام ہیں' دوسرا بھیج رہا ہوں، جنات میں نبوت نہیں ہے۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ وہ زمین پر فساد کرتے تھے۔ اللہ کریم آسمانوں سے فرشتوں کو بھیجتے، وہ سرکشوں کو سزا دیتے لیکن فرشتے جب واپس چلے جاتے تو آہستہ آہستہ شر پھر غالب آجاتا اور ان کی اصلاح کے لئے آسمانوں سے ملائکہ کو بار بار بھیجنا پڑتا۔ شیطان بھی جن تھا، جنوں میں سے تھا جس نے تقویٰ' عبادت اور زہد میں بہت کمال حاصل کیا، حتیٰ کہ آسمانوں پر فرشتوں میں رہائش کی اجازت مل گئی۔ اس وقت جنات آسمانوں پر آجا سکتے تھے، ان کا آسمانوں پر آنا جانا نبی کریم ﷺ کی بعثت سے موقوف ہوا۔ مولانا محمد خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سورہ بقرہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب فرشتے جنوں کی اصلاح کے لئے آتے تو اکثر اوقات ابلیس کو ان کا سردار بنا کر بھیج دیا جاتا۔ ایک فارسی کا شعر بھی انہوں نے وہاں درج کیا ہے۔

زراہ تفاخر بہ فوج ملک
گہے بر زمین و گہے بر فلک

بڑے فخر کے ساتھ فرشتوں کی فوج کے ساتھ کبھی زمین پر وارد ہوتا اور کبھی آسمانوں پر چلا جاتا۔ تو اللہ کریم نے یہاں فرشتوں کو جو خبر دی وہ یہ تھی کہ میں زمین پر اپنا ایک نائب پیدا کرنا چاہتا ہوں اور اس کا جو جواب انہوں نے دیا وہ ان کے اس تجربے پر تھا کہ پہلے زمین پر آپ نے جنات پیدا فرمائے، آئے دن وہ فساد ہی پیدا کرتے رہتے ہیں، شاید زمین پر رہنے کی خصوصیت ہی یہ ہے، آسمانوں پر تو کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ اللہ کریم! آپ ایک اور مخلوق پیدا فرمائیں گے تو پھر فساد کرے گی، آپس میں لڑیں گے، خون بہائیں گے، قتل و غارت ہوگی اور جہاں تک آپ کی عظمت، تسبیح و تقدیس کا تعلق ہے تو فرشتے ہمہ وقت رطب اللسان ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ تیری پاکی بیان کر رہا ہے۔

وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ (بنی اسرائیل: 44) کوئی ذرہ ایسا نہیں جو اللہ کی تسبیح بیان نہ کرتا ہو۔ ہر ایک کی اپنی زبان ہے۔ درخت و اشجار اپنی زبان میں، چرند پرند اپنی زبان میں، لیکن کوئی چیز کائنات میں ایسی نہیں ہے جو اس کی تسبیح و تقدیس بیان نہ کرتی ہو۔ اب ایک اور مخلوق کی کیا ضرورت تھی؟ فرمایا تم نے وہ بات ہی نہیں سمجھی جو میں نے ارشاد فرمائی ہے، تمہیں اس کا علم ہی نہیں۔ میں تمہیں یہ بتا رہا ہوں

کہ میں اپنا ایک نائب اور خلیفہ زمین میں پیدا کرنا چاہتا ہوں، روئے زمین پر جو کچھ میں نے پیدا کیا ہے وہ اس کا انتظام و انصرام کرے گا، اس کو استعمال کرے گا، اس سے فائدہ اٹھائے گا اور اس میں میری مرضیات شامل ہوں گی، میرے احکام نافذ کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تخلیق فرما کر وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کائنات میں جو اشیاء تھیں ان کے نام بتا دیے، ان کی خصوصیات بتا دیں کہ کون سی چیز کس لئے ہے۔ یہ ساری باتیں حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم فرما دیں۔

علم غیب:

لوگوں میں یہ بحث چلتی رہتی ہے اور میرے خیال میں یہ فضول بحث ہے کہ علم غیب کیا ہے اور آدم علیہ السلام کو کائنات کی ہر چیز کے بارے میں بتا دیا گیا تو وہ بھی عالم الغیب ہو گئے۔ یہ درست نہیں ہے۔ علم غیب وہ ہوتا ہے جو بغیر کسی سبب کے جانا جائے اور جو جانتا ہو وہ عالم الغیب ہے۔ یہ شان صرف اللہ کی ہے جو بغیر کسی کے بتائے جانتا ہے، بغیر کسی کے دکھائے دیکھتا ہے، کسی معاملے میں کسی کا محتاج نہیں ہے، ہر چیز کو ہر وقت ہر آن جانتا ہے، یہ صرف اللہ کی خصوصیت ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو، اللہ کے مقرب بندوں کو علوم عطا کیے جاتے ہیں۔ اب جس کی خبر دی جائے، بتایا جائے وہ غیب نہیں رہتا۔ بتانے والے نے بتا دیا تو غیب ختم ہو گیا۔ ہاں، آپ کہہ دیں کہ اس بندے کو اللہ نے غیب پر مطلع کر دیا یا غیب کی خبر دے دی تو وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان ہے کہ بے شمار ایسے غیب ہیں جو انبیاءؑ اور رسولوںؑ کو بتائے جاتے ہیں وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ۔

لوگو! اللہ کی شان اس سے بلند ہے کہ تم سب کو غیب پر اطلاع دے لیکن جسے چاہتا ہے اس کے لئے چن لیتا ہے، یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو، اپنے رسولوں کو، اپنے انبیاءؑ کو، اور یہ بھی طے شدہ بات ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو جتنے ضروری علوم دیے گئے ان سب سے زیادہ علوم آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمائے۔ ہر نبی کو اس کی اپنی ضرورت اور اس کی امت کی ضرورت کے مطابق احکام شریعت اور دنیا و آخرت کے علوم عطا فرمائے گئے۔ نبی کریم ﷺ چونکہ سارے انبیاءؑ کے بھی نبیؐ ہیں۔ ساری اُمتوں کے بھی، ان کے انبیاءؑ کے واسطے سے نبیؐ ہیں، امام الانبیاءؑ ہیں اور بعثت سے ہمیشہ کے لئے آپ کی نبوت جاری و ساری ہے تو ان سارے زمانوں میں جو ہونا چاہیے تھا، جو درست ہے، جو غلط ہے وہ سارے علوم نبی کریم ﷺ کو عطا فرمائے گئے لیکن وہ علم غیب نہیں ہے وہ اطلاع علی الغیب ہے۔ غیب پر مطلع فرما دیا گیا۔ یہ بحث فضول ہے کہ علم

غیب کسے ہوتا ہے؟ علم غیب خاصہ ہے اللہ تعالیٰ کا۔ وہ بغیر کسی کے بتائے، بغیر کسی ذریعے، بغیر کسی واسطے کے جانتا ہے اور جو غیب نبیؐ جانتے ہیں وہ اطلاع علی الغیب ہوتی ہے کہ اللہ انہیں غیب پر مطلع فرما دیتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو فرما دیتا ہے، اولیاء اللہ کو فرما دیتا ہے، اس کی اپنی مرضی کہ جسے چاہے بتادے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کا علم دے دیا۔ اولاد آدم جتنی چیزیں ایجاد کرتی جارہی ہے، جتنی تحقیقات کرتی جارہی ہے، آج انسان نے سب سے چھوٹا ایٹم کا ذرہ چیر کر دریافت کرلیا کہ اس کے اندر بھی مثبت و منفی نظام جاری ہے۔ اس کے اندر ایک کارخانہ ہے جس میں مثبت بھی ہے اور منفی بھی ہے۔ سب سے چھوٹے ذرے کو چیرا جائے تو ایک دھماکہ ہوتا ہے جسے ایٹمی دھماکہ کہتے ہیں۔ ہر ایٹم کا سینہ چیرنے سے یہ دھماکہ ہو جاتا ہے۔ بنی آدم نے جو آج آکر دریافت کیا، یہ آدم علیہ السلام کو وہاں بتادیا گیا۔ جو جو علوم انسان نے دریافت کیے ہیں یا جو آئندہ کرے گا وہ سارے موروثی علم ہیں جو آدم علیہ السلام کو عطا فرمادیے گئے۔

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اور پھر فرشتوں سے کہا یہ کائنات کی چیزیں تمہارے سامنے ہیں فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ ذرا ان کے بارے مجھے بتاؤ ان چیزوں کے نام کیا ہیں۔ یہ کس کس کام آتی ہیں، ان میں کون سی چیز نفع بخش ہے، کون سی نقصان دہ ہے، اگر تم خبر رکھتے ہو قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ کہنے لگے اے اللہ! ہمیں کوئی خبر نہیں اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ ہمیں صرف وہ خبر ہے جو آپ نے ہمیں بتایا۔ آپ نے ہمیں یہ بتایا کہ بارش برسانی ہے تو یہ ہم نہیں جانتے کہ بارش سے ہوتا کیا ہے۔ جس کو یہ بتایا کہ فصل اگانی ہے اسے یہ خبر نہیں کہ اس سے آگے کیا ہوتا ہے، اس میں نفع کیا ہے، نقصان کیا ہے۔

اب ان چیزوں سے ہمارا تعلق نہ واسطہ، ان کے بارے میں ہم تو کچھ نہیں جانتے اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ تیری ذات جانتی ہے اور تیری ذات دانا تر ہے۔ تو حکیم ہے، تو ہی جانتا ہے۔

علم لدنی:

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ فرمایا اے آدم علیہ السلام! اب تو ان چیزوں کی خصوصیات اور ان کے نام بتا۔ علم اللہ کی طرف سے آتا ہے اس کے لئے کوئی وقت درکار نہیں ہوتا، کوئی عرصہ نہیں لگتا۔ اس نے دے دیا اور لینے والے کو وصول ہوتا گیا، اس کو علم لدنی کہتے ہیں۔ اس طرح فرشتوں پر علم کے حساب سے حضرت آدم علیہ السلام کی برتری ظاہر کی۔

صوفیاء اپنا خلیفہ یا نائب اس کو بناتے ہیں جس پر انہیں اعتماد ہو کہ اس فن میں اس کے پاس صرف

عمل نہیں علم بھی ہے۔ مجاہدہ اور عمل تو ضروری بات ہے لیکن مجاہدہ تو سارے لوگ کرتے ہیں۔ اپنی طرف سے تو سارے لوگ کوشش کرتے ہیں لیکن اسے جاننا، اس کی باریکیوں کو سمجھنا فضیلت کا سبب ہے اور خلافت کے لئے صرف عمل ہی نہیں، علم بھی ضروری ہے اور یہ علم کتابوں سے نہیں ملتا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے کونسی کتاب پڑھی تھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کتنے لوگ تھے جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے لیکن جس مسئلے پر صحابہ کرام کی رائے آجائے تو سارے لکھنے پڑھنے والے خاموش ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ انہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ سے سن کر جواب دیا، جو جاننا ہے وہ محض لکھنے پڑھنے کا نام نہیں ہے۔ وہ جانتے تھے، اللہ چاہے تو کسی کو اپنی طرف سے علم کا خزانہ عطا کر دے۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۝

(الکھف:65) حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں قران کریم میں فرمایا گیا کہ ہم نے اسے اپنی طرف سے علم عطا کر دیا۔ اسے علم لدنی کہتے ہیں۔ اصطلاح میں جس نے کسی مدرسے میں یا کسی استاد سے تو نہ پڑھا ہو لیکن اللہ اسے علوم کے خزانے عطا فرما دے تو اسے علم لدنی عطا ہو گیا۔ ایسے لوگوں کی ایک لمبی فہرست ہے جن کے اسماء گرامی اولیاء اللہ میں ملتے ہیں اور ایسے حضرات بھی ملتے ہیں جو خود تو پڑھے لکھے نہیں تھے یا معمولی پڑھے لکھے تھے مگر بڑے بڑے علماء ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مسائل کا حل دریافت کرتے تھے، اس لئے کہ اللہ نے انہیں علوم عطا کر دیئے۔ بات یہاں بھی یہی تھی وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اسماء سکھائے اور فرشتوں کے سامنے یہ بات رکھی کہ آپ ان چیزوں کے بارے میں بتائیں۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ ہمیں تو کوئی علم نہیں۔ ہاں، وہ باتیں جانتے ہیں جو آپ نے بتائیں اور آپ کی یہ شان ہے، آپ علیم بھی ہیں اور حکیم بھی ہیں۔

آدم علیہ السلام کو ارشاد ہوا: يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ اے آدم! ان چیزوں کے بارے، ان کے اسماء کے بارے، ان کی خصوصیات کے بارے میں آپ بیان کریں۔ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ جتنا اللہ نے چاہا اتنا انہوں نے بیان کر دیا۔ فرمایا: قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ زمینوں اور آسمانوں کے سارے غیب میں جانتا ہوں وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ۝۳۳ جس بات کا اظہار تم نہیں کرتے، تمہارے دلوں میں کیا ہے وہ بھی میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو، میں وہ بھی بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں۔

اب آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی برتری ثابت ہوگئی تو فرمایا: وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ تو ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ڭ وَكَانَ مِنَ

الْكٰفِرِيْنَ۝۳۴ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جب فرشتوں کو حکم ہوا تو جنات، جو کم تر مخلوق ہے، ان کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا لیکن حکم میں وہ بھی شامل تھے۔ چونکہ فرشتوں سے کم تر مخلوق ہے اور فرشتے سجدہ کر رہے تھے تو جن کیوں نہ کریں۔ ابلیس جنوں میں سے تھا، سب نے سجدہ کیا لیکن اس نے انکار کر دیا اور نہ صرف انکار کیا وَاسْتَكْبَرَ اس نے تکبر بھی کیا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ میں اس سے اچھا ہوں خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۝ (الاعراف:12) اسے تو آپ نے مٹی سے بنایا اور سڑے ہوئے کیچڑ کے گارے سے بنایا۔ اور مجھے آگ کے شعلے سے، کہاں مٹی کا گارا اور کہاں آگ کا لپکتا ہوا شعلہ جو بالکل لطیف ہوتا ہے! میں تخلیق میں اس سے افضل ہوں۔ پھر میری ہزاروں برسوں کی عبادتیں اور تقویٰ کہاں گئے؟ جسے آپ نے آج بنایا ہے، اس کے سامنے میں سرنگوں ہو جاؤں! سجدہ اصطلاح شریعت میں قبلہ رو ہو کر دونوں گھٹنے دونوں پاؤں دونوں ہاتھ ناک اور پیشانی زمین پر رکھنے کا نام ہے، ہر سجدہ جو ہم عبادت میں کرتے ہیں۔ عرفاً احترام و تعظیم کو بھی سجدہ کہا جاتا ہے جیسے آپ دیکھتے ہیں شاہی دربار میں جھک کر آداب بجالاتے ہیں تو اصطلاحاً اس کو بھی سجدہ کہہ دیا جاتا ہے۔ اب یہ اللہ جانے کہ اگر فرشتوں سے یہ سجدہ کرایا گیا ہے، جس طرح نماز میں ہوتا ہے، تو بھی کوئی مشکل نہیں۔ آج بھی ہم بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے یا بیت اللہ شریف کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔

بیت اللہ صرف قبلۂ سجود ہے:

بیت اللہ تو قبلۂ سجود ہے، سجدہ تو اللہ کو ہوتا ہے۔ بیت اللہ ایک مرکز ہے، ایک قبلہ ہے جو اللہ نے مقرر کر دیا۔ اب ایک جگہ کو اللہ نے مقرر کر دیا تو وہی پتھر، وہی گارا جو بیت اللہ شریف میں لگا ہوا ہے، وہ تو ہمارا مسجود نہیں۔ اگر پتھر وہاں سے اکھیڑ لئے جائیں اور وہی گارا، اور پتھروں کو کسی اور جگہ لگاتے ہیں تو کوئی اسے سجدہ کرے گا؟ پتھروں کو، گارے کو سجدہ مقصود نہیں ہے، وہ گارا پتھر تو اس جگہ کی نشاندہی کرتے ہیں جسے اللہ نے سجدے کے لئے مرکز بنا دیا، جو اس کی تجلیات کا معبد ہے لیکن سجدہ تو اللہ کو ہوتا ہے۔ اسی لئے حکم ہے کہ آپ کہیں کسی جنگل میں کھو جائیں اور پتہ نہ چلے شمال جنوب کدھر ہے، کوئی سمجھ نہیں آتی، رات ہوگئی، نماز پڑھنی ہے تو اندازہ کر لیں۔ جس طرف آپ کی سمجھ میں آئے کہ قبلہ اس طرف ہے، اس طرف سجدہ کر لیں فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اگر غلط بھی ہو گیا تو جدھر بھی ہوا، اللہ تو موجود ہے، وہ قبول کرے گا۔ اگر فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو قبلہ سمجھ کر سجدہ کرو تو وہ آدم علیہ السلام کی عظمت ہے، سجدہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کو ہے، علمائے کرام نے دونوں باتیں لکھی ہیں۔ ضروری نہیں کہ یہ عبادت کا سجدہ ہو۔ یہ تو تعظیم تھی، یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت اپنے اوپر قبول کرو۔

نائب کائنات میں تصرف کا خود جوابدہ ہے:

دوسری بات یہ ہے کہ کائنات میں فرشتے مدبر الامر ہیں۔ اب اگر ہم کسی کو گولی مار دیتے ہیں تو اس کی روح تو فرشتے ہی قبض کرتے ہیں لیکن قاتل ہم ٹھہرے، موت کا سبب ہم بن گئے۔ پھر اگر فرشتہ کہہ دے میں تو روح قبض نہیں کروں گا تو کیا گولی مارنے سے بندہ مرجائے گا۔نہیں مرے گا، روح تو فرشتے نے قبض کرنی ہے۔ فرشتوں کو گویا یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ یہ میرا نائب ہے، یہ میرا خلیفہ ہے۔ کائنات میں جو تصرف کرے گا اس میں تم اس کے ساتھ تعاون کرو گے۔ کائنات کے ہر ہر ذرے پر، ہر کام پر فرشتے مامور ہیں۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھتے ہیں کہ ایک انسان پر متعدد فرشتے مقرر ہیں، کھانا چبانے والے، اسے پیٹ میں پہنچانے والے، معدے میں حل کرنے والے، اس سے مختلف چیزیں الگ کرنے والے۔ اسی طرح ایک ایک درخت پر کتنے فرشتے مامور ہیں، کوئی غذا حاصل کرنے والا ہے، کوئی اسے تنے میں بھیجتا ہے، کوئی اسے پتوں میں پہنچاتا ہے۔ کیسا عجیب نظام ہے کہ ہر درخت کی غذا جڑ زمین سے لیتی ہے لیکن ہر درخت کا پتہ ایک کارخانہ ہے۔ اس میں بھٹیاں بنی ہوتی ہیں اور غذا وہاں پک کر واپس آتی ہے، تقسیم ہوتی ہے اور کسی سے تنا بنتا ہے، کسی سے شاخ بنتی ہے، کسی سے شگوفہ تیار ہوتا ہے، پھر کسی سے پھول بنتے ہیں، کسی سے خوشبو آتی ہے تو اس سارے نظام تقسیم پر مختلف فرشتے مقرر ہیں۔

اگر کوئی بندہ پھلے پھولے درخت پر کلہاڑا چلاتا ہے تو فرشتے اس کا ساتھ نہیں چھوڑتے۔ اب اللہ پوچھے گا، جس کا تو نائب ہے، تو نے کیوں کاٹا۔ میری مرضی سے کاٹا، میں نے حکم دیا تھا یا میں نے منع کیا تھا؟ تو یہ معاملہ بندے اور رب کے درمیان ہے لیکن فرشتوں کو تعاون کرنا ہے۔ اس لئے بھی انہیں حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے تعظیم بجالاؤ۔ جو یہ کرے گا تم اسے روکو گے نہیں، یہ چوری کو نکلے اور اس کے ہاتھ پاؤں پر جو فرشتے مقرر ہیں وہ ساتھ چھوڑ دیں، کہاں جائے گا! تم مکلف ہو کہ اس کے ساتھ تعاون کرو، اب اس سے میں بات کروں گا ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ○ (الغاشیۃ :26) اس سے حساب مجھے لینا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کی صورت یہ سبق تو فرشتوں کو ملا لیکن ابلیس نے جو وہاں موجود تھا، سجدہ سے انکار کردیا اور صرف انکار نہیں بلکہ وَاسْتَكْبَرَ اس نے تکبر بھی کیا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ میں اس سے بہتر ہوں۔

تکبر، فساد کی بنیادی وجہ:

آج بھی اگر ہم دیکھیں، ذاتی اور گھریلو زندگی سے لے کر بین الاقوامی زندگی تک تو ہر فساد کی

جڑ میں یہ بات موجود ہے کہ میں اس سے بہتر ہوں، یہ میرے خلاف کیسے جا سکتا ہے، میں اس سے تگڑا ہوں۔ گھروں میں جتنے جھگڑے ہوتے ہیں، بھائی بھائی لڑتے ہیں، دوست دشمن بن جاتے ہیں، رشتہ دار برادری لڑتی ہے، اگر اس بات کو پیچھے چلایا جائے تو بنیادی بات وہی ہوتی ہے کہ میں اس کی بات نہیں مانتا اس لئے کہ میں اس سے اچھا ہوں۔ میں اس کی کیوں مانوں، میں اس سے زیادہ جانتا ہوں، میں زیادہ امیر ہوں، یہ فقیر ہے۔ میں زیادہ طاقت ور ہوں، یہ کمزور ہے۔ یہ میری بات مانے، میں اس کی کیوں مانوں! کسی جھگڑے کو آپ پیچھے لے جائیں تو بنیاد میں آج بھی وہی بات ملتی ہے جو شیطان نے اس وقت کہی تھی کہ میں نہیں مانوں گا، اس لئے کہ میں تو اس سے بہتر ہوں۔

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴿۳۴﴾ اب بات ہی بدل گئی، دوسری جماعت میں چلا گیا، مقربین سے خارج ہوگیا، کافرین میں شامل ہوگیا، انکار کرنے والوں میں چلا گیا، وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴿۳۴﴾ وہ دوسری جماعت میں ہوگیا جو اللہ کے احکام کا انکار کرتے ہیں اور اس کی اطاعت نہیں کرتے۔ تو اللہ کریم بنی آدم کو یہ یاد دلا رہے ہیں کہ کس طرح سے تخلیق آدم ہوئی اور پھر سب سے بڑی معراج اور عظمت یہ تھی کہ میں نے تمہیں اپنا نائب بنایا۔ نائب اپنے سردار سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے، اس سے احکام لے کر نافذ کرتا ہے۔ اب شریعت کیا ہے، احکامِ الٰہی کیا ہیں؟ ہم میں سے ہر ایک بندہ اپنی حیثیت کے مطابق ایک مقامِ نیابت رکھتا ہے اس لئے کہ ہم اپنی مرضی سے کام کرتے ہیں۔ خریدتے ہیں، بیچتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، سوتے جاگتے ہیں، دوستی اور دشمنی کرتے ہیں لیکن اللہ کریم فرما رہا ہے:

یاد رکھو! تم کچھ بھی نہیں تھے، تھے ہی نہیں، میں نے تمہاری بنیاد رکھی، تم سے پہلے جو مخلوق تھی اس پر تمہیں اتنی عظمت دی کہ میں نے تمہیں اپنا نائب قرار دیا، میں نے تمہارے سینوں کو علوم سے بھر دیا۔ میں نے فرشتوں سے کہا کہ ان کی عظمت کا اقرار کرو، ان کو سجدہ کرو۔ تو، جسے میں نے مسجودِ ملائک بنایا، کائنات میری ہے، زمین میری ہے، چیزیں میری ہیں اور تجھے میں نے اتنی عزت دی کہ تو ان میں تصرف کرتا ہے لیکن آج تُو اس کی بات سنتا ہے جس نے اس دن تیری عظمت کو ماننے سے انکار کر دیا تھا اور اکڑ گیا تھا کہ میں بڑا ہوں، اس کی کیا حیثیت ہے میرے سامنے، آج تُو شیطان کی بات سنتا ہے تو تف ہے تجھ پر! تجھ میں تو حمیت اور غیرت ہی نہ رہی، تجھ میں اگر انسانی غیرت ہوتی تو کبھی شیطان کی بات نہ سنتا۔ تُو تو اس سے بھی گیا۔ یہ سارا قصہ اس لئے سنایا جا رہا ہے کہ انسان اپنے ازلی دشمن کو پہچانے اور اس کی روش کو نہ اپنائے۔

جب ابلیس نے سجدے سے انکار کیا اور وہ مردود ٹھہرایا گیا تو ہم نے آدم علیہ السلام کو ارشاد فرمایا
یٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ اے آدم علیہ السلام! آپؑ اور آپؑ کی اہلیہ اس باغ میں ٹھہریں۔ باغ
سے مراد جنت ہے۔ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا۪ اور خوب مزے سے کھائیں، جس جگہ سے چاہیں۔
جو چیز چاہیں استعمال کریں لیکن وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ اس ایک درخت کے قریب نہ جائیں فَتَكُوْنَا مِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۵ اگر ایسا کریں گے تو اپنا نقصان کر بیٹھیں گے۔ یہ ایک غلطی ہوگی جو آپ علیہ السلام کے لئے
نقصان دہ ہوگی۔ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ۪ شیطان نے ان دونوں کو بہکایا۔
ان سے وہی کام کروایا جس سے روکا گیا تھا، اس وجہ سے ان دونوں کو اس جگہ سے نکلنا پڑا جہاں وہ ٹھہرے
ہوئے تھے۔ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اب یہاں سے آپ لوگ چلے جاؤ اور تم میں سے بعض، بعض
کے دشمن ہوں گے۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ اور تمہارا ٹھکانہ زمین میں ہے وَّمَتَاعٌ اور وہیں تم کام چلاؤ
گے، وہیں روزی کا اہتمام ہوگا، وہیں لین دین ہوگا، وہیں رہو گے اِلٰى حِيْنٍ ۝۳۶ ایک مقرر وقت تک۔

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ پھر اللہ کریم نے کرم فرماتے ہوئے آدم علیہ السلام کو خود کچھ کلمات
تعلیم فرمائے فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ انہوں نے جب یہ کلمات کہتے ہوئے دعا کی تو اللہ کریم نے رحمت اور کرم سے
توجہ فرمائی اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۳۷ بے شک، یقیناً وہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔
قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ لیکن بہر حال توبہ کی قبولیت کا مقصد یہ نہیں تھا کہ واپس اس بہشت میں ٹھہرائے
جاتے، ارشاد ہوا کہ اب یہاں سے آپ سب زمین پر جائیں۔ زمین پر زندگی بسر کرنے کا بھی ایک نظام ہوگا، فَاِمَّا
يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى میری طرف سے حسب ضرورت ہدایات پہنچتی رہیں گی فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ زمین پر رہتے
بستے ہوئے جس نے میری ہدایات کی تابعداری کی، اتباع کیا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۳۸ انہیں
کسی طرح کا نہ ڈر ہوگا اور نہ کوئی دکھ ہوگا۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ ہاں، مگر جن لوگوں نے ہماری
آیات کا انکار کیا، کفر کیا، تکذیب کی، جھٹلایا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ وہ لوگ آگ میں رہنے والے ہوں
گے۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۳۹ انہیں ہمیشہ ہمیشہ آگ میں رہنا پڑے گا۔ یہ تو سادہ سا ترجمہ بنتا ہے۔

جنت میں قیام کی مصلحت:

انسان کو واقعہ سنایا جا رہا ہے کہ شیطان نے سجدے سے انکار کر کے اپنی ساری عبادت، ریاضت اور محنت
ضائع کر دی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مردود ٹھہرایا گیا، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ٹھہرا۔ پھر آدم علیہ السلام کو اللہ نے

جنت میں رہنے کی جگہ عطا فرمائی۔ یاد رہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق جنت میں رہنے کے لئے نہیں تھی۔ اس سے قبل ارشاد باری تعالیٰ گزر چکا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ میں زمین پر اپنا ایک نائب، خلیفہ مقرر کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو آنا تو زمین پر ہی تھا لیکن جنت میں قیام کی شاید ایک مصلحت یہ بھی ہو، بے شمار مصلحتیں ہوں گی، اللہ کی اللہ ہی جانے، لیکن ایک مصلحت شاید یہ بھی ہو کہ جب انہیں تمام چیزوں کی خصوصیات اور ان کے نام سکھا دیئے گئے تو انہیں استعمال کا تجربہ جنت میں رہ کر کروایا۔ کس طرح سے چیزیں استعمال کرنی ہیں اور ان کا کیا کیا مصرف ہے، زندگی کا ابتدائی اور بنیادی تجربہ، چونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام براہِ راست رب العٰلمین سے تربیت حاصل کرتے ہیں۔ یہ جنت وہی جنت تھی جس میں زندگی ختم ہونے یا برزخ یا قیامت کے بعد مومنین داخل ہوں گے یا اس کے علاوہ کوئی جنت تھی یا کوئی اور باغ، تھا اس بارے میں مفسرین کرام کی متعدد آراء ہیں۔

امام رازیؒ نے بہت سی آراء جمع کی ہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ باغ ہی زمین پر بنایا گیا تھا، بعض نے کہا آسمانوں پر تھا، بعض نے کہا یہ وہی جنت تھی جو کہ آخرت میں مستقل ٹھکانہ ہوگا لیکن یہ بات یاد رہے کہ جن کا جنت میں دخول ہوگا، ان کے لئے وہاں کوئی چیز منع نہیں ہوگی، وہاں کسی غلطی کا کوئی تصور نہیں ہوگا، وہاں کوئی آزمائش اور امتحان نہیں ہوگا۔ اللہ کریم نے جب وضاحت نہیں فرمائی، نبی کریم ﷺ نے وضاحت نہیں فرمائی تو اس بحث میں پڑنا لاحاصل ہے کہ کون سی جنت تھی لیکن یہ ضرور ہے کہ جہاں آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور اماں حوا کو ٹھہرایا گیا، وہاں آزمائش بھی تھی، ایک خاص درخت کا پھل کھانے سے روک دیا گیا۔ درخت کی وضاحت بھی قرآن و حدیث میں نہیں ملتی کہ کون سا درخت تھا؟ بعض لوگ لکھتے ہیں دانہ گندم تھا لیکن کوئی صراحت قرآن و حدیث میں نہیں ملتی۔ جو بھی درخت تھا، اس کا پھل کھانے سے روکنے کے لئے فرمایا: وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ اس درخت کے قریب بھی نہ جانا۔

حدود اللہ کے قریب بھی نہ جاؤ:

اس سے یہ سمجھ آتی ہے کہ جو چیز گناہ کی طرف لے جانے والی ہو اس سے بھی اجتناب ضروری ہے جیسے آج کل بے حیائی عام ہے اور اس کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا لیکن یہ بے حیائی بالآخر بڑے گناہ کی طرف لے جاتی ہے۔ آدمی کو اس سے بچنا چاہئے۔ آج کل ہمارے جو ذرائع ابلاغ ہیں، ان میں سب سے بڑا ذریعہ الیکٹرانک میڈیا میں ٹی وی ہے۔ اب ٹی وی پہ بے شمار پروگرام ایسے ہیں جن میں بہت زیادہ بے حیائی ہے۔

جو سلجھے ہوئے، سنجیدہ پروگرام ہیں ان میں بھی ایک عجیب بات ہے کہ آپ غزل سن رہے ہیں لیکن غزل سنتے ہوئے آپ سامعین کو دیکھیں یا فنکار کو دیکھیں، جس طرف دیکھیں گے ادھر بے پردگی ہوگی، ادھر خواتین سر کھولے، میک اپ کئے بیٹھی ہوں گی اور کیمرہ بار بار انہیں دکھائے گا۔ بظاہر تو غزل سنی جارہی ہے لیکن اس کے ساتھ جو کچھ غیر شعوری طور پر دکھایا جارہا ہے، عین ممکن ہے دیکھنے والے کو کسی دن بہت بڑے گناہ میں مبتلا کردے۔ ہم دوستی دوستی میں گپ شپ لگانے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں اور کوئی خاص گناہ کی بات بھی نہیں ہوتی لیکن وہ منڈلی یا وہ ٹولہ گناہگاروں کا ہے، وہ گناہ کے عادی ہیں گپ شپ کرتے کرتے ایک دن آدمی اسی گناہ میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ یہ جو ارشاد فرمایا گیا:

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ درخت کے قریب بھی نہ جانا۔ اس حکم سے مراد یہ نہیں کہ محض درخت کے قریب سے گزرنا حرام ہے بلکہ اصل ممانعت تو اس کا پھل کھانے کی تھی لیکن فرمایا گیا کہ اس کے قریب بھی مت پھٹکیں۔ اس کے قریب جائیں گے، بار بار دیکھیں گے تو شاید کسی وقت کھا بیٹھیں اور اگر آپ نے یہ پھل کھا لیا تو پھر یہ بہت بڑی غلطی ہوگی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی طرف خطا منسوب کرنا حرام ہے:

فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴿۳۵﴾ آپؑ غلطی کرنے والے ہوں گے۔ ظلم ہوتا ہے کسی بھی چیز کو اس کی جگہ سے ہٹا دینا۔ وضع الشئ فی غیر محله۔ کسی چیز کو ایسی جگہ رکھ دینا جو اس کا مقام نہیں ہے۔ کرسی کو الٹا کر دو تو ظلم ہو جائے گا یعنی جیسے ہونی چاہئے تھی ویسے نہیں ہے۔ اب یہ الفاظ جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے استعمال ہوتے ہیں تو ان سے اسم فاعل بنانا شرعاً حرام ہے۔ کوئی بھی شخص اس سے صیغہ نکال کر آدم علیہ السلام کو ظالم کہے گا تو حرام کار ہوگا اور یہ سخت گناہ ہوگا۔ یہ اللہ کا اور اس کے نبی علیہ السلام کا معاملہ ہے۔ نبی معصوم ہوتے ہیں، نبیؑ سے خطا نہیں ہوتی لیکن یہاں اللہ کریم جسے "ظلم" قرار دے رہے ہیں، اس سے مراد لغوی معنی نہیں ہوگا۔ عجیب بات ہے یہ معاملہ جنت کا ہے جہاں خود گناہ ہوتا ہی نہیں، گناہ کا صدور کسی صورت ممکن نہیں، تو یہ وہ گناہ نہیں جو میں اور آپ کرتے ہیں اور ہم سمجھ رہے ہیں کہ آدم علیہ السلام ہماری طرح گنہگار تھے۔ نعوذ باللہ من ذالك۔ یہ بات اللہ اور اس کے نبیؑ کے درمیان ہے اور تربیت کا حصہ ہے کہ زمین پر آپؑ کو بے شمار نعمتیں کھانے کو ملیں گی، رہنے کو جگہ ملے گی، بستر ہوں گے، کپڑے ہوں گے، گھر ہوں گے، مکان ہوں گے، لیکن اس میں جا کر آپ نے میرے احکام کی تنفیذ کرنی ہے۔

انسان ہی نیابت الٰہی سے مشرف ہوا:

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ جنت میں جہاں سے جو جی چاہے مزے سے کھاؤ پیو مگر اس درخت کے پاس مت جانا۔ جنت میں یہ پابندی لگا کر تربیت فرمائی گئی کہ کچھ چیزیں زمین پر بھی ایسی ہوں گی جن کو استعمال کرنا منع ہوگا۔ جن کو استعمال کرنے کی اجازت ہوگی ان کے حصول اور استعمال کا طریقہ بھی بتایا جائے گا تاکہ پتہ چلے کہ کائنات اللہ کی ہے، زمین اللہ کی ہے، جہان اللہ کے ہیں، انسان اس پر تصرف کرتا ہے لیکن اپنی مرضی سے تصرف بھی نہیں کرسکتا۔ انسان نائب ہے اللہ کا، خلیفۃ اللہ ہے۔ اللہ کی طرف سے انہیں استعمال کرنے کا جو سلیقہ ہے اس کے مطابق کرتا ہے اور اس سے عظمتِ الٰہی کا اظہار ہوتا ہے کہ کائنات بھی اس کی ہے، بندہ بھی اس کا ہے اس لئے اس کے حکم کے مطابق اس میں تصرف کر رہا ہے اور یہ چیز جبراً مسلط نہیں کی گئی۔ اب جیسے سانس لینا فطری طور پر ہے، اسے ہم روکنا چاہیں بھی تو روک نہیں سکتے۔ روکیں گے تو مر جائیں گے۔ اسی طرح اگر احکام شرعی بھی فطرت انسانی بنا دیئے جاتے کہ دوسرا کام کر ہی نہیں سکتے، جیسے فرشتے ہیں وہ غلطی کر ہی نہیں سکتے، گناہ کر ہی نہیں سکتے، وہ فطرتاً اطاعتِ الٰہی کرتے ہیں تو پھر وہ بات نہ رہتی۔ ایک اور ایسی مخلوق بن جاتی جو صرف حکم کی اطاعت شعار ہوتی جبکہ اللہ کریم نے چاہا کہ میرا نائب ہو، یعنی وہ مجھ سے واقف ہو۔ نائب وہ ہوتا ہے جس کا تعلق اور رشتہ ہوتا ہے، وہ احکام حاصل کرتا ہے، بات کرتا ہے، حضور میں پیش ہوتا ہے پھر اپنی کارکردگی دکھاتا ہے۔ ایک ایسی مخلوق بھی ہو جو براہِ راست میرے ساتھ بات کرے، میرے ساتھ جس کا براہِ راست تعلق اور واسطہ ہو، جو میری شان اور میری عظمت کو جان کر مجھ پر فریفتہ ہو، مجھ سے عشق کرے، میرے لئے مر مٹے لیکن میری نافرمانی نہ کرے حالانکہ اس کے پاس نافرمانی کا راستہ بھی ہو۔ ایک ایسی مخلوق بھی چاہیئے۔ فرشتے کے پاس تو نافرمانی کا راستہ ہی نہیں ہے۔

جنات کے لئے دوام نہیں:

زمین پر دوسری مخلوق ''جن'' بھیجی گئی لیکن ان میں نبوت عطا نہیں کی گئی۔ وہ عشقِ الٰہی سے اور محبت الٰہی سے محروم ہیں۔ جنات کے بارے میں پورے قرآن کریم میں کہیں یہ خبر نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ رہیں گے۔ جنت میں داخلے کے بارے میں قرآن حکیم نے کوئی خبر نہیں دی۔ نبی کریم ﷺ نے کوئی خبر نہیں دی۔ جنات

کی زندگی انسان سے بہت کم تر ہے کہ جو جرم نہیں کریں گے انہیں عَذَابٌ اَلِیۡمٌ دردناک عذاب سے نجات مل جائے گی اور جو جرم کریں گے وہ اپنا عذاب بھگتیں گے۔ جنہوں نے جرم نہیں کیا وہ بھی معدوم ہو جائیں گے، جو مجرم ہوں گے وہ بھی سزا بھگت کر معدوم ہو جائیں گے۔ انسان باقی رہے گا، اس لئے کہ انسان کی روح عالم امر سے ہے اور عالم امر میں فنا نہیں ہے، عالم خلق میں فنا ہے۔

لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ خلق بھی اس کا ہے اور امر بھی اس کا ہے۔ خلق کے لئے فنا ہے، امر کے لئے فنا نہیں۔ انسانی روح قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (بنی اسرائیل:85) عالم امر سے ہے۔ جب روح کو دوام ہے تو جس ذرۂ خاک کا رشتہ اس کے ساتھ ہوگا اس بدن کو بھی ہمیشہ رہنا ہوگا۔ اب اگر یہ جنت میں پہنچے گا تو بھی ہمیشہ رہے گا، اس کی زندگی کبھی ختم نہیں ہوگی۔ خدا محفوظ رکھے، کفر اور گمراہی میں مبتلا ہو کر، شرک میں، گستاخی میں مبتلا ہو کر جہنم میں چلا گیا تو مرے گا وہاں بھی نہیں، اسے وہاں بھی ہمیشہ رہنا ہے۔ اب انتخاب اس پر ہے، ایک طرف حضورِ الٰہی ہے، عشقِ الٰہی ہے، محبتِ الٰہی ہے، قربِ الٰہی ہے، وصولِ الٰہی ہے اور اس کے ساتھ دائمی زندگی کے لئے جنت بھی ہے اور دوسری طرف اللہ سے دوری ہے، شیطان لعین کا ساتھ ہے، رہنا ہمیشہ ہے اور زندگی جہنم کی ہے۔ اب یہ انسان کا انتخاب ہے، اس پہ چھوڑ دیا کہ میری یہ تخلیق واقعی اپنی اصل پہ آ کر مجھ سے محبت کرتی ہے یا مجھے بھی بھلا دیتی ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جو مجھے بھلا دے گا وہ اپنے آپ کو بھول جائے گا۔ جو اللہ کو بھول جائے گا وہ ایسا بھولے گا کہ اسے اپنی بھلائی بھی یاد نہیں رہے گی۔ خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو جہنم میں دھکیل دے گا۔

جنت تو جو بھی تھی لیکن یہ تربیت تھی اور اس میں احکام بھی تھے، نواہی بھی تھے۔ اجازت دے دی گئی، کھاؤ، پیو، رہو، لیکن اس درخت کے پاس مت پھٹکو اور اگر آپؑ نے ایسا کیا تو یہ زیادتی ہوگی فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا لیکن شیطان نے انہیں بہکا دیا۔ شیطان تو مردود تھا، کافر تھا اور کافر پر تو جنت حرام ہے، جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ۝ پہلے گزر چکا یہ تو کفر میں پڑ گیا۔ اس نے کیسے بہکا دیا؟ اس میں مفسرین نے مختلف جواب دیئے ہیں اور وہ سارے احتمالات ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آدم علیہ السلام سیر کرتے ہوئے آسمان پر تشریف لے گئے اور چونکہ جنوں کا آسمانوں پہ جانا بند نہیں ہوا تھا اس نے وہاں بات کی ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ علیہ السلام جنت کے دروازے میں کھڑے ہوں، اس نے باہر سے بات کی ہو لیکن مفسرین کرام ایک بہت پتے کی بات لکھتے ہیں کہ جنت جو آخرت یا بالائے آسمان کا عالم ہے، اس

طرح مادی عالم نہیں ہے۔

قرآن مجید میں موجود ہے کہ جنتی، جہنمیوں کو وہاں سے کھڑے ہو کر دیکھیں گے، وہ دیکھو فلاں بھی جہنم میں ہے، فلاں بھی! یہ دنیا میں ہم سے مذاق کرتے تھے، آج مزے کر رہے ہیں۔ جہنمی بھی جنتیوں کو پہچان لیں گے۔ وہ کہیں گے بھئی زندگی اکٹھے بسر کی تھی، ہمارا ملنا جلنا تھا، ہم نے غلطی کی، تمہاری بات نہ مانی، ہم ادھر آ گئے تم جنت میں پہنچ گئے۔ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ (الاعراف:50) ہمیں کوئی کھانے پینے کی چیزیں، جنت سے دو گھونٹ پانی، ہماری طرف کوئی پھل ہی پھینک دو۔ وہ جواب دیں گے اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ○ (الاعراف:50) جنت کا کھانا پینا اللہ نے کافروں پر منع کر دیا ہے، ہم تمہیں نہیں دے سکتے۔ اس کا مطلب ہے اہل جنت، جنت میں ہوں گے، جہنمی جہنم میں ہوں گے لیکن ان میں بات تو ہو رہی ہوگی۔ اسی طرح شیطان مردود تو ہو گیا اور آدم علیہ السلام جنت میں ہیں لیکن ان میں بات ہو سکتی تھی، بات تو ہوئی۔ پھر دوسری جگہ قرآنِ کریم نے فرمایا: وَقَاسَمَهُمَآ (الاعراف:12) اس نے اللہ کی قسمیں کھائیں کہ یہ تو تمہاری تربیت کے لئے تھا، آپ نئے نئے تھے، اس وقت منع تھا اب یہاں رہتے رہتے آپ علیہ السلام پختہ کار ہو گئے ہیں، درخت میں تو یہ وصف ہے کہ آپ کھائیں گے تو فرشتے کی طرح ہو جائیں گے اور ہمیشہ جنت میں رہیں گے، اس پر اللہ کی قسم بھی کھائی، پھر خود قرآن نے حضرت آدم علیہ السلام کی صفائی دی فَنَسِيَ آدم علیہ السلام سے بھول تو ہوئی لیکن وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا○ (طٰہٰ:115) ان کا ارادہ غلطی کرنے کا نہیں تھا۔ قرآن کریم میں خود اللہ نے یہ گواہی دی کہ ان کا ارادہ احکامِ الٰہی کو توڑنے کا نہیں تھا، بھول ہو گئی۔ مقربین کی بھول بھی ان کے لئے بہت سی تلخی لاتی ہے، پھر یہ بات کہ زمین پر تو انہیں آنا تھا، پیدا ہی زمین کے لئے کیا گیا، جنت میں رہنا تربیت کا حصہ تھا۔ شیطان سے مقابلہ اور شیطان کے داؤ پیچ کی بھی سمجھ آ گئی۔ اس بات کی سمجھ بھی آ گئی کہ ارادہ نہ بھی ہو لیکن غلطی سے بھی شیطان کی بات مان لی جائے تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ شیطان نے انہیں بہکایا تو نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں وہاں سے نکلنا پڑا۔

انسانوں میں حق و باطل کی کشمکش:

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ اب جو یہ تھوڑی سی بھول ہوئی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری نسلوں میں انسان ہی انسانوں کے دشمن ہوں گے۔ اس کا اثر یہ ہے کہ جب تک دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کی نسل رہے گی، تب تک اس بھول کا یہ اثر رہے گا کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ ہیں تو سارے بھائی

بھائی، ہم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں لیکن کتنے ہیں جو آپس میں دوست ہیں! فرد، فرد کا دشمن، خاندان خاندانوں کے دشمن، قومیں قوموں کی دشمن اور ملک ملکوں کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ تم میں دشمنی رہے گی۔ زمین پر تمہیں گھر ملے گا اور اس میں رہو لیکن ایک وقت تک، ہمیشہ زمین پر کوئی بھی نہیں رہے گا الٰی حِیۡنٍ ایک مقرر مدت تک تمہیں زمین پر رہنا بسنا ہوگا۔ جایئے زمین پر رہیے، اس کے بعد جب واپسی ہوگی تو اگلا کام حساب کتاب ہوگا۔ جس نے اللہ کی اطاعت کی وہ اللہ کی رضا کو پائے گا اور جو نافرمانی کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا۔

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ آدم علیہ السلام کو خود وہ تسبیحات، وہ کلمات تعلیم فرما دیئے۔ فَتَابَ عَلَيۡهِ اور اپنی رحمت اور اپنے کرم سے ان پر متوجہ ہوا۔ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ۝٣٧ اور وہی بہت بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِيۡعًا ۚ فرمایا، توبہ قبول ہوگئی، کوتاہی معاف ہوگئی، جو بھول ہوئی تھی اسے بھول جایئے۔ آپ علیہ السلام کے مقامات، آپ علیہ السلام کی عظمت ویسی ہی ہے لیکن آپ علیہ السلام کو جانا زمین پر ہے۔ اور زمین پر باطل کے پیروکار بھی آپ علیہ السلام کی اولاد اور آپ علیہ السلام کی پشت سے پیدا ہوں گے۔ حق کے پیروکار بھی آپ علیہ السلام کی پشت سے پیدا ہوں گے جن کے مابین دشمنی تو ازلی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ دنیا میں جو حق کا اتباع کرے گا اس کا اور جو باطل کو اختیار کرے گا ان کا گزارہ اکٹھا تو نہیں ہوگا۔ آپس میں مقابلہ تو رہے گا۔ ہاں یہ میرا کرم ہے کہ دنیا کی زندگی خواہ کروڑوں برس ہو، میں انسان کو اپنی رہنمائی سے محروم نہیں کروں گا۔

فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى میری طرف سے تمہارے پاس رہنمائی اور ہدایت پہنچتی رہے گی۔ آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام خود نبیؑ تھے اور تب سے لے کر بعثت آقائے نامدار ﷺ تک قرآن کریم میں موجود ہے کہ کوئی بستی، کوئی ملک، کوئی قوم ہم نے رہنمائی کے بغیر نہیں چھوڑی۔ ہر جگہ، ہر وقت، ہر علاقے، ہر ملک میں جہاں جہاں ضرورت ہوئی، اللہ نبیؑ مبعوث فرماتے رہے تا آنکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور نبوت کی تکمیل ہوگئی۔

ختم نبوت:

میں نے بعض قادیانی حضرات کو اس آیت کو بھی پیش کرتے دیکھا ہے کہ اللہ کریم نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرمایا کہ میری طرف سے ہدایات آتی رہیں گی اور ہمیشہ آتی رہیں گی تو اب نبوت کیوں بند ہے؟ سوال یہ ہے کہ کوئی

نئی شریعت اور نیا رسول یا نئی کتاب کب آتی تھی؟ جب حق ختم ہو جاتا تھا! اللہ کریم نے محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرما کر، قرآن کریم عطا فرما کر یہ بھی فرما دیا وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ محمد رسول اللہ ﷺ انبیاء کا سلسلہ ختم کرنے والے ہیں، اب اس کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ رہی یہ بات کہ پہلی کتابوں میں تحریف ہو جاتی تھی، کتابیں ملتی ہی نہیں تھیں۔ بدل جاتی تھیں لیکن اللہ نے فرمایا: نبوت بھی میرے نبیؐ کی ہمیشہ رہے گی اور یہ کتاب بھی جب تک دنیا قائم ہے تب تک اس کی حفاظت میں فرماتا رہوں گا۔ کتاب بھی موجود ہے، نبوت بھی موجود ہے تو نئے نبیؐ کی ضرورت کہاں سے آ گئی! کتاب بھی موجود ہے اور اس کا محافظ اللہ ہے اور گزشتہ چودہ صدیاں اس بات پر گواہ ہیں کہ کوئی اس کی ایک زیر زبر یا ایک نقطہ گھٹا بڑھا نہیں سکا اور آئندہ بھی کوئی ایسا نہیں کر سکے گا، یہ اللہ کا وعدہ ہے اور نبوت بھی موجود ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ نبیؐ بھی موجود ہے کتاب بھی موجود ہے۔ نبی ﷺ کی برکات بھی موجود ہیں اور ارشادات باری اور ارشادات نبوی ﷺ لحہ لحہ روئے زمین پر سنائے جا رہے ہیں۔ اسلام پوری انسانیت کا مذہب ہے اور الحمدللہ روئے زمین پر مسلمان موجود ہیں، زمین کی ہر حرکت اور ہر گزرنے والا لمحہ وقت کو آگے چلاتا رہتا ہے۔ ہم نے اذان کہی، ہم نے تقریر شروع کر دی۔ اگلے لمحے کسی دوسری جگہ جمعہ کی اذان ہو رہی ہوگی، اگلے لمحے زمین کے کسی اور حصے پر، یعنی چوبیس گھنٹوں کا کوئی لمحہ، کوئی سیکنڈ ایسا نہیں جس میں اذان نہ گونج رہی ہو۔ جس طرح رات دن سفر کرتے ہیں، وقت سفر کرتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ یہ تکبیر اور اللہ کی توحید اور آقائے نامدار ﷺ کی نبوت و رسالت کی بھی یہ صدائیں گونجتی رہتی ہیں۔ اسی طرح اللہ کے بندے سربسجود بھی رہتے ہیں، اسی طرح اللہ کے بندے تلاوت اور ذکر و اذکار میں بھی مشغول رہتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کے بندے جہاد اور اعلائے کلمۃ الحق میں مصروف ہیں۔ سارا نظامِ ہدایت موجود ہے، لہٰذا نئے نبی کی ضرورت ہی نہیں اور بات ختم ہو گئی جب اللہ نے فرما دیا کہ نبوت کا نظام محمد رسول اللہ ﷺ پر اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ اب اس کے بعد کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو آپ ﷺ کے بعد آئے۔

نزولِ عیسیٰ علیہ السلام:

ایک سوال جو یہاں پیش کیا جاتا ہے وہ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ انہیں پھر آسمانوں سے کیوں اتارا جائے گا۔ کمال یہ ہے کہ وہ خود صاحب کتاب نبیؐ ہیں، لیکن اپنی کتاب کا اتباع نہیں کریں گے، زمین پر نازل ہوں گے تو اتباع اللہ کے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ہی کریں

گے، آپ ﷺ کی شریعت کا ہی کریں گے۔ جب شروع میں یہ احادیث میں نے پڑھیں تو میرے ذہن میں اشکال تھا کہ اگر نبی کی ضرورت تھی تو اللہ قادر ہے، نئے نبیؑ پیدا کرتا اور اگر نبیؑ کی ضرورت نہیں تھی تو پھر عیسٰیؑ کو باقی رکھنے سے کیا حاصل ہوگا جب بعثت رحمت عالم ﷺ کے بعد اس کی ضرورت ہی نہیں رہی۔

جب زندگی کے عملی میدان میں قدم رکھا، اللہ اللہ کرنے کی توفیق ملی، شیخ کامل کی رہنمائی نصیب ہوئی اور ذکر اذکار کے راستے پر چلے تو پھر ایک تصویر سامنے آئی کہ کس طرح لوگوں کے مزاج بدلتے ہیں، کس طرح گناہ کی ذلت لوگوں پر چھا جاتی ہے، کس طرح وہ اللہ سے دور ہو جاتے ہیں اور انہیں واپس لانا کتنا مشکل کام ہوتا ہے۔ پھر ہم نے یہ بھی دیکھا کہ اللہ جن بندوں کے سینے منور کر دیتا ہے وہ بڑے بڑے گناہوں میں دھنسے ہوئے لوگوں کو کھینچ کر واپس لے آتے ہیں اور لوگوں کی ہدایت کا سبب بن جاتے ہیں، لوگ سینماؤں اور کلبوں سے اٹھ کر مساجد میں آ جاتے ہیں، نشہ چھوڑ کر اللہ کے ذکر میں لگ جاتے ہیں لیکن بے شمار لوگ ایسے ہیں جو اس سب کے باوجود محروم رہتے ہیں۔ رفتہ رفتہ شاید ایک ایسا وقت بھی آ جائے جب دل کی توجہ کسی پر اثر ہی نہ کرے۔ لوگوں کے مزاج اتنے مسخ ہو جائیں، طبائع اتنے دھندلا جائیں، سوچ اتنی الٹی ہو جائے کہ ولی کی توجہ کارگر نہ ہو تو نبیؑ کی قوت اور توجہ درکار ہوگی جو لوگوں کی ہدایت کا سبب بنے اور یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے پھر ایک نبیؑ کو باقی رکھ لیا کہ جب ایسا وقت آئے گا کہ ولی کی توجہ لوگوں کے قلوب پر اثر چھوڑ دے گی تو وہ کریم اپنے کرم سے اس نبی کو آسمانوں سے نازل فرما کر لوگوں کی ہدایت کا آخری وسیلہ بھی عطا فرما دے گا۔ اب کوئی بد بخت اس پہ بھی نہ بدلے تو پھر اس کی بدنصیبی ہوگی۔ رہا یہ سوال کہ نزول عیسٰیؑ علیہ السلام کے لئے کتنا عرصہ لگ جائے گا؟ ابھی تو رفع عیسوی علیہ السلام کو دو ہزار سال ہوئے ہیں۔ وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ○ (الحج: 47) آسمان پر ایک دن گزرتا ہے، زمین پر ہزار برس گزر جاتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے انہیں آسمان پر رہتے ہوئے اب تک صرف دو دن ہوئے۔ تو اگر نزول عیسیٰؑ تک بیس ہزار سال بھی اور گزر جائیں تو وہاں بیس دن گزریں گے۔

اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان سے تشریف لائیں گے تو وہی نوجوانی ہوگی، وہی چہرہ مبارک ہوگا، وہی عمر ہوگی۔ زمین پر آ کر پھر بسیں گے، شادی کریں گے، وصال ہوگا اور فرمایا: میرے ساتھ روضۂ مبارک میں دفن ہوں گے۔ اللہ کی شان ہے، چودہ صدیوں میں کتنے اکابر صحابہ گزرے، خلیفہ ثالث امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ جن کے گھر حضور ﷺ کی یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں

تھیں، ذوالنورین، دونوروں والا، مدینہ منورہ میں شہید ہوئے۔ حسنین کریمین بھی دنیا سے گزرے، اہل بیت بھی دنیا سے گزرے، ائمہ کرام گزرے لیکن روضہ اطہر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ابو بکر صدیق اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی قبور موجود ہیں اور چوتھی قبر کی جگہ ابھی خالی ہے۔ کسی چوتھی ہستی کو روضۂ اطہر ﷺ میں جگہ نصیب نہیں ہوئی۔ ارشادِ نبوی ﷺ موجود ہے کہ میرے اور عیسیٰؑ کے درمیان ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اٹھیں گے، ایک طرف میں ہوں گا دوسری طرف عیسیٰ علیہ السلام۔ اسی طرح قبر کی جگہ موجود ہے۔

قادیانیوں نے تو سارے دین کو مذاق بنا دیا۔ ایک شخص جو کل تک دفتر میں کلرکی کرتا تھا آج اٹھ کر کھڑا ہو کر کہہ دے کہ میں آسمانوں سے ''عیسیٰ'' بن کر آ گیا ہوں! یہ تو یہود کی، عیسائیوں کی اور اہل مغرب کی مسلمانوں کو خراب کرنے کے لئے ایک سازش تھی، اس کی تو کوئی بنیاد نہیں۔ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ اب اِهْبِطُوْا سے یہ مطلب لینا کہ خفا ہو کر نکال دیا گیا، یہ درست نہیں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں نادانستہ گستاخی:

غالب کے اس شعر کو اکثر لوگ بلا سوچے سمجھے استعمال کرنے لگتے ہیں جو عصمت انبیاء کے خلاف ہے۔

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

ان کے نزدیک شاید یہ بے آبرو ہو کر نکلنا تھا، لیکن ایسی بات نہیں ہے۔ بنی اسرائیل نے جب کہا ہم من وسلویٰ کھاتے کھاتے تھک گئے ہیں، ہمیں کوئی دال، پیاز، تھوم، وغیرہ ملے تو فرمایا: اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ کسی شہر میں اترو۔ وہاں یہ چیزیں تمہیں مل جائیں گی۔ پہلے تو جنگل میں تھے، حکم ہوا اِهْبِطُوْا مِصْرًا کسی شہر میں اترو۔ وہاں یہ چیزیں مل جائیں گی۔ اب اِهْبِطُوْا سے یہ مراد لینا کہ کسی کو رسوا کر کے نکال دیا گیا، صریحاً غلط ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی کو کہا جائے کہ آپ یہاں کہاں پانی ڈھونڈتے ہیں، یہاں تو مشکل ہے، اس گاؤں میں چلے جاؤ، وہاں پانی مل جائے گا۔ اب اس میں ایسی کون سی توہین آمیز بات آ گئی۔ قرآن نے خود استعمال فرمایا ہے اِهْبِطُوْا مِصْرًا کسی شہر میں اترو۔ لہٰذا یہ تصور کہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو بڑا رسوا کر کے نکالا گیا، سراسر ظلم، زیادتی اور جہالت ہے۔ ہاں یہ فرمایا گیا کہ اب یہاں آپ کا قیام مکمل ہوا۔ یہاں آپ کو یہی دیکھنا تھا کیسے رہنا ہے؟ کیسے کھانا پینا ہے اور کس طرح شیطان سے بچنا ہے؟ یہ دھوکے کس طرح دے گا؟ یہ سارا تجربہ مکمل ہوا، اب آپ زمین پر تشریف لے جائیں جو آپ علیہ السلام کے رہنے کی جگہ ہے

اور وہاں نیابتِ الٰہی کا حق ادا کریں۔ میرے احکام کو نافذ کریں۔ اس کے بعد پھر آپ کو میرے پاس ہی آنا ہے۔ ہاں، میں آپ کو محروم نہیں رکھوں گا، میری طرف سے آپ کے پاس مسلسل ہدایات آتی رہیں گی۔

فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ جس نے میری بات مانی، میری ہدایات کی پیروی کی، میرے احکام کے مطابق چلا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴿۳۸﴾ اسے واپس آنے میں کوئی خوف نہ ہوگا۔ خوف ہوتا ہے آنے والے حادثے کا ڈر، حزن ہوتا ہے جو بیت چکا اس کا دکھ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○ انہیں جنت سے زمین پر آنے کا بھی دکھ نہیں ہوگا۔ یہ بھی بھول جاؤ گے، اس لئے کہ واپس اعلیٰ ترین جنت میں پہنچ جاؤ گے۔ جو میری ہدایات پر عمل کرے گا اسے نہ کسی گزرے واقعے کا دکھ ہوگا نہ آئندہ کے بارے میں کوئی خوف۔ وہ بے خوف وخطر میری بارگاہ میں پہنچے گا اور نہایت عزت و احترام سے جنت میں رہے گا جہاں اسے میرا دیدار بھی نصیب ہو گا' اور بہت سی دیگر نعمتیں بھی ملیں گی۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور جس نے انکار کر دیا کہ میں نہیں مانتا۔ یہ ''میں نہیں مانتا'' ایسی بلا ہے کہ تکذیب تک لے جاتی ہے۔ انکار یہ ہے کہ بات تو درست ہے لیکن میں نہیں مانتا جبکہ تکذیب یہ ہے کہ یہ بات ہی غلط ہے، یہ بات ہی جھوٹی ہے۔ فرمایا کفر تکذیب تک لے جاتا ہے۔ جس نے کفر کیا اور بڑھتے بڑھتے کہہ دیا کہ نہ کوئی اللہ ہے، نہ کوئی اللہ کا حکم ہے، نہ کوئی کتاب ہے، نہ رسول ہے اور نہ آخرت، میں نہیں مانتا۔ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴿۳۹﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں پھر دوزخ کی آگ میں رہنا ہوگا اور ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ انسانی زندگی کبھی ختم نہیں ہوگی، انسان کی روح عالم امر سے ہے اور عالم امر میں فنا نہیں ہے، اسے ہمیشہ رہنا ہے۔ اللہ کرے کہ ہمارا قیام یہاں بھی اللہ کے حکم کے مطابق ہو، بخیر و عافیت واپس جائیں اور بخیر و خوبی اپنے گھر پہنچیں جو جنت ہے۔

سورۃ البقرہ رکوع 5 آیات 40 تا 46

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ
اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٤٠﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا
مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَاِيَّايَ
فَاتَّقُوْنِ ﴿٤١﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿٤٣﴾
اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى
الْخٰشِعِيْنَ ﴿٤٥﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿٤٦﴾

اے اولاد یعقوبؑ! جو احسانات میں نے تم پر کیے وہ یاد کرو اور جو وعدہ تم نے مجھ سے کیا وہ پورا کرو میں نے جو وعدہ تم سے کیا ہے وہ پورا کروں گا اور صرف مجھ سے ہی ڈرا کرو ﴿۴۰﴾ اور جو میں نے نازل فرمایا ہے اس پر ایمان لاؤ کہ وہ جو تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق کرتا ہے اور اس کا انکار کرنے والوں میں پہلے نہ بنو اور میری آیات کو گھٹیا قیمت (دنیا) کے بدلے مت بیچو اور صرف میرا تقویٰ اختیار کرو ﴿۴۱﴾ اور حق کو جھوٹ سے آمیز نہ کرو اور حق کو مت چھپاؤ اور یہ تم جانتے ہو ﴿۴۲﴾ اور نماز (صلوٰۃ) قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ﴿۴۳﴾ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے

ہو؟ حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو پھر تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔﴿۴۴﴾اور صبر اور صلوٰۃ سے مدد حاصل کرو اور بے شک یہ دشوار ہے مگر جن کے دلوں میں خشوع ہے ان کے لئے نہیں﴿۴۵﴾وہ، وہ لوگ ہیں جو جانتے ہیں کہ انہیں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے اور انہیں اسی کی طرف واپس جانا ہے۔﴿۴۶﴾

خلاصۂ تفسیر و معارف

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے اور عبرانی میں اس کا معنٰی بنتا ہے عبداللہ، تو بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ حضور اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ میں تھے اور آپ ﷺ نے اعلانِ نبوت فرمایا تو مشرکین مکہ کے پاس نہ علم تھا اور نہ دلائل ہوتے۔ وہ محض مخالفت برائے مخالفت کیا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہود کے کئی قبائل اور قلعے بھی تھے مکہ کے سردار مشرکین اپنے لوگوں کو یہود کے علماء کے پاس بھیجتے تاکہ ان سے کوئی سوال، کوئی اعتراض پوچھ کر آئیں۔ یہ علمی قسم کے اعتراضات اور سوالات انہیں بتاتے اور وہ جا کر حضور نبی کریم ﷺ پر پیش کرتے روح کے متعلق سوال بھی علمائے یہود نے مدینہ منورہ سے بتا کر بھیجا وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ اس کا جواب آیا قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔ (بنی اسرائیل :85)

اعتراض نری جہالت ہے:

سورۃ البقرہ بلحاظ نزول مدنی سورۃ ہے علمائے یہود کے اعتراضات کا یہ سلسلہ ہجرت سے قبل اہل مکہ کے ذریعہ شروع ہو چکا تھا لیکن جب حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو ان کے اور زیادہ اعتراضات شروع ہو گئے۔ عجیب بات ہے کہ سوال کا تعلق بھی جہالت سے ہوتا ہے کہ آدمی نہیں جانتا تو سوال کرتا ہے لیکن اعتراض تو نری جہالت ہوتا ہے اور جہالت تو ہر جاہل کی سمجھ میں بھی آ جاتی ہے۔ یعنی آپ کسی پر کوئی اعتراض کر دیں، اس کی کوئی تک بنتی ہے یا نہیں، ہر بندہ اس اعتراض کو اٹھائے پھرے گا۔ اعتراض کا جواب تو ہوتا ہے از قسم علم لیکن اس کو سمجھنے کے لئے ایک شعور اور ایک استعداد چاہئے۔

علمائے یہود اس لئے بھی اعتراض کرتے تھے کہ ان سے دوسرے عام لوگ متاثر ہوں۔ اللہ کریم نے انہیں یاد دلایا کہ اے اولادِ یعقوب علیہ السلام! میری نعمتیں یاد کرو جو میں نے تم پر کیں یعنی حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام تک جتنے نبی آئے وہ سارے انہی کی اولاد میں سے تھے، بنی اسرائیل

میں سے تھے۔ اللہ کا ایک یہی احسان بہت بڑا تھا، پھر انہیں مختلف مشکلات سے نکالا مختلف حالات سے گزارہ اور مختلف طرح سے اللہ کی تائید ان کے ساتھ رہی۔ بے شمار احسانات تھے جو اللہ نے یاد کرائے جن میں سے بہت بڑا احسان یہ تھا کہ اتنا عرصہ نبوت ان میں رہی۔ فرمایا: اے اولادِ یعقوب علیہ السلام میری نعمتیں یاد تو کرو، سوچو تو سہی میں نے تم پر کتنے انعام کیے ہیں۔

کتب سابقہ میں بعثت نبوی ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا ذکر:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ میرے ساتھ کیا گیا وعدہ پورا کرو۔ چونکہ ان کی کتابوں میں، تورات ہو یا انجیل، پہلی ساری کتابوں میں بھی تو حضور نبی کریم ﷺ کا ذکر تھا اور نہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر تھا بلکہ آپ ﷺ کے خدام کا، آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ذکر تھا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب بیت المقدس کا محاصرہ کیا گیا تو وہ عیسائی بھی اسرائیل ہی کے علماء تھے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ مسلمان اپنے امیر کو یہاں بلائیں، ہم دیکھیں گے تو ہمیں سمجھ آ جائے گی۔ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے گئے تو انہوں نے صرف دور سے دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ پہلی کتابوں میں ان کا ذکر موجود ہے اور یہ نبی کریم ﷺ کے وہ صحابی، خادم اور وہ خلیفہ ہیں جن کے ہاتھوں بیت المقدس فتح ہوگا۔ یہ پہلی کتابوں میں موجود ہے لہٰذا ہم بغیر لڑائی کے بیت المقدس ان کے سپرد کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اتنی باریکی تک ان کے علماء بھی جانتے تھے۔ اگر وہ اپنی کتابوں پر ایمان لاتے تو جو کچھ ان کتابوں میں درج ہے اس پر ایمان تو آ گیا، اللہ سے وعدہ تو ہو گیا۔ پہلے انبیاء علیہم السلام نے خبر دی کہ آخر میں محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوں گے، آخری نبیؐ ہوں گے، ان پر نہ صرف ایمان لانا بلکہ ان کی پوری پوری نصرت اور خدمت کرنی ہے اور جان و مال سے پورا تعاون کرنا ہے، تو اس کو یہ مانتے تھے بلکہ بعثت نبوی ﷺ سے پہلے جب یہود کی کفار کے ساتھ ٹکر آتی تو حضور نبی کریم ﷺ کا وسیلہ دے کر دعائیں مانگتے کہ اللہ ہمیں فتح دے۔ جب تک آپ ﷺ مبعوث نہیں ہوئے تب تک تو تم میرے ساتھ وعدے کرتے رہے اور یہ کہتے رہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ پر ہمارا ایمان ہے لیکن آپ ﷺ جب مبعوث ہوئے تو تم انکار کر بیٹھے لہٰذا وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ میرے ساتھ کیے گئے وعدے کو تم بھی وفا کرو۔

خوفِ الٰہی توفیقِ عمل وقبولیت کا ذریعہ ہے:

اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝ تم میرے ساتھ کیے گئے وعدے کو وفا کرو۔ میں نے جو تمہارے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ تم پر مزید انعامات کروں گا، تمہاری بخشش ہوگی، تمہاری نجات ہوگی، تمہیں

قربِ الٰہی کے درجات ملیں گے، تمہاری دنیا و آخرت سنور جائے گی، تمہارے ساتھ کیا گیا یہ وعدہ پورا کروں گا۔ فرمایا: صرف مجھ سے ڈرو! بعض لوگ دنیوی نقصان سے ڈر کر کفر سے چمٹے رہتے ہیں، کہیں دولت کے لالچ میں چمٹے رہتے ہیں، کبھی کسی طاقت ور کی طاقت سے خوف زدہ ہو کر باطل سے چمٹے رہتے ہیں تو فرمایا، تم ان افراد سے ان دنیوی مفادات کی خاطر ڈرنا چھوڑ دو اور صرف میری ذات سے ڈرو۔ اس بات سے ڈرو کہ ہم سے اللہ کریم خفا نہ ہو جائے، اللہ کے ساتھ ہمارا رشتہ ٹوٹ نہ جائے۔ اگر تم صرف اللہ سے ڈرو گے تو پھر حق قبول کرنے کی توفیق بھی ہوگی اور حق کو حق سمجھو گے بھی، مانو گے بھی، توفیق عمل بھی ہوگی۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ اُس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کی ہے اور وہ ایسی کتاب ہے کہ جو تمہاری کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے ذات باری کے متعلق، صفات باری کے متعلق، آخرت کے متعلق، ملائکہ کے متعلق، حساب کتاب کے متعلق، عذاب ثواب کے متعلق جتنی اخبار ہیں، وہ تو ساری وہی ہیں جو تمام انبیاءؑ نے دیں اور تمہاری کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ پھر یہ کتاب تمہارے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرتی ہے، موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرتی ہے، عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرتی ہے۔ دوسرے بہت سے انبیاء کی نام لے کر تصدیق کرتی ہے اور غائبانہ تمام انبیاءؑ کو نبیؑ ماننے کا حکم دیتی ہے۔ تمہاری کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔

نیکی اور برائی میں پہل کرنا:

وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ اور اس کے ساتھ پہلے پہلے کافروں میں شامل مت ہو جاؤ۔ کافر تو کافر ہوتا ہے، اگر کسی نے پہلے انکار کر دیا تو کافر ہے اور کسی نے بعد میں انکار کر دیا تو بھی کافر ہے لیکن فرق یہ ہے کہ کوئی شخص جو پہلے بُرائی کرتا ہے اور اسے دیکھ کر یا اس کی پیروی میں جو لوگ برائی کرتے ہیں، ان سب کا وبال الگ الگ ہوتا ہے لیکن ان سب کا وبال اس کی گردن پر بھی ہوتا ہے جو برائی میں پہل کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص ایک برائی پھیلاتا ہے تو جب تک وہ برائی دنیا میں رہے گی اور لوگ اس پر عمل کرتے رہیں گے، ان سب کو تو اپنا اپنا عذاب ہوگا لیکن اس پھیلانے والے یا پہلے شخص کو ان سب لوگوں کا مجموعی عذاب بھی ملے گا جو اس کی بات سن کر یا اسے دیکھ کر یا اس کی پیروی کر کے اس برائی پہ عمل کریں گے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کوئی نیک کام کرتا ہے اور اسے دیکھ کر بہت سے لوگ وہ نیک کام کرتے ہیں تو جتنا ثواب ان سب کو ملتا ہے، وہ سارا ثواب اس کو بھی ملے گا، اس کا اپنا ثواب الگ ہوگا۔ اس لیئے ارشاد فرمایا: کہ تم جانتے ہو، تمہارے پاس تمہاری اپنی کتابوں میں بھی یہ خبر موجود ہے تو تمہیں تو

بعثتِ رحمت عالم ﷺ کی سب سے پہلے تصدیق کرنی چاہئے تھی لیکن تم نہ صرف خود انکار کر بیٹھے ہو بلکہ دوسروں کے لئے بھی کفر کا سبب بن گئے۔ اب جتنے لوگ بھی تمہاری پیروی میں کفر اختیار کریں گے اس سب کا وبال بھی تم پر آئے گا۔

مسائل السلوک میں فرماتے ہیں کہ صوفیاء یا مقتداء علماء ہوں یا پیر صاحبان ہوں، ان کو بہت احتیاط کرنی چاہئے کیونکہ ان کی غلطیوں کو دیکھ کر وہ لوگ بھی غلط کام شروع کر دیں گے جو ان کے ساتھ عقیدت رکھتے ہیں۔ اس طرح ان کی غلطیوں کا وبال بھی ان پر آئے گا۔ تو جتنے لوگ مقتدا یا پیشوا ہوتے ہیں یا لوگ جن کی بات سنتے اور مانتے ہیں ان کو چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی احتیاط کرنی چاہئے تاکہ لوگوں کی بھلائی کا سبب بنیں، گمراہی کا سبب نہ بنیں۔

قرانی آیات کی غلط تاویل کلام الٰہی کو بیچنا ہے:

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا: اور میرے احکام کو معمولی دولت کے بدلے مت بیچو۔ احکامِ الٰہی کو بیچنا یہ ہوتا ہے کہ دنیوی منافع کے لئے، دولت کے حصول کے لئے یا عہدے کے حصول کے لئے آپ آیات کی غلط تاویل کریں۔ جہاں سے نفع ملنے کی امید ہے، ان کی پسند کے مطابق تعبیر کریں اور اس کے بدلے تھوڑا سا معاوضہ لے لیں۔ اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ تھوڑے پیسوں میں نہ بیچو، زیادہ میں بیچ لو بلکہ دنیا کو کہا ہی قلیل گیا ہے۔ اگر دنیا کی ساری نعمتیں اور ساری دولت بھی کسی کو دے دی جائے تو وہ بھی **ثَمَنًا قَلِيْلًا** ہے یعنی وہ بھی تھوڑی قیمت ہے۔

نبی کریم ﷺ کے ایک ارشاد کا مفہوم ہے کہ دنیا کی قیمت اگر اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو چلو بھر پانی بھی نہ دیتا یعنی دنیا کی اللہ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں۔ اگر دنیا اتنی معزز ہوتی تو نبی کریم ﷺ کے در پہ نظر آتی، اللہ کے بندوں کے در پہ نظر آتی لیکن دنیا کی حیثیت اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر سے بھی کم ہے۔ کوئی فقیہ جو یہ سمجھتا ہے کہ فلاں بندے نے غلط کیا لیکن اس مسئلے کی غلط تعبیر کر کے فتویٰ دے دیتا ہے تاکہ یہ بندہ راضی رہے یا میری خدمت کرے یا مجھے پیسے دے تو وہ بھی اس میں آ گیا۔ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے قران کے ترجمے کی غلط تعبیریں کرنا جبکہ مقصد حصولِ دنیا ہو، دین کو بگاڑنے کی سعی، وہ بھی اس میں شامل ہے، جیسے کئی مردود کر چکے ہیں۔ سلمان رشدی ہے، تسلیمہ نسرین ہے جس نے اب امریکہ میں ایک نیا کام شروع کیا ہوا ہے۔

عورت کی امامت:

اس نے کچھ عورتیں تیار کی ہیں جو نماز میں مردوں کی امامت کرتی ہیں۔ پندرہ سو سال میں تو فقہا اس بات کو سمجھ نہ سکے لیکن اب انہوں نے امریکہ میں بیٹھ کر سمجھ لیا کہ عورت کو جمعہ پڑھانا چاہئے۔ یہ محض دنیوی مفاد کی خاطر دینی احکام کو بدلنے کی کوشش ہے۔ آج بھی علمائے حق تو اعلان کر رہے ہیں کہ عورت نماز کی امامت نہیں کر سکتی لیکن یہ مصیبت اب ہمارے ملک پاکستان میں بھی شروع ہے۔ جمعہ نہیں پڑھاتیں لیکن تراویح یا نماز تسبیح کی امامت کر لیں گی۔ اب کسی نے جمعہ پڑھا لیا یا نماز تسبیح پڑھا لی یا کسی وقت کی نماز یا تراویح پڑھا لی تو بات تو ایک ہی ہے کہ عورت نے امامت کر لی جس کا کوئی شرعی جواز نہیں ہے۔ تعبیریں گھڑنے کے لئے لوگ بڑے حیلے کرتے ہیں کہ ہم نے عورت آگے جائے نماز پہ کھڑی نہیں کی، صف میں کھڑی کی ہے۔ صف میں کھڑی ہے یا پیچھے کھڑی ہے، امام تو وہی ہے۔ آپ نے اگر صف میں کھڑی کی ہے تو آپ نے دو غلطیاں کیں، ایک عورت سے امامت کرائی، ایک امام کو صف میں کھڑا کر دیا۔ کل کہیں گے کہ وہ تو صف کے پیچھے کھڑی ہو کر امامت کر رہی تھی تو اس کا مطلب ہے کہ ایک غلطی اور بڑھ جائے گی۔ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ عورت امامت نہیں کر سکتی۔ عورت اذان نہیں کہہ سکتی، امامت کیا خاک کرے گی' مسئلہ تو وہیں رہا۔ محض دنیوی شہرت یا اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرنے کے لئے دین کو بدل دینا، اس سے قرآن کریم سختی سے منع فرما رہا ہے۔

قرآن یا نماز پڑھانے پر اجرت کے مسائل:

اس پہ معارف القران میں مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بحث فرمائی ہے کہ قرآن کریم کا پڑھانا یا نماز کا پڑھانا، اس پر استاد یا امام جو اُجرت لیتا ہے، کیا اس پر دین کو بیچنے کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟ ابتداءً تو اس پر کوئی اُجرت نہیں تھی، نہ عہد صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں، نہ بعد میں، لیکن حالات نے یہ صورت پیدا کر دی کہ ایک آدمی اگر حصولِ روزگار کے لئے دن بھر بازار میں پھرے گا یا کھیتی باڑی کرے گا تو وہ کب قرآن کریم پڑھائے گا، کب دین پڑھائے گا اور اگر اپنا کام نہیں کرے گا تو روزی کہاں سے لے گا۔ اس عذر کی بناء پر علماء نے یہ جواز دیا کہ جو قرآن پڑھاتا ہے، اس کا وقت خرچ ہوتا ہے اور وہ روزگار کے لئے نہیں جا سکتا۔ لہٰذا اس کے لئے جائز ہے کہ وہ تنخواہ لے۔ اسی طرح کسی مسجد میں جو امام مقرر ہوتا ہے، وہ پابند ہے کہ پانچوں وقت نمازیں اس مسجد میں آ کر پڑھے۔ اب اس کا بزنس کہاں ہے، روزگار کسی دوسری جگہ ہے، اب روزگار کرے یا پانچ دفعہ مسجد میں آئے! تو اس کا جو وقت لیا جاتا ہے اور جو پابند کیا

جاتا ہے، اس کے وقت کی اُجرت دی جائے، اسے معقول گزارے کے لئے تنخواہ دی جائے۔

لیکن ایک بات یاد رہے! ہم قرآن کریم کئی طرح سے پڑھواتے بھی ہیں، مثلاً ایک مکان بنایا تو برکت کے لئے قرآن کا ختم کردو۔ اب جو برکت کے لئے پڑھواتا ہے، وہ خواہ اُجرت دے یا کھانا دے یا جو بھی دے، وہ جائز ہے۔ پڑھنے والا کہتا ہے، تمہیں برکت چاہئے تو میں پڑھ دوں گا مجھے سو روپیہ دو، یہ جائز ہے، اس کا وقت لگے گا۔ اگر بیمار کے علاج کے لئے آپ پڑھواتے ہیں کہ بیمار ٹھیک ہوجائے، قرآن پڑھ دو تو اُجرت لینا جائز ہے۔ وہاں مقصد علاج ہے یہاں مقصد مکان میں یا گاڑی میں برکت ہے۔ اب لوگ ٹرک خریدتے ہیں تو کہتے ہیں قرآن ختم کردو۔ برکت کے لئے اُجرت لینا جائز ہے لیکن جہاں صرف تلاوت قرآن کا ثواب چاہئے، وہاں اُجرت آج بھی حرام ہے۔ مثلاً ہم کسی مرنے والے کے لئے ختم پڑھواتے ہیں کہ اس کو ایصالِ ثواب ہو تو پڑھنے والوں کو کھانا دیں، یہ حرام ہے، پیسے دیں حرام ہے۔ فقہ کی چوٹی کی کتابوں میں یہ مسئلہ موجود ہے اور مفتی صاحب نے معارف القرآن میں بھی درج کردیا ہے، وہاں قرآن کریم کے ثواب کی ضرورت ہے۔ ثواب تب ہی ہوگا جب پڑھنے والا اللہ کی رضا کے لئے پڑھے گا اور پڑھانے والا اللہ کی رضا کے لئے پڑھوائے گا۔ تو جب ہم ختم قرآن میت کے لئے کرواتے ہیں تو کھانا دینا بھی جائز نہیں ہے اور جو اُجرت کے لئے پڑھتا ہے اس سے نہ پڑھوایا جائے۔ جب پڑھنے والے کو ثواب کی بجائے گناہ ملا تو میت کو کیا ملے گا۔ رسم دنیا ہے، قرآن کریم اسے حرام فرمارہا ہے کہ معمولی اُجرت کے لئے میری کتاب کو مت بیچو، یہ بیچنے کی چیز نہیں ہے۔

وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ اس بات کا احساس رکھو کہ یہ بات کس کی ہے، یہ حکم کس کا ہے اور اسے کس طرح ضائع کرنا چاہتے ہو۔ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ حق کو اور باطل کو خلط ملط مت کرو۔ غلط تعبیریں گھڑ کے حق میں باطل نہ ملاؤ۔ قرآن کریم سارا حق ہے، اب اس کی غلط تاویلیں گھڑ کے باطل کو اس میں داخل نہ کرو۔ ایسا نہ کرو کہ حق کو چھپالو اور اس کی جگہ باطل کو آگے لے آؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔ علماء تو جانتے ہیں کہ حق کیا ہے اور اس آیت کا مفہوم کیا ہے اور یہود کے علماء بھی جانتے تھے۔ جب تم جانتے ہو کہ حق کیا ہے تو محض اپنی انا کے لئے یا اپنے آپ کو صحیح ظاہر کرنے کے لئے ایسا نہ کرو کہ باطل کو حق ظاہر کرو اور حق کو باطل اور خلط ملط کردو، لوگوں کو گمراہ کردو ایسا نہ کرو بلکہ: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اللہ کی عبادت کو اختیار کرو۔ حق پر قائم رہنے کی توفیق تب ہوگی جب تم عبادتِ الٰہی پر قائم رہو گے۔ اللہ کی عبادت تمہیں یہ شعور بھی دے گی، احساس بھی دے گی، توفیق بھی دے گی کہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی نہ

کی جائے۔ اقامتِ صلوٰۃ سے مراد ہے کہ نماز کو اس کے پورے ضابطوں، پورے قواعد اور صحیح وقت پر باجماعت ادا کیا جائے۔ مرد بغیر عذرِ شرعی جماعت ترک نہ کریں۔ عورتوں کے لئے پابندی نہیں ہے، عورتیں گھر میں نماز ادا کریں۔ مرد کے لئے پابندی ہے کہ جہاں تک اذان کی آواز جاتی ہے وہاں تک جو لوگ ہیں، انہیں مسجد میں صحیح وقت پر باجماعت نماز ادا کرنی چاہئے۔ نہ صرف اس کا ثواب بہت زیادہ ہے بلکہ یہ اقامت صلوٰۃ کا ایک اہم رکن ہے۔ پھر اس کی باقی شرائط کا اہتمام کیا جائے کہ لباس درست ہو، وضو صحیح کیا جائے، وقت پر پڑھی جائے، رکوع اور سجود اور قیام اپنے اپنے موقع پر ٹھیک کیا جائے۔

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اور اللہ نے فرض صدقات مال میں سے جو حصہ مقرر کیا ہے، وہ باقاعدگی سے دو تاکہ یہ احساس رہے کہ میرے پاس یہ مال امانت ہے، یہ میرا نہیں ہے۔ مال اللہ کا ہے، میرے ساتھ وہ یہ کرم کر رہا ہے کہ سو میں سے ساڑھے ستانوے روپے تم کھالو اور اڑھائی روپے میرے نام پر زکوٰۃ دو تاکہ مال اور دولت کی محبت تمہارے دلوں میں دھنس نہ جائے۔ تمہیں یاد رہے کہ یہ مال مالک کا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا یہاں جو بنکوں میں ملازم ہیں، ان کے پاس کروڑوں روپے ہوتے ہیں لیکن وہ اس پہ کبھی اتراتے نہیں، کبھی گھمنڈ نہیں کرتے۔ انہیں پتہ ہوتا ہے کہ ہم تو ایک تنخواہ دار ملازم ہیں، پانچ سات دس بیس ہزار ہماری تنخواہ ہے اور یہ جو اربوں کھربوں ہم جمع کر رہے ہیں، یہ ہمارے نہیں، یہ بینک کے ہیں۔ یہی احساس زکوٰۃ اور صدقات بھی دلاتے ہیں کہ یہ مال میرا نہیں۔ مال تو اس کا ہے اور جو وہ کہتا ہے کہ میرے نام پہ مستحقین کو دو، وہ مجھے دینا ہے۔ جو میرے لئے اس نے حلال کیا ہے، مجھے وہی لینا ہے کہ یہ مال اسی کا ہے۔

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴿۴۳﴾ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ بنی اسرائیل کے ہاں نمازوں میں سجدے تو تھے، رکوع نہیں تھے اس لئے رکوع کی تخصیص فرمائی ورنہ سجدہ بھی نماز کا حصہ ہے، قیام بھی نماز کا حصہ ہے۔ یہ امت محمد یہ پر اللہ کا احسان ہے کہ اسے قیام کے بعد رکوع اور رکوع کے بعد سجود کا شرف بخشا، اس لئے یہاں رکوع کی تخصیص فرمائی۔ ان لوگوں کے ساتھ جو آقائے نامدار ﷺ پر ایمان لائے ہیں، جو عبادت وہ کرتے ہیں ویسا ہی ایمان تم بھی لاؤ اور ویسی ہی تم بھی عبادت کرو۔ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴿۴۳﴾

قول و فعل کا تضاد:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ لوگوں کو نیکی کا حکم

دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو! لوگوں کو کہتے ہو اللہ کی عبادت کرو، خدا سے ڈرو لیکن جب اپنا معاملہ آتا ہے تو عبادت بھی چھوڑ دیتے ہو اور اللہ کا حیا بھی نہیں کرتے، اللہ سے ڈرتے بھی نہیں! گناہ کر لیتے ہو، جھوٹ بول لیتے ہو برائی کرتے ہو! وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو، تمہیں اس کتاب کی سمجھ بھی ہے! اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝ کیا تم میں اتنی عقل بھی نہیں ہے!

بنیادی طور پر یہ خطاب بنی اسرائیل سے تھا۔ یہود کے علماء اپنی کتاب کے مطابق اعتراضات تلاش کیا کرتے تھے۔ مکہ مکرمہ سے بھی مشرکین مدینہ منورہ آ کر یہود سے سوالات پوچھ کر جاتے اور نبی کریم ﷺ پر پیش کرتے۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ آ کر بھی علماء یہود کے اسی رویہ سے سابقہ پیش آیا تو ارشاد فرمایا: کہ جب لوگوں سے بات کرتے ہو تو نیکی کی، بھلائی کی، اچھائی کی بات کرتے ہو اور جب اپنے عمل کی باری آتی ہے تو خود ایمان تک نہیں لا رہے ہو حالانکہ تم اپنی کتاب میں یہ بات واضح طور پر پڑھتے ہو۔ پہلی کتابوں میں حضور اکرم ﷺ کی بعثت کی خبر ہی نہیں دی گئی بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ جب آپ ﷺ مبعوث ہوں گے تو آپ ﷺ پر ایمان لائیں آپ ﷺ کی مدد کریں، آپ ﷺ سے تعاون کریں، آپ ﷺ کا اتباع کریں اور یہ باتیں تم اپنی کتاب میں پڑھتے بھی ہو، پھر تمہاری عقل کو کیا ہو گیا ہے۔

عمومی طور پر اس آیہ کریمہ کے حکم میں ہم سب آ جاتے ہیں۔ آج ہم کہتے ہیں کہ بہت زیادہ برائی ہے تو اس کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ ہر بندہ دوسرے کو نصیحت کرتا ہے، خود عمل نہیں کرتا۔ آپ عمومی سطح پر اگر دیکھیں گے تو ہر بندہ اپنے کردار کی فکر سے آزاد ہو کر، جہاں اس کی پہنچ نہیں ہے، وہاں کے مشورے بھی دے رہا ہو گا۔ گاؤں میں ایک شخص جمعہ پڑھا رہا ہے تو تنقید حکمران پر کر رہا ہو گا حالانکہ اس کی بات نہ وہاں پہنچے گی نہ اس کا کوئی اثر ہے لیکن جب اپنی باری آئے گی تو خود عمل نہیں کرے گا۔ ایسا عجیب عالم ہے کہ آپ کسی مسئلے کو مختلف لوگوں کے پاس لکھ کر بھیج دیں تو سب کے الگ الگ جواب آئیں گے۔ پھر آج فتوے خریدے اور بیچے جا رہے ہیں تو یہ ساری باتیں اسی وعید کی زد میں آتی ہیں۔ اگر حق پر رہنا مشکل لگتا ہے، یا حق کو قبول کرنا مشکل لگتا ہے، یا حق پر استقامت اور عمل کرنا مشکل لگتا ہے تو اس کا نسخہ بھی ارشاد فرما دیا:

صبر کا مفہوم:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ دو چیزیں ایسی ہیں جو حق پر رہنے کی توفیق ارزاں کرتی ہیں، استقامت عطا کرتی ہیں، ہمت دیتی ہیں، حوصلہ دیتی ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ صبر سے مدد لو۔ صبر کا معنی عربی لغت میں ہوتا ہے کسی چیز کو روک لینا جیسے گھوڑے کی باگ کھینچ کر روک لیا جاتا ہے، کسی چیز کو روک لینا اور قرآن

حکیم میں اس کا مفہوم ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی سے روک لیا جائے۔ یہ استقامت حاصل کرنے کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے۔ ہمارے ہاں عرف عام میں تو یہ ہوتا ہے کہ کسی پر کوئی مصیبت آجائے اور وہ شور شرابا نہ کرے تو کہتے ہیں اس نے صبر کیا لیکن شور شرابا نہ کرنے سے مراد بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی رضا پہ راضی ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ اللہ کا کام ہے اور جو اللہ نے کیا وہی درست ہے۔ صبر کے لئے ایک بنیادی بات آدمی سمجھ لے کہ یہ کائنات اللہ کریم کی ہے، اس دنیا کے بننے سے پہلے اس نے اس کے سارے اقدامات ترتیب دے دیئے ہیں، ہر چیز کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ مخلوق بعد میں آئی اور فیصلے پہلے طے ہو چکے۔ ہر ذرہ، ہر قطرہ، ہوا کا ہر جھونکا، ہر پتہ، ہر ڈالی، ہر شاخ ان فیصلوں کی پابند ہے اور اس کے مطابق ہر چیز علی الترتیب ظہور پذیر ہو رہی ہے۔ اگر آج کوئی شخص، جو چند روز کے لئے دنیا میں آیا ہے، وہ نہیں تھا تو دنیا قائم تھی اور وہ نہیں رہے گا تو دنیا کا نظام چل ،، ا ہوگا۔ یہ تھوڑے سے عرصے کے لئے جب ہم دنیا میں آتے ہیں تو ہم اپنا یہ حق کہاں سے تلاش کر لیتے ہیں کہ آج دنیا میں جو ہو رہا ہے اس میں میرے مشورے کی ضرورت ہے، یا میری رائے کے مطابق ہونا چاہئے۔ اگر یہ بات سمجھ میں آجائے کہ انسان کے اختیار میں صرف ایک بات ہے کہ وہ اللہ کی عظمت کو قبول کرے، ایمان لائے۔ اگر قبول کرتا ہے تو پھر اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت، اس کی کتاب کی اطاعت، اللہ کی اطاعت اس پر فرض ہو گئی۔ پھر اس کے پاس نافرمانی کی گنجائش نہیں ہے سوائے اس کے کہ بتقاضائے بشریت غلطی ہو جائے تو غلطی پر احساسِ ندامت ہو، معافی کا طلبگار ہو۔ توبہ کرے، اپنی اصلاح کرے لیکن زندگی کو بے مہار چھوڑ دینے کی اس کے پاس گنجائش نہیں ہے۔ اگر یہ بات سمجھ آجائے تو اسے صبر آجاتا ہے کہ میں خواہ مخواہ تڑپ رہا ہوں، جو ہو رہا ہے اور جو اللہ کریم کر رہا ہے، وہ بہتر فیصلہ ہے۔ میں اپنے محدود سے، چھوٹے سے علم سے اتنی بڑی کائنات کے فیصلوں کو چیلنج نہیں کر سکتا۔ بعض اوقات ہم پہ کوئی تکلیف آجاتی ہے تو ہم اسکا بڑا اثر لیتے ہیں لیکن ہمیں یہ خبر نہیں ہوتی کہ اللہ کریم نے اسے کتنا چھوٹا کر کے ہم پر بھیجا ہے، اس کی رحمت نے اس کی شدت کتنی گھٹا دی ہوگی۔ ہم پر شاید کوئی بہت بڑی بلا آنے والی تھی جسے اللہ نے ٹال دیا ہوگا۔

قضائے مبرم و قضائے معلق:

قدرت کے فیصلے دو طرح کے ہیں، تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ہے قضائے مبرم، وہ تقدیر جس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی، جس کے حتمی فیصلے ہو چکے اور انہی فیصلوں کو نافذ ہونا ہے، ان میں کوئی کمی بیشی، کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ اسے کہتے ہیں قضائے مبرم، ایسی تقدیر جس میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں۔ دوسری ہوتی ہے قضائے معلق، وہ فیصلے جو معلق رکھے گئے ہیں، ان کا تعلق انسان کے کردار سے ہوتا ہے۔ یہ جو قوموں کی قومیں غرق ہوئیں تو یہ ان کا مقدر تھا کہ وہ ایک ہی دن سب مریں یہ قضائے معلق تھی کہ اگر تمہارے گناہ اس حد سے تجاوز کر گئے تو سب تباہ ہو جاؤ

گے۔ اگر وہ توبہ کر لیتے تو وہ مصیبت ان پر نہ آتی۔ یہ ہوتی ہے قضائے معلق۔ اب ہم ان دو میں فیصلہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے کہ مجھ پر یہ جو بیماری آ گئی ہے، یہ قضائے معلق ہے یا مبرم ہے۔ ہوسکتا ہے یہ قضائے معلق ہو، میری کوئی نیکی میری کوئی آہ وزاری کسی وقت کی دعا اللہ کو پسند آ گئی ہو اور اس کی شدت کم کر دی ہو۔ ہوسکتا ہے میرا گناہ بہت بڑا ہو، میری خطا بہت بڑی ہو اور یہ چھوٹی سی سزا دی گئی ہو۔

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ عالی ہے کہ مومن کی چھوٹی سی تکلیف بھی اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور اس کے طفیل بھی اس کی خطائیں معاف ہوتی ہیں۔ لیکن یہ ساری باتیں اس صبر سے تعلق رکھتی ہیں جسے اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ آدمی تسلیم کرے اور اس بات سے نکل آئے کہ یہ بھی میری ہے، یہ بھی میری ہے، یہ چیز بھی میری ہے، یہاں بھی میں ہوں، وہاں بھی میں ہوں، میں یہ کر دوں گا، میں وہ کر دوں گا۔ اس سے نکل کر دیکھے کہ میں خود ایک بندۂ محتاج ہوں، میں اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتا' جو وہ کرتا ہے وہ درست ہے۔ نظر اس پر رہے کہ میرے ذمے ہے کہ میں اللہ کے ساتھ ایمان پختہ رکھوں۔ کیا میرا ایمان و یقین درست ہے؟ میرا معاملہ میرے پروردگار کے ساتھ درست ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر یہ ہمت بھی نصیب ہو جاتی ہے کہ حالات کا بوجھ نہیں پڑتا۔

صلوٰۃ:

یہ حق پر استقامت کا دوسرا ذریعہ ہے۔ یقین ہو کہ اللہ کریم ہے، مجھے صبر و رضا کا راستہ اختیار کرنا چاہئے، پھر اللہ کی عبادت کو شعار بنا لو۔ عبادت میں صرف فرائض نہیں ہیں۔ فرائض تو وہ عبادات ہیں جو ضروری ہیں، ان سے چھٹکارہ ممکن نہیں، یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ انسان کا سارا عمل یا اللہ کی اطاعت ہوتا ہے یا نافرمانی ہوتا ہے۔ دن بھر ہم جو کام کرتے ہیں، جو بات کرتے ہیں، جو کماتے ہیں، جو خرچ کرتے ہیں، کسی سے ملتے ہیں، کسی سے اچھا کرتے ہیں، کسی سے برائی کرتے ہیں تو یہ سارا اللہ کی اطاعت ہے یا اطاعت کی حدود سے متجاوز ہو کر نافرمانی میں داخل ہے۔ تو جو کچھ اطاعت میں آتا ہے وہ عبادت ہے یعنی حکم یہ دیا جا رہا ہے کہ اپنے کردار کو احکام الٰہی کے مطابق کرنے کی بھرپور کوشش کرو۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ صبر کرو اور صرف نمازیں پڑھو۔ نماز افضل ترین عبادت ہے لیکن ہر وہ عمل جو ہم کرتے ہیں، وہ اطاعت الٰہی کی حد میں ہوگا تو عبادت قرار پائے گا۔ اس لئے فرمایا: صبر کرو، اپنی حیثیت کو سمجھ لو اور اللہ کی عظمت کو دیکھ کر صبر اور شکر اختیار کرو۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے کردار کو عبادت کے سانچے میں ڈھال لو تو مشکلیں حل ہو جائیں گی، کوئی مشکل مشکل نہیں رہے گی، کوئی مشکل مشکل نہیں لگے گی، وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ لیکن یہ کام بڑا مشکل ہے۔ نسخہ مختصر سا ہے، اجزاء دو ہیں اور دونوں ہی اللہ نے انسان کے اپنے دائرۂ اختیار میں رکھے ہیں لیکن فرمایا: اس کے باوجود یہ مشکل ہیں، ان کے لئے ایک اور چیز کی ضرورت ہے۔ صبر بھی مشکل کام ہے اللہ کی اطاعت بھی مشکل کام ہے، یہ

دونوں کام ہیں بہت مشکل سوائے ایسے لوگوں کے اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ ﴿۴۵﴾ ان لوگوں پر کوئی مشکل نہیں، کوئی دشوار نہیں جو لوگ الْخٰشِعِیْنَ ﴿۴۵﴾ ہیں۔جن کے قلوب میں خشوع ہے۔خشوع دل کی ایک کیفیت کا نام ہے۔

تعلیماتِ و برکاتِ نبوی ﷺ:

نبی کریم ﷺ سے ہمیں جو نعمتیں پہنچی ہیں، ایک کو ہم تعلیماتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کہتے ہیں تو دوسرے کو برکاتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات سے اللہ کا کلام ہم تک پہنچا۔ آپ ﷺ کے ارشاد اور آپ ﷺ کی حدیث سے کلام کی تفسیر اور مفاہیم اور معانی ہم تک پہنچے۔ آپ ﷺ کے عمل سے کتاب پر عمل کرنے کا طریقہ ہم تک پہنچا۔ یہ سب تعلیماتِ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ دوسری نعمت کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے: یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (آل عمران: 164) اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے اللہ کا رسول ﷺ۔ وَیُزَكِّیْهِمْ پھر ان کا تزکیہ کرتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے۔ اب یہ پاک ہونا ایک کیفیت ہے باطن کی، قلب کی، ضمیر کی، دل کی، جو نام بھی آپ اسے دیں۔ ان کا درونِ دل پاک ہو جاتا ہے اور تزکیہ کس طرح فرمایا کرتے تھے حضورِ اکرم ﷺ، جو بھی ایمان لے آیا، جس مومن کی نگاہ حضور ﷺ کے وجودِ عالی پہ پڑ گئی تو اس کا تزکیہ ہو گیا۔ قلبِ اطہر ﷺ سے قلبِ مومن میں ایسی برکات پہنچیں کہ اسے پاک کر دیا یا نبی کریم ﷺ کی نگاہِ ناز اٹھی اور مومن پر پڑ گئی تو اس کا تزکیہ ہو گیا، وہ ''صحابیؓ'' بن گیا۔

صحابی کا لفظی ترجمہ ہے صحبت یافتہ، جس نے نبی کریم ﷺ کی صحبت پائی ہو، ملاقات نصیب ہوئی ہو، حضوری نصیب ہوئی ہو لیکن مفہوم اس کا یہ ہے کہ انسانوں میں سے اکمل ترین، ایمان میں، اخلاص میں، عمل میں، دیانت میں، امانت میں، علم میں، ہر شعبے میں روئے زمین کے انسانوں سے افضل ترین اور انتہائی بلند مقام پر پہنچا ہوا کہ صحابہؓ کے بعد تب سے اب تک اور اب سے قیامت تک آنے والی ساری مخلوق اگر کامل ولایت حاصل کر لے اور سب کی ولایت جمع کی جائے تو بھی صحابیؓ کی گردِ پا کو نہیں پہنچتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کا کوئی ولی کامل گزرتا ہے تو جس زمین میں دفن ہوتا ہے، صدیوں وہ زمین بھی کلامِ الٰہی سے گونجتی رہتی ہے اور لوگ وہاں تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ اس کی نسلوں کی لوگ زیارت کرتے رہتے ہیں لیکن اگر سارے بنی آدم ایسے ہی ولی ہو جائیں اور سب کی ولایت جمع کی جائے تو صحابیؓ کی گردِ پا کو نہیں پہنچتی، ان کے تزکیے یا خشوع کا یہ عالم تھا۔

خیر القرون سے مراد صحابہؓ اور تبع تابعین ہیں:

جب یہ طہارت نصیب ہوتی ہے تو دل میں قربِ الٰہی کی ایک کیفیت بنتی ہے جسے خشوع کہا جاتا ہے۔ تو

فرمایا جسے خشوع نصیب ہو جائے اس کے لئے نہ صبر مشکل رہتا ہے اور نہ اللہ کی اطاعت مشکل رہتی ہے لیکن یہ خشوع بھی کہیں اور سے نہیں آئے گا۔ جہاں سے اللہ کی بات ہم تک پہنچی ہے وہیں سے خشوع قلبی بھی ہم تک پہنچے گا اور یہ صرف ایک ہستی ہے، محمد رسول اللہ ﷺ۔ اب صحابہ کرامؓ کی یہ عظمت کہ جو بندہ مومن بھی کسی صحابیؓ کی خدمت میں پہنچا تو تابعی ہو گیا۔ یہ ایک الگ طبقہ بن گیا تابعین کا کہ کوئی غیر تابعی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تابعین کی خدمت میں جو پہنچا وہ تبع تابعی ہو گیا۔ تبع تابعین کا بھی ایک الگ طبقہ بن گیا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ یہ تین سب سے افضل ترین زمانے ہیں۔ جو زمانے گزر چکے ان سے بھی اور جو آنے والے ہیں ان سے بھی، یہ تین زمانے افضل ترین ہیں۔ فرمایا ایک میرا زمانہ، پھر اس کے بعد کا زمانہ پھر اس کے بعد آنے والا زمانہ۔ میرے زمانے سے قریب کا زمانہ، پھر اس سے قریب۔ صحابہؓ کا زمانہ حضور ﷺ کا زمانہ تھا۔ صحابہ کے بعد تابعین کا زمانہ تھا اور اس کے بعد تبع تابعین کا، ان تین زمانوں کو خیر القرون کہتے ہیں۔ تین بہترین زمانے! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دنیا سے پردہ فرمایا تو پھر کوئی صحابیؓ نہ بن سکا۔ اب جو صحابہؓ کے دربار عالی پہ پہنچے وہ تابعی بنے۔ جب صحابہؓ دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے بعد کوئی تابعی نہ بن سکا۔ جو تابعین کی بارگاہ میں پہنچے وہ تبع تابعی بنے۔ جب تبع تابعین کا عہد ختم ہوا تو کوئی ایسا پیدا نہ ہو سکا جو ہر آنے والے کو چند لمحوں میں کیفیات سے سرشار کر دیتا۔ اس کے بعد اکابر اولیاء اللہ نے تبع تابعین کی خدمت میں رہ کر مجاہدے کیے اور ذکر اذکار کے ذریعہ وہی کیفیات اپنے قلوب میں انڈیلیں اور دلوں کو منور کیا۔ اب وہ لوگ دوسروں کی رہنمائی کا سبب بنے اور نیکی پھیلانے کا سبب بنے۔ پھر جس طرح برکاتِ محمد رسول اللہ ﷺ صحابہؓ کو نصیب ہوئیں اسی طرح صحابہؓ سے تابعین کو، تابعین سے تبع تابعین کو اور اس سے آگے اللہ کے نیک بندوں کو، اہل اللہ کو اور اولیاء اللہ کو ملیں۔ جس طرح حدیث کی روایت ہوتی ہے، اسی طرح سلاسل اولیاء اللہ کے شجرے ہیں کہ کس نے کس سے برکات حاصل کیں، اس نے کس سے حاصل کیں، اس نے کس سے وصول کیں اور بالآخر تمام آقائے نامدار ﷺ کی ذات گرامی تک پہنچتے ہیں۔

پیری فقیری کی حقیقت:

یہ جو پیری مریدی کا سلسلہ مسلمانوں میں چل رہا ہے، اس کی بنیاد بھی یہی ہے کہ پیر وہ شخص ہو جس نے وہ برکات کسی اللہ کے بندے سے حاصل کی ہوں، برکاتِ محمد رسول اللہ ﷺ سے اس کا سینہ منور ہو۔ اپنے سینے کو روشن کرنے کے لئے اور خشوع قلب حاصل کرنے کے لئے مرید اس کے پاس جائے۔ اب اس کو جو ہم نے بدل دیا ہے

کہ پیر کے پاس جاؤ تو مرض ٹھیک ہو جائے گا' پیر کے پاس جاؤ تو ملازمت مل جائے گی، پیر کے پاس جاؤ تو اولاد مل جائے گی، میاں یہ سارے کام تو اللہ کریم کے کرنے کے ہیں اور وہ کر رہا ہے۔ جو پیروں کو نہیں مانتے ان کو صحت سے بھی نواز رکھا ہے، اولاد بھی دے رکھی ہے، مال بھی دے رکھا ہے۔ جو خود نبی کریم ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے ان کو بھی دنیا کی نعمتیں دے رکھی ہیں اور جو خود اس کی ذات کو نہیں مانتے ان کو بھی دے رکھی ہیں۔ یہ جو دنیا میں نافرمان، کافر، ظالم فاسق اور فاجر حکمران ہیں جنہوں نے اللہ کی ایک مخلوق کو تہہ تیغ کر دیا، انہیں حکومت کس نے دے رکھی ہے، ان کا تو کوئی پیر نظر میں نہیں آتا!

یہ تصور خاص کر برصغیر میں ہم نے ہندوؤں سے لیا ہے۔ ہندو جو امید برہمن سے رکھتا ہے یا اپنے دیویوں دیوتاؤں سے رکھتا ہے، وہ ہم نے اپنے پیر سے جوڑ لی۔ یہ کوئی پیری مریدی نہیں ہے کہ عمل کی توفیق نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ کی بارگاہِ عالی میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! جب آپ ﷺ پردہ فرما جائیں گے تو لوگ کہاں جائیں، کس کے پاس جائیں؟ ایک زمانہ تھا، صحابہ تھے، تابعین تھے' تبع تابعین تھے، یہ لوگ چلے گئے تو لوگ اب کس کے پاس جائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایسے بندے کے پاس جاؤ جس کے پاس بیٹھنے سے اللہ یاد آئے۔ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کے پاس جاؤ جو تمہاری مصیبتیں دور کر دے، اس کے پاس جاؤ جو تمہیں ملازمت دلوا دے، اس کے پاس جاؤ جو تمہاری دکان چلا دے، اس کے پاس جاؤ جو تمہارے بچوں کی صحت کا ذمہ دار ہو، حضور ﷺ نے ایسا تو نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ کا ارشاد تھا: ایسے بندے کے پاس جاؤ جس کے پاس بیٹھ کر اللہ یاد آئے۔ تو پیری مریدی سے مرید کو بھی یہ چاہئے کہ اپنی نیت کو کھرا کر لے اور خشوعِ قلب کے حصول کی خاطر پیر تلاش کرے اور پیر کو بھی چاہئے کہ اگر اسے وہ نعمت نصیب ہے تو لوگوں کو بانٹے ورنہ دنیا داری کے لئے لوگوں کا راستہ روک کر نہ بیٹھ جائے۔

صبر اور صلوٰۃ ان لوگوں کے لئے بہت مشکل ہے جن کے پاس خشوع نہیں ہے۔ خشوعِ قلب جن کو نصیب ہوتا ہے ان کے لئے مشکل نہیں، وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ جنہیں یہ خیال پختہ ہو جاتا ہے کہ ہمیں اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے اور ہم اللہ سے ملنے والے ہیں۔ میں عاجز بندہ، میں مشتِ غبار، مجھے اللہ کی بارگاہ میں اللہ کے روبرو کھڑا ہونا ہے، یہ پہچان ہے خشوعِ قلب کی! قرآن نے یہ بتا دیا کہ جسے خشوعِ قلب نصیب ہو گا اس میں ایک تو یہ خیال راسخ ہو جائے گا کہ مجھے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ اور میں جہاں بھی جاؤں، دنیا میں رہوں، کوئی مجھے جلا دے، میں کسی طوفان کی نذر ہو جاؤں، مجھے

درندے کھا جائیں، کوئی حالت بھی مجھ پر گزر جائے، بالآخر واپس مجھے اللہ کی بارگاہ میں ہی پہنچنا ہے۔ فرمایا: اگر خشوع قلب نصیب ہو تو یہ خیال راسخ ہو جاتا ہے اور جب یہ بات یقین بن جائے کہ مجھے اللہ کے حضور جانا ہے تو پھر اللہ کی فرمانبرداری اور اللہ کی عبادت آسان ہو جاتی ہے۔ آج یا کل، ابھی، یا چند لمحے بعد، کوئی پتہ نہیں کس وقت بلاوا آ جائے اور مجھ مشتِ غبار کو اس کی بارگاہِ عالی میں پیش ہونا پڑے۔

خشوع:

یاد رکھیئے! دونوں نعمتیں اللہ نصیب کرے کہ خشوع قلب بھی نصیب ہو، تعلیماتِ نبوی علیہ ﷺ بھی نصیب ہوں، حلال حرام کی تمیز ہو۔ فرض کا جاننا فرض ہے، سنت کا جاننا سنت ہے، واجب کا جاننا واجب ہے۔ ہمارا رویہ یہ ہے کہ بچپن میں اگر کسی نے کوئی غلط لفظ یاد کرا دیا، تلفظ صحیح نہیں ہے تو ہم عمریں گزار جاتے ہیں لیکن اس کی صحت کی فکر نہیں کرتے۔ وضو کا طریقہ کہیں سے بھول گیا یا غلط ہو گیا تو ساری عمر اسے غلط چلائے رکھتے ہیں۔ دنیا کے کاروبار میں، مثلاً میں کاشتکاری کرتا ہوں تو ہمارے ہاں ہر روز فصل پر یہ بحث چل رہی ہوتی ہے کہ اچھی قسم کا بیج کون سا ہے، کھاد کون سی اچھی آتی ہے، اسے کس طرح کاشت کیا جائے۔ عمر گزر گئی کاشت کرتے کرتے، باپ کو کاشت کرتے دیکھا، دادا کو کاشت کرتے دیکھا، نسلیں بیت گئیں پھر مشورے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم سمجھتے ہیں مشورہ بہتر ہے تاکہ بہتر فصل حاصل ہو۔ دین کے معاملے میں ہم کیوں نہیں پوچھتے؟ کیونکہ خشوع کی کمی ہے۔ قلب میں خشوع آ جائے تو فکر پیدا ہو جاتی ہے کہ میں جو کام کر رہا ہوں یہ صحیح بھی ہے کہ نہیں۔ اس کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ روزہ رکھا ہے تو اس کے افطار و سحر کے احکام کیا ہیں؛ اس کے آداب کیا ہیں، کس بات سے ٹوٹے گا، کس سے مکروہ ہوتا ہے؟۔ یہ جاننا چاہئے۔ جانے گا نہیں تو عمل کس طرح کرے گا!

میں نے اپنے شیخ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کی خدمتِ عالی میں یہ دیکھا ہے کہ حضرت کسی کو نہیں فرماتے تھے، یہ کرو، وہ کرو، ایسا کرو، ایسا نہ کرو۔ یہ بھی نہیں فرماتے تھے کہ داڑھی رکھ لو، میں نے نہیں سنا کسی سے آپ نے کہا ہو۔ لیکن عجیب بات ہے کہ جب کیفیات قلب میں آتی تھیں تو بندے میں خود ایک تجسس پیدا ہو جاتا۔ وہ از خود اس طرف چل پڑتا، وہ خود داڑھی بھی رکھ لیتا، خود نمازوں کا پابند بھی ہو جاتا، خود حلال حرام پوچھنے لگ جاتا تھا۔ آپؒ کی محفل میں کتنے لوگوں کو دیکھا کہ جب دل میں برکات آئیں تو کردار میں مثبت تبدیلیاں آنے لگ گئیں۔ تو میرے بھائی! اللہ کی اطاعت سے، اللہ کی عظمت کا اقرار کر کے اور اپنی عاجزی کو دیکھ کر تمہیں دنیا میں کوئی مشکل مشکل نہیں لگے گی۔ جب تک برکاتِ محمد رسول اللہ علیہ ﷺ سے دل روشن نہیں ہو گا، خشوع نہیں آئے گا، تعمیل حکم مشکل نظر آئے گی۔ اگر خشوع نصیب ہو گیا تو پھر یہ مشکل نہیں رہے گی، یہ نصیب ہو گیا تو دنیا میں کوئی مشکل نہیں رہے گی۔ ہر حال میں مطمئن رہو گے، اطمینان قلب تمہارا مقدر بن جائے گا۔

سورۃ البقرہ رکوع 6 آیات 47 تا 59

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى
الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ
مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ
مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ
وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿٤٩﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا
بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿٥٠﴾ وَاِذْ
وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ
ظٰلِمُوْنَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَاِذْ
اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿٥٣﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى
لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى
بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ؕ فَتَابَ
عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿٥٤﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ
حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿٥٥﴾ ثُمَّ
بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٥٦﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ
وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا
ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ

فَكُلُوا مِنۡهَا حَيۡثُ شِئۡتُمۡ رَغَدًا وَّادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّقُوۡلُوۡا حِطَّةٌ
نَّغۡفِرۡ لَـكُمۡ خَطٰيٰكُمۡ ‌ؕ وَسَنَزِيۡدُ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝٥٨ فَبَدَّلَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا قَوۡلًا
غَيۡرَ الَّذِىۡ قِيۡلَ لَهُمۡ فَاَنۡزَلۡنَا عَلَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا
كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ ۝٥٩

اے اولادِ یعقوبؑ! میری نعمت یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تمہیں تمام جہان والوں پر فضیلت دی ﴿۴۷﴾ اور اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ کسی سے سفارش قبول کی جائے گی اور نہ کسی سے بدلے میں کچھ لیا جائے گا اور نہ کوئی (کسی اور طرح سے) کسی کی مدد کر سکے گا ﴿۴۸﴾ اور جب ہم نے تم کو فرعون کی قوم سے نجات دی جو تمہیں دکھ دینے کی فکر میں رہتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی ﴿۴۹﴾ اور جب ہم نے تمہاری خاطر سمندر کو پھاڑ دیا پھر تمہیں بچا لیا اور آلِ فرعون کو (فرعون سمیت) غرق کر دیا اور تم یہ (سب) دیکھ رہے تھے ﴿۵۰﴾ اور جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا پھر تم نے ان کے بعد بچھڑے کو (معبود) بنا لیا اور تم بہت غلط کار تھے ﴿۵۱﴾ پھر اس کے بعد (بھی) ہم نے تم کو معاف کر دیا تا کہ تم شکر کرو ﴿۵۲﴾ اور جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اور فیصلہ کرنے کی چیز (معجزہ) دی تا کہ تم ہدایت پا سکو ﴿۵۳﴾ اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! تم نے گؤ سالہ پرستی کر کے یقیناً اپنا بڑا نقصان کر لیا ہے پس اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے توبہ کرو پس بعض، بعض کو قتل کرو۔ یہ تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے لئے بہتر ہے سو اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی یقیناً وہ توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿۵۴﴾ اور جب تم نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام)! ہم آپ کے کہنے سے ہرگز ایمان نہ لائیں

گے یہاں تک کہ ہم اللہ کو واضح دیکھ لیں تو اس (گستاخی) پر تم پر بجلی کی کڑک آ پڑی اور تم دیکھ رہے تھے ﴿۵۵﴾ پھر ہم نے تمہارے مرنے کے بعد تمہیں زندہ کر اٹھایا تا کہ تم شکر کرو ﴿۵۶﴾ اور ہم نے تم پر بادل سایہ فگن کیا اور تم کو من وسلوٰی (ترنجبین اور بٹیریں) عطا کیں کہ ہماری عطا سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور انہوں نے ہمارے ساتھ زیادتی نہیں کی بلکہ وہ اپنے آپ کے ساتھ زیادتی کرتے رہے ﴿۵۷﴾ اور جب ہم نے کہا اس شہر میں داخل ہو جاؤ پھر اس میں جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ اور دروازے سے سرنگوں ہو کر (سجدہ کرتے ہوئے) اور بخشش مانگتے ہوئے داخل ہونا ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے ﴿۵۸﴾ مگر ظالموں نے جو بات ان سے کہی گئی تھی اس کو بدل ڈالا تو ہم نے ظلم کرنے والوں پر آسمان سے عذاب اتارا اس وجہ سے کہ وہ بدکار تھے ﴿۵۹﴾

خلاصۂ تفسیر ومعارف

احکامِ الٰہی کی نافرمانی دنیا میں بھی رسوائی کا سبب ہے:

يٰبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ اے اولادِ یعقوب علیہ السلام! میری نعمتیں یاد کرو جو میں نے تمہیں عطا فرمائیں۔ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علٰی نبینا وعلیہ والسلام کی اولاد ہے۔ جب آپ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر تشریف لے گئے تو خاندان کے بہتر (72) آدمی ان کے ہمراہ تھے۔ یہ لوگ وہیں بس گئے۔ یعقوب علیہ السلام نبی تھے جبکہ یوسف علیہ السلام اللہ کے نبی اور مصر کے حکمران بھی تھے، اس وجہ سے بنی اسرائیل کو بہت احترام ملا۔ اللہ کا ان پر بہت احسان تھا، ان کے پاس حکومت بھی تھی، نبوت بھی تھی چنانچہ بعد میں آنے والوں کو دنیاوی اعتبار سے بھی اور دینی اعتبار سے بھی دوہرا احترام ملا۔ جب تک وہ اللہ کے دین پر قائم رہے، ان کی عزت اور ان کا احترام بھی قائم رہا۔ بعد میں اگرچہ ان کی بادشاہت نہ رہی لیکن دینی قیادت وسیادت تو ان ہی کے پاس رہی۔ رفتہ رفتہ بنی اسرائیل دنیا میں مبتلا ہوتے گئے اور بالآخر وہ سب کچھ کھو کر مبتلائے عذاب ہوئے۔

اُمتِ مسلمہ اور بنی اسرائیل:

جس طرح بنی اسرائیل کا حال ہوا، کم وبیش آج ہم مسلمان بھی اُسی میں مبتلا ہیں۔ انسان جب اللہ کو بھولنے لگتا ہے تو اس کا سب سے بڑا سبب اُس کی خواہش نفس بنتی ہے۔ وہ دنیاداروں کو دیکھ کر اُن کے پیچھے بھاگنے اور دنیوی مفادات اور لذات میں مبتلا ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک ارشاد کا مفہوم ہے کہ دو چیزوں میں سے ایک میں خسارہ اٹھانا پڑتا ہے، یا دین میں یا دنیا میں۔ اگر اللہ توفیق دے اور آدمی دین پر کاربند رہے تو بہت سے دُنیوی امور میں اُسے نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے اور اگر دنیا کی طرف یکسو ہو جائے تو پھر دین میں نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔

بنی اسرائیل اہل مصر کو، اُن کی آسائشوں کو اور ان کے مال و دولت کو دیکھ کر اُن جیسا بننے کی کوشش میں لگے تو دین بھی ہاتھ سے جاتا رہا اور ذلیل و رسوا ہو گئے۔ اہل مصر کے دوسرے قبیلوں کے غلام ہو گئے اور ان کی کوئی حیثیت نہ رہی بلکہ اس حد تک ذلیل ہوئے کہ وہ سارا دن ان سے مزدوری لیتے۔ مردوں سے، عورتوں سے اور بچوں سے کام کراتے لیکن اس پر کوئی اجرت نہیں دیتے تھے۔ روکھا سوکھا دے دیا تو دے دیا، نہ دیا تو بھی کوئی بات نہیں ہے اُن کا کوئی حق باقی نہیں رہا۔

آج ہماری مصیبت بھی یہ ہے کہ من حیث القوم مسلمان، پوری اُمت، تمام اسلامی حکومتیں سوائے اللہ کے بندوں کے، جو کہیں کہیں اللہ اللہ کر رہے ہیں، صاحبِ اقتدار اور اہل مال و ثروت مغرب کے پیچھے بھاگنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر ہم اہل مغرب کے غلام ہوتے جا رہے ہیں۔ ہم سے اسلامی تہذیب، اعمال، کردار، عقیدہ، سنتیں تک چھوٹتی جا رہی ہیں۔ ایک دوڑ لگ گئی ہے کہ ہم مغرب جیسے ہو جائیں جس کا نتیجہ وہی ہے جو بنی اسرائیل نے بھگتا۔ آج ہم حیران ہوتے ہیں کہ ہمارا یہ حال کیوں ہے لیکن قرآن حکیم کوئی تاریخ یا قصوں کی کتاب نہیں ہے۔ قصے کہانیاں قرآن کا موضوع نہیں، یہ کتابِ ہدایت ہے۔ قوموں کے احوال بیان فرماتا ہے تو بطورِ مثال، کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے ساتھ بھی یہی ہوگا۔

چنانچہ بنی اسرائیل کو فرمایا: وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تم پر کی تھیں، وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴿۴۷﴾ اور اپنے زمانے میں تمہیں ساری مخلوق پر میں نے فضیلت دی تھی۔ فضیلت کے دو ہی راستے ہوتے ہیں عظمت و اقتدار اور دین، میں نے تمہارے پاس دونوں ہی جمع کر دیے تھے۔ بادشاہت بھی

تمہارے پاس تھی اور نبوت بھی تمہارے پاس تھی، اس سے بڑھ کر تمہیں اور کیا چاہیے تھا! پھر تمہیں یہ خیال نہ آیا، وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٨﴾ تم اتنے بے خطر ہو گئے، تمہیں یہ خیال بھی نہ رہا کہ ایک ایسا دن آنے والا ہے کہ جس میں کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا نہ کسی کی سفارش مانی جائے گی، نہ کوئی شخص کچھ دے کر چھوٹ سکے گا اور نہ ہی کوئی کسی کی مدد کر سکے گا۔ گلوخلاصی کے تین ہی راستے ہوتے ہیں، کوئی سفارش کر دے اور اُس پر چھوٹ جائے یا کوئی جرمانہ معاوضہ دے کر چھوٹ جائے یا پھر کوئی اُسے طاقت سے چھڑا لے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت برحق ہے، اولیاء اللہ کی شفاعت برحق ہے بلکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس مومن کے چھوٹے بچے فوت ہو جاتے ہیں وہ بھی اس کے لیے شفاعت کا سبب بن جائیں گے، اور جب اللہ اُن کی مغفرت فرمائے گا تو وہ عرض کریں گے، بارالٰہا! ہمارے ماں باپ کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دیں، اُن کی وجہ سے وہ کرم فرما دے گا لیکن کافر کے لئے کوئی شفاعت نہیں۔ کافر کی کوئی سفارش نہیں کرے گا، نہ کسی کو اجازت ہوگی۔ تم اگر کفر پر مرو گے تو اُس دن کا خیال تمہیں نہیں آتا جس دن کوئی متنفس کسی دوسرے کے رائی برابر کام نہیں آسکے گا۔ نہ تم کوئی جرمانہ، ہرجانہ یا معاوضہ دے کر بچ سکو گے اور نہ ہی کوئی تمہاری مدد کر سکے گا۔ اللہ کی بارگاہ میں کوئی زبردستی نہیں چھڑا سکے گا۔ لہٰذا تمہیں مبتلائے عذاب ہونا پڑے گا۔

تم پر اللہ کے کس قدر احسانات تھے! اب اسی احسان کو یاد کرو۔ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ میں نے تمہیں فرعون کی قوم سے نجات دلوائی۔ آل کا مفہوم ہوتا ہے پیروکار، ماننے والے جیسے یہاں آلِ فرعون آیا۔ یہ فرعون کا صرف خاندان نہیں تھا، اس میں فرعون کی پوری قوم شامل ہے۔

آلِ محمد ﷺ:

ہم جب درود شریف پڑھتے ہیں اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارك وسلم تو آلِ محمد ﷺ میں ہر وہ بندہ آجاتا ہے جس کا عقیدہ صحیح ہے اور بطفیل نبی کریم ﷺ اس دعا کا اثر ہر بندۂ مومن تک پہنچتا ہے خواہ وہ دنیا سے گزر چکا ہے یا دنیا میں موجود ہے یا آنے والے زمانوں میں آئے گا۔ چونکہ نبوت آپ ﷺ کی ہوگی، جو بندہ مومن ہوگا حضور ﷺ ہی کو مانے گا۔ آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لائے گا اور آلِ محمد ﷺ میں شامل ہو جائے گا۔ بعض فرقوں نے آلِ محمد ﷺ کو محدود کر دیا کہ حضور ﷺ کے خاندان تک ہے۔ آل میں بہت وسعت ہے جیسے یہاں آلِ فرعون کہا گیا۔ یہ فرعون کے

خاندان تک یا اس کے گھر کے افراد کے لئے نہیں بلکہ ہر اُس فرد کے لئے ہے جو فرعون کا پیروکار تھا۔ اسی طرح جب آلِ محمد ﷺ آتا ہے تو ہر اُس بندے کے لئے ہے جسے ایمان نصیب ہے، وہ اس دعا میں شامل ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ اللہ مسلسل اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اللہ کے فرشتے مسلسل دعائے رحمت کرتے ہیں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (احزاب:56) اے ایمان والو! تم بھی صلوٰۃ بھیجو حضور ﷺ پر، سلام بھیجو حضور ﷺ پر۔ یہ صلوٰۃ وسلام جو درود کے زمرے میں آتے ہیں، ہر بندہ مومن کے لئے ایک مدد بن جاتے ہیں۔ ظہورِ رحمت الٰہی کا 'استقامت کا، یقین کی پختگی کا ایک سبب بن جاتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ جن لوگوں پر اللہ بھی رحمت فرما رہا ہو، اللہ کے فرشتے بھی دعائے رحمت فرما رہے ہوں، اللہ کے بندے نماز میں جن کے لئے دعائے رحمت کرتے ہوں، اب وہ لوگ بھی اگر اللہ کو چھوڑ کر کافروں کی نقل میں لگ جائیں تو کتنی دیدہ دلیری ہے؟ کتنی بڑی زیادتی ہے؟ بنی اسرائیل نے چھوڑا تو انہوں نے اپنے انبیاء کو چھوڑا اور خدانخواستہ ہم یا جو ہمارا بھائی چھوڑتا ہے وہ محمد ﷺ کا دامن چھوڑتا ہے۔ کتنا بڑا جرم ہے اور کتنی سزا ہونی چاہیے! جب ہم کہتے ہیں کہ ہماری جان محفوظ نہیں، کوئی پوچھتا نہیں، ملک میں انصاف نہیں، کسی کی عزت محفوظ نہیں، جس کا جی چاہے کسی کی بیٹی اُٹھا کر لے جائے اور کہتے ہیں پرچہ نامعلوم افراد کے خلاف ہو گیا۔ جس کو چاہیں قتل کر دیتے ہیں۔ کوئی ڈاکہ ڈالتا ہے تو کوئی پوچھتا نہیں۔ یہ تو اللہ بڑا کریم ہے ورنہ جو ہم کر رہے ہیں اس کی سزا تو بہت بھیانک ہونی چاہئے۔ ہمارا جرم اتنا بڑا ہے کہ ہم نے محمد ﷺ کا دامانِ رحمت چھوڑ کر خنزیر کھانے والے اور شراب پینے والے لوگوں کا دامن جا پکڑا۔ اس کردار پر کتنی سزا ہونی چاہیے؟ بنی اسرائیل کے مقابلے میں خود کو رکھ کر دیکھ لیجئے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کا دامن چھوڑا، یوسف علیہ السلام کا دامن چھوڑا تو ان کا کیا حال ہوا۔ اب جو محمد رسول اللہ ﷺ کا دامن چھوڑے بیٹھا ہے اس کا کیا ہونا چاہیے؟ اگر اسی نظر سے دیکھا جائے تو یقین آجاتا ہے کہ اللہ بہت کریم ہے۔ ہم بہت ظلم کر رہے ہیں اس کے باوجود وہ ہمیں بہت معمولی سزا دے رہا ہے کہ شاید ہم سنبھل جائیں' شاید واپس آجائیں ورنہ ہمارا عالم تو یہ ہونا چاہئے کہ زمین شق ہو جائے اور ہمیں نگل لے۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ہم نے تمہیں اُن سے نجات دی جو ہر وقت تمہارے لئے عجیب وغریب سزائیں سوچتے رہتے تھے۔ تمہارے لئے بُری سے بُری سزا تجویز کرتے تھے۔ ایک تو یہ کہ جانوروں کی طرح کام لیتے، پھر ان کی کوئی عزت بھی نہیں تھی۔ کسی کی بہن، ماں، بیٹی کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اور جب نجومیوں نے فرعون کو یہ بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا بچہ پیدا

ہونے والا ہے، (مختلف روایات ہیں، بعض علماء لکھتے ہیں کہ نجومیوں نے کسی خواب کی تعبیر بتائی یا فرعون تک یہ بات کسی ذریعے سے پہنچی کہ) بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تمہارا تخت اُلٹ دے گا، تمہاری حکومت ختم کردے گا، تمہارا یہ مذہب جس میں تم خدا بنے بیٹھے ہو، اسے ختم کردے گا، تو اُس نے حکم دیا:

يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ کہ بنی اسرائیل کا جو بچہ پیدا ہو اُسے قتل کردیا جائے، بچیوں کو چھوڑ دیا جائے اور یہ عمل کئی برسوں تک جاری رہا حتیٰ کہ خود قبطی پکار اُٹھے کہ ان کے مرد تو بوڑھے ہوکر مرتے جارہے ہیں، بچے قتل ہوجاتے ہیں، ہماری خدمت کون کرے گا، ہمارے کام کون کرے گا، ہم کس سے بے گار لیں گے؟ خود مصریوں کی سفارش پر فرعون نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک سال جو بچے پیدا ہوں گے وہ قتل کردیئے جائیں اور ایک سال اُنہیں چھوڑ دیا جائے۔ اللہ کی حکمت ایسی ہے کہ ہارون علیہ السلام اُسی سال پیدا ہوئے جس سال بچے قتل نہیں کیے جارہے تھے لیکن حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اُس سال پیدا ہوئے جس سال بچے قتل کیے جارہے تھے اور وہ ایسا قادر ہے کہ جس بچے کو قتل کرنے کے لیے اس نے شاید لاکھوں بچے مروا دیے ہوں گے، اس کی حفاظت فرمائی۔ بنی اسرائیل جب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلے تو اُس وقت اُن کی تعداد چھ لاکھ تھی اور جب آئے تھے تو صرف بہتر (72) تھے، جب وہاں سے نکلے تو مفسرین کرام چھ لاکھ لکھتے ہیں۔ اب یہ ایسی مصیبت آن پڑی کہ نوزائیدہ بچے ماں کی گود سے چھین کر قتل کردیئے جاتے۔

عقوبت اور مجاہدہ اضطراری:

وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٤٩﴾ وہ تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی ابتلاء تھی، بہت بڑی آزمائش تھی، بہت بڑی سزا بھی تھی۔ مصیبتیں نیک لوگوں پہ بھی آتی ہیں اور مصیبتیں بدکاروں پہ بھی آتی ہیں لیکن ایک بہت بڑا فرق ہے۔ کافر یا بدکار پر جو مصیبت آتی ہے، وہ بطور عقوبت کے ہوتی ہے یعنی سزا کے طور پر ہوتی ہے۔ اُس کے بدن کو بھی تکلیف ہوتی ہے اور روح کو بھی تکلیف ہوتی ہے، بے چینی بھی ہوتی ہے، سکونِ قلب بھی چھن جاتا ہے اور جسمانی تکلیف بھی ہوتی ہے لیکن مومن پر یا اللہ کے نیک بندوں پر جو تکلیف آتی ہے، تو وہ ترقی درجات کا سبب بنتی ہے۔ اگر کسی کی روح کو پرواز نصیب ہو اور وہ واپس اپنے وطن کی طرف جائے اور چونکہ روح عالم امر سے ہے اور کوئی ساری منازل طے کرنے کے بعد اگر عالم امر میں بھی پہنچا تو گھر پہنچا۔ اب اس سے آگے کہیں جائے گا تو کتنا آگے نکلا! کہاں تک قرب الٰہی پایا! وہ شاید اُس کی ترقی شمار ہوگی۔ اس راستے کے بعض دائرے ایسے ہیں کہ جن میں مصیبتیں یقینی ہیں، جیسے شہید ہونے کے لیے قتل

ہونا پڑتا ہے جو بہت بڑا درجہ ہے لیکن اُسے پانے کے لئے گردن کٹوانی پڑتی ہے۔ اسی طرح بعض مقامات قرب ایسے ہیں کہ جن میں خاص قسم کی مصیبتیں یقینا ہوتی ہیں لیکن اُن کے ساتھ سکون واطمینانِ قلب بڑھتا ہے، پریشانی نہیں ہوتی۔ پھر بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ آدمی جن مقامات پر ہے، اُن کا جو تقاضا ہے، عبادت کا، مجاہدے کا، اُس سے وہ پورا نہیں ہوسکتا تو اللہ کریم اُس پہ کوئی مصیبت بھیج کر اُس کا مجاہدہ پورا کروادیتے ہیں۔ جو مصیبت نیک آدمی پر آتی ہے اُسے مجاہدہ اضطراری کہتے ہیں یعنی زبردستی اُس سے مجاہدہ کرالیا جاتا ہے کہ اس کی کمی نہ رہے پھر تیسرا درجہ یہ ہوتا ہے جہاں سے مزید ترقی درجات کے لئے کوئی مصیبت آجاتی ہے لیکن ان تینوں میں جو تکلیف اللہ کے بندوں پر آتی ہے، شہید ہوتے ہیں، سرمیدان مارے جاتے ہیں، اعضاء کاٹے جاتے ہیں، جیلیں بھی کاٹتے ہیں، بیمار ہوتے ہیں، اس میں ایک بات یاد رہے کہ سکونِ قلب بڑھتا ہے، پریشانی نہیں ہوتی۔ جن مصیبتوں کے ساتھ پریشانی ہوتی ہے، یہ سزا ہوتی ہے کہ جسمانی، قلبی اور روحانی اذیت بھی ہوتی ہے، یہ کفار کا حصہ ہے۔ ہر بندے کو اپنا تجزیہ کرتے رہنا چاہیے کہ اگر مجھ پر کوئی مصیبت آگئی اور میرا دل بے قرار ہوگیا تو اسے یہ سوچنا چاہیے کہ کہیں میرے عقیدے میں، خلوص میں کوئی دراڑ تو نہیں آگئی، کوئی کمی تو نہیں ہے؟ اُس کی اصلاح کی جانی چاہیے۔

جب موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنی قوم کو ساتھ لے کر راتوں رات نکل جایئے تو بنی اسرائیل چونکہ قبطیوں کے خادم تھے، اُن کے گھر بار، مال ومتاع سے واقف تھے، نکلتے وقت انہوں نے اُن کا مال ودولت بھی اٹھالیا اور موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ ان کی تعداد چھ لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ صبح جب فرعون کو پتہ چلا، تو اس نے اعلان کروادیا اور کم وبیش سات لاکھ کا لشکر لے کر تعاقب میں روانہ ہوا۔ بنی اسرائیل تہی دست تھے، فرعون کے پاس مسلح فوج تھی، یہ پیدل چل رہے تھے، اُس کے پاس رسالے تھے، گھوڑے تھے، سواریاں تھیں، جلد ان سے آن ملا سمندر تک پہنچے تو انہیں نظر آیا کہ اُدھر سے بڑا طوفان اُٹھ رہا ہے، گردوغبار اڑ رہا ہے، پتہ چلا یہ تو لشکرِ فرعون آرہا ہے اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے گرد اڑ رہی ہے۔ گھبرا کر کہنے لگے موسیٰ! آپ نے تو مروادیا۔ آپ نہیں آئے تھے تو ہمارا جو حال تھا وہ پھر بھی اچھا تھا۔ اب اس سے بھی گئے۔ اب تو اور بھی مارے گئے۔ آگے سمندر ہے، سمندر میں اترتے ہیں تو غرق ہو جائیں گے، نہیں اُترتے تو قتل ہو جائیں گے، ہمارا تو کچھ بھی نہ بچا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا' گھبراؤ نہیں۔ اِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ○ (الشعرآ: 62) میرا پروردگار میرے ساتھ ہے وہ خود راستہ بنادے گا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ والسلام کو من جانب اللہ حکم ہوا کہ سمندر پر اپنا عصا ماریں۔ بنی اسرائیل کے بارہ

قبیلے تھے، حضرت یعقوب علیہ والسلام کے بارہ بیٹے تھے اور بارہ ہی قبیلے بن گئے تھے، سمندر نے بارہ قبیلوں کے لئے راستے چھوڑ دیئے۔ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو چیر دیا اور اللہ کی شان بارہ راستے بن گئے اور ایسے بنے کہ نمی تک تہہ میں نہ رہی، درمیان میں خشک راستے اور پانی کی دیواریں کھڑی تھیں۔ بنی اسرائیل ہنستے کھیلتے عبور کر کے اگلے کنارے پر چلے گئے۔ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ ''ہم نے تمہارے لئے سمندر کا جگر چیر دیا اور تمہیں اُس مصیبت سے بچا لیا۔'' وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝۵۰ اور آل فرعون کو ہم نے اُسی راستے میں، جس سے تم نکلے تھے، اُنہی راہوں میں اُسے غرق کر دیا اُس کے لاؤ لشکر سمیت، آل سمیت وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝۵۰ اور تم کنارے پر کھڑے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ کتنا احسان تھا اللہ کا تم پر! مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جب وہ سمندر پھٹا، راستے بن گئے تو فرعون بھی مبہوت ہو گیا۔

مومن کی توبہ آثارِ موت کے بعد بھی قبول:

بنی اسرائیل جب اُسی راستے سے بھاگ کر اُترے تو اُس نے بھی لشکر اُتارا لیکن خود کنارے پہ گھوڑے کی باگ کھینچ کر کھڑا ہو گیا، پریشان ہو گیا کہ یہ تو نبی کا معجزہ ہے اور بنی اسرائیل کے لئے ہے، میں اتروں تو مارا ہی نہ جاؤں۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جبرائیل امین علیہ والسلام گھوڑی پر سوار اُس کے گھوڑے کے پاس سے گزرے تو وہ اُس گھوڑی کے پیچھے لگ گیا، وہ سمندر میں گئے تو وہ بھی اتر گیا۔ جب بنی اسرائیل پار پہنچ چکے تو یہ وسط میں پہنچے تھے کہ پانی کو حکم ہوا تو پانی آپس میں مل گیا۔ اب بے پناہ سمندر تھا، کوئی بھی نہ بچ سکا۔ اُس وقت فرعون نے کہا تھا، جس کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے۔

''میں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے رب کو مانتا ہوں۔'' آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ○ (یونس: 91) اب مانتے ہو جب ماننے کا وقت تھا اُس وقت تو تُو نافرمان تھا اور فسادیوں میں سے تھا۔ اس لئے جب موت کے آثار واضح ہو جائیں یا مرد ے کو آخرت نظر آنے لگے، موت کے فرشتے نظر آنے لگیں یا ملک الموت نظر آنے لگے تو کفر سے توبہ قبول نہیں ہوتی لیکن مومن جتنا بھی گنہگار ہو اُس وقت بھی اُس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ کافر اور مومن میں یہ فرق ہے کہ جب موت کے آثار ظاہر ہو جائیں تو کافر کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ جس طرح فرعون نے توبہ تو کی لیکن اس وقت اُسے موت نے گھیر لیا تھا۔ اس وقت اللہ کریم نے فرمایا کہ اب تیری توبہ کا وقت گزر چکا، تو اب توبہ بھی نہیں کر سکتا۔ بعض مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جبرائیل امین کو حکم ہوا کہ اس کے منہ پر کیچڑ تھوپ دو، دوبارہ اس کے منہ سے آواز نہ نکلے۔ اب مانتا ہے، حالانکہ جب

ماننا چاہیئے تھا اُس وقت تو کفر کرتا رہا۔ بندہ مومن پہ اللہ کا یہ احسان ہے کہ جتنا بھی گنہگار ہو، جب تک سانس میں سانس ہے، اگر اُسے موت کے فرشتے بھی نظر آ جائیں اور اُس وقت توبہ کر لے تو وہ بھی قبول ہو جاتی ہے۔

بندہ خطا کار ہے، انسان ہے، گناہ ہو جاتا ہے لیکن اسی وقت گناہ سے توبہ کر لینی چاہیئے اور اپنے آپ کو پارسا نہیں سمجھنا چاہیئے گناہ پر دلیر نہیں ہونا چاہیئے۔ جو بندہ رات دن ذکر کرتا رہے، صلوٰۃ ادا کرتا رہے اس کے لیے بھی استغفار ضروری ہے۔ ہم نہیں جانتے، ہم سے روزانہ کتنی خطائیں ہو جاتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ استغفار روزانہ اور ضرور پڑھا کرو۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں، سو بار روزانہ تو میں بھی پڑھتا ہوں۔ وہ جو شافع محشر ہیں اور مخلوق جن کی شفاعت پہ اُمید لگائے بیٹھی ہے وہ ہستی آپ ﷺ روزانہ استغفار فرماتے ہیں، اس لئے کہ وہ بارگاہ بہت عالی ہے۔ گناہ پہ دلیری سے کہیں ایسا نہ ہو کہ توبہ کی توفیق ہی چھن جائے۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ تمہارے لئے میں نے سمندروں کے جگر چیر دیئے فَاَنْجَيْنٰكُمْ اور تمہیں مصیبتوں سے بچا لیا۔ آل فرعون سے بچا لیا، فرعون سے بچا لیا۔ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ اور فرعون اور اُس کے ماننے والوں کو غرق کر دیا وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝۵۰ اور تم دیکھ رہے تھے، تمہارے سامنے یہ سب کچھ ہوا۔

پیری مریدی کا مقصد:

پھر اُس کے بعد اور احسان فرمایا وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ہمارے ہاں یہ جو پیری مریدی کا رواج ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ کوئی اللہ کا نیک بندہ ہمیں برائی سے بچا کر نیکی کے راستے پہ لگا دے۔ ایسے شخص کی صحبت میں رہو جہاں عقائد کی اصلاح ہو، حتی المقدور اعمال کی اصلاح ہو، کردار کی اصلاح ہو۔ اب یہ رواج ہے کہ فلاں خانقاہ پہ جاؤ تو بیٹا پیدا ہوگا، فلاں جگہ جاؤ تو درد ٹھیک ہو جائے گا۔ خانقاہوں کو تو ایک جگہ رکھ دیں، جو خود اللہ کے نبیؐ کو نہیں مانتے، جو خود اللہ کو نہیں مانتے اُن کو صحت مل رہی ہے، اولاد مل رہی ہے پھر آپ نے کسی پیر سے جا کر لے لی تو کیا تیر مارا! یہ تو اُس کا اپنا نظام ہے۔ پیر یا مرید ہونے کا مقصد یہ ہے کہ عقائد و اعمال میں اصلاح نصیب ہونے کی توفیق ارزاں ہو، نیکی پہ استقامت نصیب ہو اور اگر یہ نہیں ہے تو پھر خواہ مخواہ ایک پیر کا بوجھ سر پہ لادنے کی کیا ضرورت ہے! ہم جو بے دھڑک مرید کرتے ہیں، اگر ہمارا مقصد یہ ہو کہ زیادہ مرید ہو گئے تو زیادہ چندہ آئے گا، زیادہ پیسے ملیں گے، خواہ یہ جہنم میں جائیں یا جنت میں جائیں، تو پھر ہمارا حشر بھی، اللہ معاف کرے، بہت بُرا ہوگا۔ ایسے پیر کے بچنے کا کوئی امکان نہیں۔ شیخ کے دل میں درد ہو اور درد بھی دل کی گہرائی میں ہو کہ اللہ مرید کی اصلاح فرما دے اور اُس کے لئے کوشش بھی

کرے، محنت کرے، زبانی سمجھائے، ساتھ عمل کرائے، اللہ کی یاد پختہ کرے تاکہ اس کے عقائد درست ہوں، کردار کی اصلاح ہو، ممکن حد تک کوشش ضرور کرے۔ اب تو یہ رواج ہو گیا ہے کہ پیر مرتا ہے تو بیٹے مرید بانٹنا شروع کر دیتے ہیں جیسے ہم زمینداروں کے بیٹے زمین بانٹتے ہیں، کارخانہ داروں کے بیٹے کارخانے کے حصے بانٹتے ہیں۔ پیر صاحب مرتے ہیں تو مرید بھی بانٹے جاتے ہیں کہ فلاں فلاں سے تم شرینی لیا کرو اور فلاں فلاں سے میں لوں گا۔ یہ سب خرافات ہیں، ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

پھر فرمایا ہم نے تم پر یہ احسان فرمایا کہ تمہیں آلِ فرعون سے بچا کر، سمندر کا جگر چیر کر پار پہنچایا اور پھر موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے، چالیس راتیں کوہِ طور پر بلایا تاکہ قوم سے کٹ کر علیحدگی میں، تنہائی میں، کم کھائیں، کم سوئیں، کسی سے بات نہ کریں، صرف اللہ اللہ کرتے رہیں کہ قوت ملکوتی بڑھتی جائے۔ انبیاء کرام علیہم السلام میں تو وہ ہوتی ہی ہے لیکن پھر بھی اللہ کے نبیؑ کو ضرورت پیش آئی کہ وہ تنہائی میں چلہ لگائیں' چلے کی اصل بھی ثابت ہوئی، فضول باتیں نہ کریں، کسی سے ملیں نہیں۔ یاد رہے ہر ملنے والے کا بھی اثر ہوتا ہے، ہر بات کا بھی اثر ہوتا ہے۔ وہ بھی اللہ کا احسان تھا کہ کتاب ہدایت دینے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو بلایا لیکن تم وہ لوگ ہو کہ سب کچھ دیکھنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں بچھڑے کی پوجا کرنے لگ گئے۔

اسرائیلیوں میں جادوگر قسم کا ایک شخص تھا جس کا نام سامری تھا۔ جبرائیل امین جب گھوڑی پر سوار گزرے تو سامری نے دیکھا کہ جہاں گھوڑی کا پاؤں آتا ہے وہاں سبزہ پیدا ہو جاتا۔ اُس نے وہاں سے مٹی اُٹھا کر سنبھال لی۔ جب موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پہ تشریف لے گئے تو سامری نے بنی اسرائیل سے وہ زیورات اکٹھے کئے جو وہ آتے ہوئے آلِ فرعون کے اٹھا لائے تھے۔ ان زیورات کو ایک بھٹی میں گلا کر اس نے ایک بچھڑا بنایا اور جب اس میں وہ خاک ڈال دی جو اس نے جبرائیل امین کی گھوڑی کے قدموں سے اٹھائی تھی تو اُس میں زندگی کے کچھ آثار نظر آنے لگے۔ اُس نے دیکھا تھا کہ جہاں گھوڑی کا پاؤں پڑتا ہے، وہاں حیات پیدا ہو جاتی ہے تو چونکہ اس شعبے کا بندہ تھا، اُس نے وہ مٹی اٹھالی اور اس میں ڈال دی تو وہ بچھڑا حرکت کرنے لگا، آواز نکالنے لگا۔ اب اُسی سے آواز آ رہی ہے۔

بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ اُس میں کچھ ایسے سوراخ کر دیئے کہ جن سے آواز آتی تھی۔ اُس نے لوگوں سے کہا، موسیٰ تو پتہ نہیں کہاں کھو گئے، کدھر چلے گئے خدا تو یہ تمہارے پاس آ گیا، خدا تو ادھر ہے اور موسیٰ طور پہ بیٹھا ہے! اب بنی اسرائیل میں دو رائے ہو گئیں، کچھ لوگوں نے کہا تمہاری بات نہیں مانیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام آئیں گے، اگر اُنہوں نے کہا یہ خدا ہے تو ٹھیک ہے، نہیں تو ہمیں موسیٰ علیہ السلام نے

ہدایت کا راستہ دکھایا، قبطیوں سے نجات دلائی، سمندر کا جگر چیر کر ہمیں پار پہنچایا، اب یہاں آ کر ہم تیری بات کیسے مان لیں لیکن بہت سے لوگ اُس کی بات مان کر اس بچھڑے کو سجدہ کرنے لگ گئے۔ اللہ کریم فرماتا ہے۔

تم تو وہ ہو کہ جب میں نے موسیٰ علیہ السلام کو طور پر چالیس راتوں کے رہنے کا حکم دیا تو ان کی عدم موجودگی میں ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ۝۵۱ تم نے اُس کے بعد بچھڑے کی پوجا شروع کر دی، تم کتنے ظالم ہو، تم نے کتنی بڑی زیادتی کی، اس لئے کہ شرک تو سب سے بڑا ظلم ہے۔اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان:13) اللہ کی ذات یا اُس کی صفات میں کسی کو شریک ماننا یہ تو بہت بڑا ظلم ہے اس جیسا کوئی دوسرا ظلم نہیں اور تم اُس میں مبتلا ہو گئے۔

واپس آ کر موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم پر لعن طعن کی، بڑے ناراض ہوئے اور قرآن حکیم میں موجود ہے کہ اُنہوں نے الواح پھینک دیں جو انہیں لکھی لکھائی مل گئی تھیں۔ یہ تختیاں تھیں جن پر کتاب لکھی ہوئی تھی۔ ہارون علیہ السلام کو چھوڑ گئے تھے اُن کے ساتھ بھی ناراض ہوئے۔ آگے ذکر آ رہا ہے کہ اُن کے بال پکڑ لیے، داڑھی پکڑ کر کھینچی کہ تمہیں میں کس لئے چھوڑ گیا تھا! انہوں نے عرض کی کہ آپ میرے ساتھ خفا ہو رہے ہیں، میں نے بہت کوشش کی لیکن یہ مجھے قتل کر دینے کے بھی درپے تھے۔ اس لئے چپ ہو گیا کہ آپ علیہ السلام کہیں گے کہ تو نے بنی اسرائیل میں فساد ڈال دیا، مجھے آنے دیا ہوتا۔ میری تو یہ بات ہی نہیں سن رہے تھے بلکہ قتل کرنے پہ آمادہ تھے۔

اب موسیٰ وعلیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہنے پر بنی اسرائیل توبہ پر مائل ہوئے، واپس آ گئے اور رجوع کر لیا۔ یہی کمال شیخ ہوتا ہے کہ آدمی غلط راستے پر جا رہا ہے اور اُس کا ساتھ نصیب ہو، اُس کی توجہ نصیب ہو تو توبہ نصیب ہو جاتی ہے اور یہ بہت بڑا کام ہے۔ یہ اتنا بڑا کام ہے کہ دوسرا کوئی کام اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہم تو خرافات میں کھو گئے ہیں۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

ہم تو محض خرافات میں کھو گئے ہیں کہ فلاں پیر ہے اُسے سال میں ایک دفعہ شرینی دے دو، پھر نماز پڑھو نہ پڑھو، روزہ رکھو نہ رکھو، حرام کماؤ حلال کماؤ، تم بخشے جاؤ گے۔ یہ سب فضول ہے، یہ کوئی طریقہ نہیں ہے، کوئی دین نہیں، بلکہ بے دینی ہے اور حرام شرعی کو حلال سمجھنا بجائے خود کفر ہے۔ جس چیز کو اللہ اور اللہ کے

رسول ﷺ نے حرام قرار دیا اُسے حرام سمجھ کر کھانا گناہ ہے اور اُسے حلال سمجھنا کفر ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے انہیں توبہ پر مائل کرلیا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں:

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اتنے ظلم، اتنے جرم، اتنے گناہوں کے بعد میں نے پھر تمہیں معاف کر دیا۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝ تاکہ تم میرے شکر گزار بندے بن سکو۔ یعنی اتنا بڑا ظلم تم نے کیا کہ ایک بچھڑے کو میرا شریک بنالیا اور اُسے پروردگار سمجھ لیا! تم سے تو پھر قبطی اچھے تھے کہ ایک انسان کو خدا مانا ہوا تھا۔ انسان مخلوق میں تو اشرف ہے لیکن تم نے تو مخلوق میں بھی ایک گھٹیا جانور کو اپنا پروردگار مان لیا' تم کتنے گئے گزرے لوگ تھے! رحمت الٰہی کو دیکھو کہ موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پہ تم واپس آئے، میں نے تمہیں پھر قبول کرلیا۔ ہم میں سے ہر کوئی میرے سمیت اپنی زندگی پہ نظر ڈالے اور اُس کی رحمت پہ نظر ڈالیں تو یہ اُسی کا حوصلہ ہے کہ ہمیں قبول کر لیتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہم سب کے کردار اگر بہن بھائیوں اور والدین پہ عیاں ہو جائیں تو شاید وہ بھی ہمیں منہ نہ لگائیں۔ وہ ستار العیوب ہے، ہمارے گناہوں کا اشتہار نہیں دیتا، ہماری غلطیاں دوسروں کو نہیں بتاتا اور پھر جب ہم واپس آتے ہیں تو کہتا ہے جو کچھ کر چکے ہو معاف کر دیا۔

آپ ﷺ کی خدمت میں کسی شخص کا تذکرہ کیا گیا جو کہ بڑا گناہ گار تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی زمین و آسمان کو گناہوں سے بھر دے، جتنا خلا ہے اُس کے گناہوں سے بھر جائے، وہ پھر بھی اللہ کی رحمت کو عاجز نہیں کرسکتا، اُس کی رحمت سب سے وسیع تر ہے۔ شیخ یا مرشد کی یہ خصوصیت ہونی چاہئے کہ وہ توبہ کی آرزو پیدا کر دے، تمنا پیدا کر دے، واپسی کا راستہ دکھائے اور اللہ کی بارگاہ میں پہنچا دے۔

تمام آسمانی کتب ذریعہ ہدایت ہیں:

پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی۔ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ ایسی کتاب دی جس نے حق کو حق اور باطل کو باطل، الگ الگ کر دیا۔ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۝ تاکہ تمہیں سیدھا راستہ نصیب ہو جائے۔ تمام کتابیں جو آسمان سے آئیں، تورات تھی، انجیل تھی یا دوسرے انبیاء علیہم السلام کے صحائف تھے، سب اپنے اپنے وقت کے لئے ہدایت کا سامان لئے ہوئے تھے۔ جو کتاب محمد رسول اللہ ﷺ پہ نازل ہوئی اللہ کی یہی کتاب قیامت تک کے لئے ساری مخلوق کی ہدایت کا سامان لئے ہوئے ہے۔ آج بھی حق وہی ہے جسے اللہ کی کتاب اور اللہ کا حبیب ﷺ حق کہتا ہے۔ دنیا لاکھوں کروٹیں لے لے، یہ اللہ کا بنایا ہوا قانون ہے اور ہر حال میں قابل عمل ہے۔ دنیا میں کتنا بڑا فرق ہے، کتنے فاصلے ہیں، قومیں مختلف ہیں، زبانیں مختلف

ہیں، رنگ مختلف ہیں، غذائیں مختلف ہیں، بیماریاں مختلف ہیں، دوائیں مختلف ہیں، موسم مختلف ہیں لیکن ہر جگہ اذان بھی ہو رہی ہے، نماز بھی ہو رہی ہے، ہر جگہ رمضان بھی ہے، زکوٰۃ بھی ہے، دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ حج بھی کرتے ہیں۔ کوئی ایسی بات نہیں جو وقت کے گزرنے کے ساتھ ناقابل عمل ہو جائے۔ جو تعلقات بندوں کے اللہ سے ہیں، اُن میں ایسا حسن دیا اور ایسی عبدیت دی ہے کہ کائنات لاکھوں برس گزار لے تو اُن میں کوئی تبدیلی کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ جو طریقے بندے کے بندے کے ساتھ تعلق کے دیے ہیں، اُن میں کیسے تبدیلی آئے گی؟ بندے کا بندے کے ساتھ رابطہ یا تعلق زیادہ اہم ہے یا بندے کا اللہ سے تعلق زیادہ اہم ہے؟ بندے اور اللہ کے تعلق کا جو طریقہ قرآن کریم نے بتایا اُس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، تو جو طریقہ بندے کا بندے کے ساتھ معاملہ کرنے کا ہے اُس میں تبدیلی آ جائے گی؟ یہ کیسی بات کرتے ہیں!

اجتہاد:

روزانہ شور ہوتا ہے کہ اجتہاد ہونا چاہیے۔ قومی اسمبلی اجتہاد کرے! کمال ہے آپ نے اجتہاد کا مفہوم ہی نہیں سمجھا۔ جانتے ہو اجتہاد کیا ہوتا ہے؟ اجتہاد ہوتا ہے کہ کوئی واقعہ ہو گیا، قرآن سے تلاش کیا، کوئی واضح حکم نہیں ملا، حدیث مبارک سے تلاش کیا، اُس کے لئے کوئی واضح حکم نہیں ملا، فقہ میں پڑھا، کوئی فیصلہ نہیں ملا۔ اب کیا کیا جائے، اجتہاد کیا جائے۔ اجتہاد کون کرے؟ جو قرآن سے کماحقہ واقف ہو، عربی زبان سے کماحقہ واقف ہو، آیات کے نزول سے واقف ہو، آیات کے مفاہیم سے واقف ہو، حدیث شریف پر گہری نظر رکھتا ہو، صحیح احسن، ضعیف، موضوع، ہر قسم کی حدیث اور راویان حدیث پہ اُس کا گہرا مطالعہ ہو، فقہ پہ عبور حاصل ہو، اُسے اجتہاد کرنے کا حق ہے۔ آپ کی اسمبلی میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ اجتہاد کیا ہے؟ جو اُس واقعہ کی مماثلت متقدمین کے ادوار میں تلاش کر سکیں اور اُس کے مطابق ایسا فیصلہ کر سکیں جو اُن حدود سے باہر نہ ہو جو قرآن اور حدیث نے متعین کی ہیں۔ اب یہ اجتہاد نہیں ہے کہ آج کے دور میں کوئی کہہ دے، جی اب زمانہ بدل گیا ہے، اب شراب حلال ہے۔ یہ اجتہاد نہیں ہے یہ کفر ہے جیسے آج کے دانشور جسارت کر رہے ہیں کہ قرآن میں اِجْتَنِبُوْا کا لفظ ہے، یعنی شراب سے اجتناب کرو۔ یہ دانشور کہتے ہیں کہ حرام تو نہیں ہے، کوئی انسان اجتناب نہیں کر سکتا تو گناہ ہوگا، حرام تو نہیں ہے! یہ اجتہاد نہیں، یہ کفر ہے۔ اس لئے کہ قرآن نازل ہوا محمد ﷺ پر اور جس طرح قرآن کے الفاظ سوائے محمد ﷺ کے کوئی نہیں جانتا اُسی طرح قرآن کے مفاہیم بھی سوائے محمد ﷺ کے کوئی نہیں سمجھتا۔ محض عربی دانی کے ذریعے سمجھتے ہوتے تو عرب

میں بڑے بڑے شعراء تھے، بڑے بڑے ادیب تھے، مورخ تھے اُنہوں نے تفسیریں لکھی ہوتیں، لیکن جب کوئی آیت اُترتی اور حضور ﷺ صحابہ کرامؓ کو سنا کر پوچھتے کہ اس کا مطلب کیا ہے تو وہ عرض کرتے:

اللہ ورسولہ اعلم اس کا مفہوم اللہ جانتا ہے اور اللہ کا رسول ﷺ جانتا ہے۔ جو آپ ﷺ فرمائیں گے وہ معنی ہے۔ صحابہؓ نے کیا سمجھا، جو آپ ﷺ نے فرمایا۔ آج کے بعد شراب حرام ہے، ہر وہ چیز جو نشہ دے، حواس مختل کردے وہ حرام ہے۔ کُل مسکر جو چیز بھی حواس مختل کردے وہ حرام ہے۔ چونکہ اُس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی، مدینہ منورہ کی گلیوں میں اتنی شراب بہائی گئی کہ جب بارش ہوتی تو اس میں تیزابیت پیدا ہو جاتی، مٹی سے بلبلے اُٹھتے تھے۔ کیا سمجھا یا حضور ﷺ نے اور صحابہؓ نے کیا سمجھا! اب اس میں اجتہاد کی کیا ضرورت ہے، اس میں کونسی غلط فہمی ہے! قرآن کی تحریف کرنا یا اُس کے معنی بدلنا اجتہاد نہیں، یہ کفر ہے۔ اجتہاد یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی حدود کے اندر کوئی مثال تلاش کر کے اُس کی مثل اُس کا فیصلہ کیا جائے۔ فرمایا: ''ہم نے تو درگزر فرمایا تم سے اور اُس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی جو فرقان تھی جس نے حق اور باطل میں تفریق کردی' لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴿۵۳﴾ تاکہ تمہیں ہدایت نصیب ہو۔

جب موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ والصلوٰۃ والسلام طور پر تشریف لے گئے تو ان کی عدم موجودگی میں قوم گوسالے کی پرستش میں مبتلا ہوگئی۔ اللہ کریم اس جرم عظیم کے متعلق فرماتے ہیں۔ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ اتنے بڑے جرم کو ہم نے معاف کر دیا تاکہ تم شکر ادا کر سکو اور موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی جو حق و باطل میں تفریق کرنے والی تھی تاکہ تم حق پر قائم رہو اور سیدھے راستے پر چل سکو۔ موسیٰ علیہ السلام کی توجہ اور برکت سے قوم توبہ پر مائل ہوگئی لیکن توبہ اس طرح آسان نہیں تھی جس طرح امت مرحومہ پر آسان ہے۔ آقائے نامدار ﷺ کا ارشاد ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے پاک ہوجاتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کبھی زندگی میں کیا نہ ہو۔

توبہ کا مفہوم:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ او کما قال رسول اللہ ﷺ امت مرحومہ پر اللہ جل شانہٗ کا یہ احسان ہے کہ کسی بھی وقت خلوصِ دل سے یہ کہہ دے کہ میں جو آج تک کر چکا ہوں، جتنی غلطیاں، جتنے گناہ، جتنے جرائم مجھ سے سرزد ہوئے ہیں، میں ان سب سے تائب ہوکر آئندہ زندگی اللہ کی اطاعت پر گزارنے کا عہد کرتا ہوں اور توبہ کا مطلب بھی یہ ہے کہ عملاً وہ برائیاں چھوڑ دے اور نیکی اپنالے تو حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ توبہ کرنے والا

ایسے پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے اُس نے کبھی زندگی میں کوئی جرم کیا ہی نہ ہو۔

موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کی توبہ بھی قبول ہوئی لیکن اس قدر آسانیاں نہیں تھیں۔
وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم نے بچھڑے کی پوجا کر کے بہت بڑا ظلم کیا ہے اور اپنے آپ کو تباہ کر دیا ہے، اب اللہ کریم کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کر دو۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ تمہارے پروردگار کو یہی منظور ہے اور یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

اللہ کریم کی طرف سے توبہ کا یہ طریقہ بتایا گیا کہ جس نے بچھڑے کو سجدہ کیا ہے وہ اپنی گردن رکھے اور جس نے سجدہ نہیں کیا وہ اس کی گردن مار دے۔ جو قتل ہو جائے گا اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور جو قتل ہونا نہیں چاہتا اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے بھی اس خلوص سے توبہ کی کہ قتل ہونا قبول کر لیا۔ جنہوں نے گئوسالے کو سجدہ کیا تھا، انہوں نے اپنی گردنیں جھکا دیں اور جنہوں نے سجدہ نہیں کیا تھا اُنہوں نے گردنیں مارنا شروع کر دیں۔ اب یہ اللہ کریم ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے لوگ قتل ہوئے اور کتنا وقت اس میں لگا لیکن ایک عجیب عالم تھا کہ کہیں باپ کو بیٹا قتل کرنا پڑ رہا تھا اور کہیں بیٹے کو باپ، کہیں بھائی کو بھائی اور کہیں قریبی عزیز کو دوسرا قریبی عزیز قتل کر رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس طرح سے تقسیم فرما دیا کہ جن لوگوں نے سجدہ نہیں کیا وہ اپنے اپنے ان عزیزوں کی گردنیں ماریں جنہوں نے گئوسالے کو سجدہ کیا ہے۔ اللہ کریم کا یہ احسان تھا اور یہ موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہ کی برکات تھیں کہ اتنی مشکل توبہ سے بھی انہوں نے انکار نہیں کیا اور انہیں اس سے گزرنا پڑا۔

مقصد حیات:

اسلام نے زندگی کا ایک ٹھوس اور یقینی مقصد دیا ہے۔ زندگی کا مقصد یہ نہیں کہ کوئی شخص دولت جمع کر لے یا اقتدار حاصل کر لے یا زیادہ اولاد پال لے، یہ زندہ رہنے کا ایک راستہ ہے جس میں یہ ساری چیزیں ضروری ہیں۔ انسان محنت بھی کرتا ہے، دولت بھی کماتا ہے، اللہ کرسی دے تو اقتدار میں بھی حصہ لیتا ہے لیکن یہ ساری چیزیں ایک قاعدے، ایک مقرر شدہ طریقے اور راستے کے مطابق کرتا ہے، تب وہ مسلمان ہے۔ اسلام نے زندگی کے کسی کام پر قدغن نہیں لگائی لیکن اس کے کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ کمانے کا طریقہ یہ ہے، خرچ کرنے کا طریقہ یہ ہے، یہ دوستی کا طریقہ ہے، یہ دشمنی کا طریقہ ہے، اولاد پالنے کا سلیقہ یہ ہے، یہ گھر

بنانے کا طریقہ ہے۔ آرام سے رہے، زیادہ دولت کمائے لیکن حلال اور جائز وسائل سے۔ ناجائز کمانے سے بھوکا رہنا بہتر ہے، اس لئے کہ دولت کمانا مقصد نہیں۔ دنیا کی امتحان گاہ سے سرخرو ہو کر اللہ کریم کے سامنے جانا مقصد ہے۔ وہ شخص کامیاب ہے جو دنیا میں زندگی گزار کر ربِ کریم کے حضور سرخرو ہو کر جائے۔ اب اگر اللہ کریم اس بات پہ راضی ہے کہ تم اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کر دو تو مقصد اس کی بارگاہ میں سرخرو ہو کر پہنچنا ہے، زندہ رہنا مقصد نہیں تھا۔ لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کر دو، یہی اللہ کو پسند ہے اور اس میں تمہاری بہتری ہے۔ زندگی نے ایک دن ختم ہونا ہے۔ زندگی موت کی امانت ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ الکریم فرماتے ہیں کہ جس طرح رزق بندے کو تلاش کرتا ہے، جہاں وہ جائے اس کا نصیب اسے ملتا ہے، اسی طرح موت زندگی کی حفاظت کرتی ہے اور اپنے وقت پر آتی ہے۔ زندگی نے تو ختم ہونا ہے، موت نے آنا ہے۔ اب اگر موت ہی اللہ کی رضا کی شرط ٹھہری تو بسم اللہ! مقصد تو رضائے باری کا حصول ہے، چنانچہ لوگوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔

فرمایا: اگر ایسا کرو گے تو وہ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا۔ اس لئے کہ وہ توبہ قبول کرنے والا اور بہت بڑا رحم کرنے والا ہے۔ اس کی رحمت بے کنار ہے۔ وہ بہت رحیم ہے۔ قتل کا یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا، آخر موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی بارِ الٰہی! کب تک قتل ہوتے رہیں گے جب انہوں نے مان لیا ہے تُو تو کریم ہے، تجھے کیا ضرورت ہے کہ یہ مارے جائیں اور یہ تیری مخلوق ہے، تو کرم فرما۔ چنانچہ ان کی دعا کی قبولیت میں ارشاد ہوا کہ جو قتل ہو چکے ہیں ان کو شہادت کا درجہ دوں گا اور جو قتل نہیں ہوئے ان کی توبہ بغیر قتل ہوئے قبول فرماتا ہوں۔

خلوصِ قلب اعمال کی روح ہے:

اعمال میں جو درجات یا جسے آپ ثواب کہتے ہیں یا اجر ہوتا ہے وہ قلبی خلوص کے مطابق ہوتا ہے۔ ایک شخص ایک کام کرتا ہے لیکن اس کے دل میں یہ ہے کہ لوگ مجھے نیک کہیں، لوگ مجھے پارسا کہیں یا کوئی دنیوی نفع کا حصول مقصد ہے کہ میں یہ کام کروں گا یا اتنی عبادت کروں گا یا اتنی تسبیحات پڑھوں گا تو مجھے یہ دنیوی فائدہ ہوگا، تو یہ ساری محنت اللہ کے نزدیک رائیگاں ہوگی۔ اگر اس کے دل کے نہاں خانہ میں اور دل کی گہرائیوں میں یہ بات ہے کہ میں یہ کام اللہ کی رضا کیلئے کر رہا ہوں تو اللہ کی رضا کیلئے قتل ہونا بھی اتنی ہی عبادت ہے جتنی عبادت سجدے کرنا ہے۔ جہاں اللہ قتل کا حکم دیتا ہے، جہاں جہاد کا حکم آتا ہے، جہاں شرعی

طریقے سے اور شرعی شرائط کے ساتھ جہاد کیا جاتا ہے تاکہ اللہ کریم مجھ سے راضی ہو، تو قتل کرنا بھی عبادت ہے اور قتل ہونا بھی عبادت ہے۔ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے تھے، قتل کرتے بھی تھے اور قتل ہوتے بھی تھے۔ زندہ رہنا بھی عبادت ہے، سونا بھی عبادت ہے۔ جاگنا بھی عبادت ہے، کھانا بھی عبادت ہے، کمانا بھی عبادت ہے، چلنا پھرنا بھی عبادت ہے، دوستی کرنا بھی عبادت ہے، دشمنی بھی عبادت ہے، شرط صرف ایک ہے کہ ہر کام اللہ کی رضا کیلئے ہو اور اللہ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق ہو۔ کسی کام پر قدغن نہیں ہے۔ فلاں شخص صرف نفل پڑھتا رہتا ہے اس لئے وہ بہت نیک ہے بلکہ اس سے زیادہ نیک وہ ہے جو نفلوں کے وقت نفلیں پڑھتا ہے اور کام کے وقت کام کرتا ہے، جہاد کے وقت جہاد کرتا ہے اور خرید وفروخت کے وقت خرید وفروخت کرتا ہے۔ جو شخص عملی زندگی کے جتنے زیادہ کاموں میں حصہ لیتا ہے اور ان کاموں کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق انجام دیتا ہے، اس کے سارے کام عبادات بنتے چلے جاتے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی زندگی رکوع وسجود تھی:

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن کریم میں جہاں ان کے اوصاف ارشاد ہوئے وہاں یہ ارشاد ہوا۔ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (الفتح:29) تو انہیں ہر وقت رکوع اور سجود میں دیکھتا ہے۔ اگر ظاہری الفاظ پہ لیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ صحابہ کرامؓ سوائے رکوع اور سجود کے، کچھ بھی نہیں کرتے تھے۔ چونکہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ تو جب بھی انہیں دیکھے گا، رکوع اور سجود میں دیکھے گا۔ وہ زندگی کے سارے کام کرتے تھے، کاشتکاری کرتے تھے، کھیتی باڑی کرتے تھے، تجارت کرتے تھے، دوستیاں دشمنیاں تھیں، لین دین تھا، امورِ خانہ داری تھے، بچے پالتے تھے، گھر بناتے، سارے کام کرتے لیکن ہر کام میں شرط یہ ہوتی تھی کہ وہ اللہ کی رضا کیلئے کیا جائے اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق کیا جائے لہٰذا ان کے سارے کام رکوع اور سجود شمار ہوتے تھے۔ تو اس آیہ کریمہ کا مفہوم یہ نکلے گا کہ تم انہیں خلافِ مرضیات باری کبھی کوئی کام کرتے نہیں دیکھو گے۔

فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ وہ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا اس لئے کہ توبہ قبول فرمانا اسی کی شان کو زیبا ہے اور وہ رحم کرنے والا ہے۔ اب جب تم پر اتنی رحمت فرمائی اور وہ مشکل جس سے تم گزرے اسے شہادت کا مرتبہ عظیم دے دیا اور جو بچ گئے ان کی خطا معاف کر دی تو اس کے باوجود تمہارا

کردار یہ تھا کہ تم پھر موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے، آپ فرماتے ہیں کہ وحی آتی ہے اور مجھے اللہ کی طرف سے احکام ملتے ہیں لیکن آپ علیہ السلام ہی سنتے ہیں، ہم نے تو نہیں سنا کہ آپ علیہ السلام کو اللہ کریم یہ کہہ رہا ہے۔ اب ہم کیا کریں، ہمیں وہ یقین کیسے نصیب ہو؟ جب آپس میں ملے، ماحول بدلا تو پھر بات بدل گئی اور بنی اسرائیل نے ایک سوال اور کھڑا کر دیا۔

اثراتِ محفل:

انسان جس محفل میں رہتا ہے اس کے اثرات قبول کرتا ہے۔ ہم جب ابتداء میں اللہ اللہ کیا کرتے تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لطائف سیکھا کرتے تھے تو آپ فرمایا کرتے تھے کہ نماز تو باجماعت پڑھو لیکن جماعت کے بعد الگ ہو جایا کرو، سنتیں اور نوافل الگ پڑھا کرو یا گھر جا کر پڑھ لیا کرو، زیادہ دیر نمازیوں میں بھی نہ رہو۔ کیسے کیسے لوگ ہیں، ان کی کیا کیا سوچ اور فکر ہے، ان کا کیا کیا کردار ہے، ان ساری چیزوں کا پرتو پڑے گا اور تم مبتدی ہو، شاید برداشت نہ کر سکو، شاید اُن لوگوں میں رہنے کی وجہ سے تم بھٹک جاؤ۔

بنی اسرائیل کا انوکھا مطالبہ، رویتِ باریِ تعالیٰ :

جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو توبہ پر قائل کر لیا تو انہیں اعتماد و یقین کا وہ درجہ حاصل ہوا کہ قربِ الٰہی کے لئے انہوں نے اپنی جانیں بھی دے دیں لیکن جب وہی لوگ اپنے ماحول میں لوٹے تو دل پھر پلٹ گیا۔ ایسے عجیب المزاج لوگ تھے کہ ایک وقت جان دینے کو تیار ہو گئے اور دوسرے ہی لمحے یہ سوچنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام بتاتے ہیں کہ اللہ نے کہا قتل ہو جاؤ تو ہم قتل بھی ہو گئے، پھر کہا اب اللہ کہہ رہا ہے قتل نہ ہو ہم قتل نہ ہوئے لیکن ہم نے تو سنا نہیں اللہ نے کب کہا؟ موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں میں نے سنا لیکن ہم نے تو نہیں سنا۔ کوئی اور شخص، ہمارے کوئی بزرگ، ہمارے کوئی سفید پوش، کوئی لیڈر، کوئی تو سنتا، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کریم کے سامنے ان کی یہ خواہش بھی پیش کر دی۔

بنی اسرائیل نے چند افراد منتخب کئے جو آپ علیہ السلام کے ساتھ طور پر جائیں اور آ کر یہ بتائیں کہ واقعی اللہ کلام فرما رہا تھا اور ہم نے بھی سنا۔ جب وہ گئے تو اللہ نے اپنا کرم فرمایا۔ اب دیکھو یہ اللہ کا کتنا احسان ہے کہ جو ارشاد ذاتِ باری، ذاتی کلام صرف نبیؑ ہی سن سکتا ہے، چونکہ نبیؑ کو وہ درجہ پاکیزگی اور طہارت اور لطافت حاصل ہوتا ہے کہ وحی کو سن سکے، اللہ نے انہیں بھی سنوا دیا لیکن یہ کیسے بدنصیب تھے کہ کج بحثیوں میں پڑے رہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت عالی میں ایک کاتب وحی ہوتا تھا۔ جب انسانی تخلیق کے متعلق رب کریم کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی جس میں ہے کہ ہم نے قطرے سے گوشت کا لوتھڑا بنایا، پھر اس میں ہڈیاں پیدا کیں، پھر اُس پر کھال چڑھائی پھر اس میں روح ڈالی: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ○ (المومنون: 14) تو حضور ﷺ اسے کتابت کروا رہے تھے۔ جب یہ آخری آیت آپ ﷺ نے کتابت کروائی، فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ؁ تو وہ چونکہ پرتو جمال نبوی ﷺ میں تھا، کاتب وحی تھا، اس قربت نبوت سے اس کی یہ کیفیت ہوئی کہ جب وحی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب اطہر پر وارد ہوئی اور مکمل ہوگئی تو حضور ﷺ کے قلب اطہر سے اس کے قلب میں بھی وہ بات آگئی۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ؁ اب یہ انتہائی قرب کی اور فخر کی بات تھی لیکن وہ اس بات سے پھسل گیا کہ یہ تو حضور ﷺ سوچ سوچ کر لکھوا رہے ہیں۔ میرے دل میں بھی آ گیا تھا کہ آگے فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ لکھیں۔

زندگی بھی کیا عجیب تماشا ہے اور بھٹکنے کے لئے قدم قدم پر کتنے حسین جال ہیں۔ یہ انتہائی قرب نبوی ﷺ تھا۔ اس کے قلب کی طرف حضور ﷺ کے قلب اطہر کی بھرپور توجہ تھی کہ جب وحی مکمل ہوگئی تو جو بات قلب اطہر میں تھی، اس کے قلب میں بھی منتقل ہوگئی۔ اگر ایمان پہ رہتا تو شاید اپنی اس صفت میں امت میں منفرد شخص گنا جاتا لیکن وہ اس بات سے مرتد ہوگیا کہ یہ بات تو میرے دل میں بھی آ گئی، اور جو شخص کیفیات حاصل کر کے مرتد ہوتا ہے اسے توبہ کی توفیق بھی نہیں ملتی، پھر مرتد ہی مرتا ہے۔

ہم معمول کے مطابق جو ذکر کیا کرتے تھے، صبح شام، دن رات چلتا۔ ہمارا اپنا انداز تھا۔ اللہ کا یہ احسان تھا کہ ہم گھنٹے گنا کرتے تھے کہ کتنے گھنٹے لطائف کیے، منٹ شمار ہی نہیں ہوتے تھے اور الحمدللہ سحری کا ذکر میں عموماً چار گھنٹے کیا کرتا تھا۔ سالک المجذوبی تک مراقبات تھے۔ ایک دن میں اکیلا ڈیرے پر مراقبات کر رہا تھا کہ مجھے ایک عجیب سی کیفیت محسوس ہوئی، میں احدیت پر بھی ہوں، معیت پر بھی ہوں، اقربیت پر، سالک المجذوبی تک، ہر مقام پہ میں کھڑا ہوں، بیت اللہ شریف میں بھی ہوں، بارگاہِ رسالت ﷺ میں بھی ہوں۔ میں پریشان ہوگیا کہ مجھے کوئی دھوکا لگ رہا ہے یا کوئی عجیب بات ہے، ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا۔ اگلے ہی روز میں علی الصبح روانہ ہوا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا۔ میں بڑا پریشان تھا، فرمایا کیا بات ہے۔ میں نے ڈرتے ڈرتے بتایا کہ حضرت مجھے اس طرح محسوس ہوا، میں پریشان ہوگیا ہوں کہ مجھے شیطان دھوکا دے رہا ہے یا کہیں مشاہدے میں غلطی لگ رہی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ بڑے ہنسے اور فرمایا، پرسوں مجھے یہ قوت اور سعادت نصیب ہوئی ہے کہ میری روح ہر مقام پر ہوتی

ہے تم نے دیر ہی نہیں کی، فوراً تمہاری طرف منتقل ہوگئی۔

اجر کا مدار کیفیات قلبی پر ہے:

ہر کام میں جو دل کی گہرائی اور خلوص ہوتا ہے، اس کے مطابق اجر ملتا ہے۔ ایک ہی کام سو آدمی کرتے ہیں اور سو کی کیفیت اپنی اپنی ہوتی ہے لیکن اسی کام کا اجر سو بندوں کو مختلف ملتا ہے۔ جتنی جتنی کسی کے قلب میں گہرائی اور جتنا قلبی رابطہ ہے، اتنا اتنا ملتا ہے۔ اب میں اکیلا تو نہیں تھا میرے ساتھ تو ہزاروں لوگ تھے جو یہی معمول روزانہ کرتے تھے، مجھ سے زیادہ اچھے اور نیک لیکن یہ اللہ کا احسان تھا اور اگر یہی کیفیت الٹ جائے۔ اب آدمی یہ بھی سوچ سکتا ہے کہ یار یہ تو کوئی افسانہ ہی ہے، یہ تو کوئی سمجھ میں آنے والی بات نہیں تو ساری بات گئی۔

بنی اسرائیل پر اتنے کرم کے بعد پھر انہوں نے یہ سوچا کہ عجیب بات ہے کہ موسیٰ علیہ السلام آ کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ نے یہ حکم دیا اور ہم لاکھوں کو یہ حکم ماننا پڑتا ہے! آخر اللہ ہمارا بھی ہے، ہم بھی انسان ہیں، موسیٰ علیہ السلام بھی ہمارے جیسے انسان ہیں، ہمیں بھی تو سننا چاہئے۔ چنانچہ طور پر ساتھ گئے۔ وہاں کچھ باتیں سنائی دیں۔ کہنے لگے، یا موسیٰ! کیا خبر یہ آواز کس کی ہے؟ آواز تو ہم نے سنی لیکن پتہ نہیں کس کی ہے؟ ہوسکتا ہے شیطان کہہ رہا ہو، ہوسکتا ہے کوئی جن کہہ رہا ہو، نظر نہیں آ رہا۔

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً جب تک اللہ ہمارے سامنے آ کر نہیں سنائے گا، ہم اب آپ کی بات ماننے والے نہیں۔ کیسے بدنصیب اور بدبخت تھے کہ کہنے لگے بات تو سنی، نظر نہیں آ رہا، نظر نہ آنے والا کون ہے؟ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ ہم اب آپ کی بات نہیں ماننے والے۔ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً جب تک اللہ کو روبرو نہ دیکھیں۔ اب یہ کتنی بڑی گستاخی تھی! ایک مرتبہ موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے ازراہِ محبت عرض کی تھی، یا اللہ! میرا دل چاہتا ہے میں تیرا جمال اپنی آنکھوں سے دیکھوں، فرمایا موسیٰ! لَنْ تَرٰىنِيْ اس دنیا میں اس دنیوی نگاہ سے آپ نہیں دیکھ سکتے۔ آخرت میں ہر مومن کو دیدار ہوگا۔ اس لئے کہ وہ عالم بدل جائے گا۔ نگاہ بدل جائے گی۔ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ۝ (ق:22) تمہارے پردے، حجابات ہٹا دیئے گئے اور تمہاری نگاہ کو فولاد بنا دیا گیا، مضبوط کر دیا گیا۔ یہاں تو وہ عالم نہیں، یہ عالم دنیا ہے، فرمایا: موسیٰ! لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ (الاعراف:143) آپ اُس پار جو پہاڑ ہے، موسیٰ علیہ السلام اِس پہاڑ پر ہیں اور درمیان میں بہت بڑی وادی ہے، اُس پار جو پہاڑ ہے اُس پر

نگاہ کیجئے اور اُس کا حشر دیکھئے۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ (الاعراف:143) تو ذرا سی تجلی باری اُس پہاڑ پر پڑی اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ اور موسیٰ علیہ السلام جہاں اپنی جگہ کھڑے تھے بے ہوش ہوگئے۔

وہ تو اولوالعزم رسول تھے اور یہ عام آدمی تھے لیکن انہوں نے اس قدر جرأت کی! مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس بات کی تصدیق نہیں ہوسکی کہ ان پر ویسے بجلی گری یا اللہ نے کوئی ذرہ تجلی ذاتی کا ظاہر کیا۔ فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝ تم پر یکا یک ایک بجلی سی لپکی اور تم دیکھتے رہ گئے، سارے مر گئے۔ وہ تو برداشت کر ہی نہیں سکتے تھے۔ جو چیز وہ مانگ رہے تھے، ان میں اُس کی استعداد ہی نہیں تھی اور گستاخی بھی بہت بڑی تھی کہ اللہ کے نبی علیہ السلام پر اعتماد نہیں کیا۔

اعتماد علی الرسول ﷺ:

آج بھی ہمارے دیہاتی بھائیوں میں اور جاہلوں میں ایک جملہ زبان زد عام ہے کہ جی یہ تو جہان سامنے ہے اب آخرت کی کس کو خبر کیا ہے؟ یہ وہی بنی اسرائیل والی بات ہے کہ کیا خبر کون کہہ رہا ہے؟ جب محمد رسول اللہ ﷺ نے بتادیا تو اس میں شک وشبے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہر بندے کو خبر ہے کہ میرا آخرت میں حساب ہوگا، قبر میں سوال و جواب ہوگا۔ اگر ہمیں اللہ توفیق دے اور ہم آخرت دیکھ بھی لیں تو ہمیں غلطی لگ سکتی ہے لیکن جو آقا ﷺ نے بتایا اس میں کوئی غلطی نہیں ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ ہم اگر دیکھ بھی لیں تو ہوسکتا ہے ہم کچھ اور دیکھیں، کچھ اور سمجھیں۔ یہ تو عام مشاہدہ کی بات ہے کہ ہم باہر نکلتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ وہاں کوئی جھاڑی ہے، آگے جاتے ہیں تو وہ جانور ہوتا ہے۔ ہماری نظروں کو یہاں سامنے بھی دھوکا لگتا ہے، ہم اگر دیکھ بھی لیں گے تو کیا ہوگا؟ لیکن ہمیں اس نے خبر دی جس کی نظر نہ بھٹکتی ہے نہ دھوکا کھاتی ہے۔ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ (النجم: 17) نگاہِ اقدس ﷺ نہ حد سے بڑھتی ہے، نہ بہکتی ہے، نہ بھٹکتی ہے۔ جو آپ ﷺ نے دیکھا، جو آپ ﷺ نے بتایا وہ یقین ہے، صحیح ہے، ہمیں خوب معلوم ہے۔

چنانچہ جب بنی اسرائیل کے یہ لوگ تباہ ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے پھر دعا کی، یا اللہ! تو اس قوم کو جانتا ہے کہ یہ تو بڑے بدبخت لوگ ہیں، اب یہ تیرے اس غضب کو میری طرف منتقل کردیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام انہیں اللہ کی بات تو سنوا نہیں سکے، سب کو قتل کردیا۔ یہ ایسے جاہل ہیں کہ جب میں یہ کہوں گا کہ اپنی گستاخی کی وجہ سے ہلاک ہوئے تو یا اللہ! یہ سارے مجھے الزام دیں گے کہ یہ ساتھ لے گئے تھے کہ تمہیں اللہ کی بات سنوادوں گا، سنوا تو

نہیں سکے لیکن بندے مروا دیے۔ فرمایا: ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ میں نے تمہیں اس موت کے بعد پھر زندگی دے دی، پھر سب کو زندہ کر دیا، لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۵۶﴾ تا کہ تم موت سے گزر کر اور دوبارہ زندگی پا کر شکر ادا کر سکو۔

موت کا وقت معین ہے:

اب یہ سوال کہ موت اپنے وقت پر آتی ہے اور موت آجائے تو پھر زندگی نہیں ہوتی، لوٹائی نہیں جاتی؟ یہ موت ان کی وہ قضائے مبرم نہیں تھی کہ ان کی موت کا وقت وہ نہیں تھا۔ موت کا وقت وہ تھا جب بقیہ زندگی پوری کر کے مرتے۔ یہ تو قضائے معلق Hanging Decision تھی، جو اُن کی گستاخی کی وجہ سے بطور سزا ان پر موت مسلط کر دی گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی تو ان کی یہ گستاخی بھی معاف ہوگئی اور نبی علیہ السلام کی دعا کے بعد اللہ نے پھر زندگی دے دی۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۵۶﴾ تا کہ تم شکر ادا کر سکو، تمہیں پھر فرصت مل جائے اور اس سارے واقعہ سے گزر کر تم اپنی قوم کو بھی اللہ کی عظمت پر آمادہ کر سکو اور خود بھی اس کی عظمت کے گیت گاؤ۔ پھر جب تمہیں صحرا میں بھٹکنا پڑا، یہ واقعہ آگے آ رہا ہے، کہنے لگے موسیٰ علیہ السلام دعا کریں ہمیں کوئی گھر مل جائے، ہمارا کوئی گھر نہیں ہے، ہمیں کوئی جگہ مل جائے جہاں کوئی کھانے پینے کی چیزیں ہوں، جہاں کوئی رہنے کی آسائشیں ہوں، کوئی بستر چار پائی ہو، کوئی کھانے پکانے کا انتظام ہو، برتن ہوں، یہ ہو، وہ ہو۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ فلاں شہر میں داخل ہو جاؤ لیکن توبہ کرتے ہوئے جانا۔ اس میں بھی انہوں نے گستاخی کی۔ اُس کے بعد پھر فرمایا کہ اَب فلاں شہر میں جاؤ اور جو لوگ وہاں ہیں ان سے مقابلہ کرنا پڑے گا، اگر چہ فتح تمہاری ہی ہوگی۔ کہنے لگے بھائی ہم سے یہ کام نہیں ہوگا، ہم نہیں لڑیں گے۔ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ (المائدہ:24) موسیٰ علیہ السلام آپ ہی جائیں اور آپ کا رب، دونوں لڑو، جب شہر فتح ہو جائے تو ہمیں بتا دینا، ہم سے تو یہ کام ہونے کا نہیں ہے۔ اللہ کریم نے انہیں بطور سزا ایک صحرا کی وادی میں بھٹکا دیا اور چالیس برس اس وادی میں بھٹکتے رہے۔ سارا دن چلتے، ساری رات چلتے، کیمپ لگاتے لیکن جب سو کر اٹھتے تو پھر اسی جگہ گھوم پھر کر پہنچے ہوئے ہوتے۔ چالیس برس اسی طرح گزر گئے لیکن وہ کیسا کریم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ بارِ الہا! اگر انہیں تو راستہ نہیں دیتا تو ان کا کوئی انتظام فرما، یہ تو ہلاک ہو جائیں گے، تباہ ہو جائیں گے، بھوک سے ہی مر جائیں گے۔ صحرا میں پیاسے مر جائیں گے۔ فرمایا:

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ : ہم نے تم پر بادلوں کا سائبان تان دیا کہ جب گرمی ہوتی بادل آ جاتے، جب ذرا تمازت ہوتی، گرمی برداشت سے بڑھتی ان پر بادل سایہ کر لیتا اور ٹھنڈی ہوائیں چلنا شروع ہو جاتیں۔ ان کے کھانے پینے کے لئے میٹھا اور نمکین دونوں قسم کا کھانا اللہ نے بنا بنایا بھیجنا شروع کر دیا۔ مفسرین کرام کی مختلف آراء ہیں۔ بعض لکھتے ہیں کہ پکے پکائے کھانے آتے تھے۔ بعض فرماتے ہیں کہ وہاں ایک قسم کے زیتون کے درخت عام تھے اور ان پر ایک شرینی سی جم جاتی تھی جو یہ اتار لیتے اور کھا لیتے۔ چھوٹے چھوٹے پرندے بھیج دیے جاتے جو بنی اسرائیل ذبح کرتے اور بھون کر کھا لیتے۔ ایک رائے یہ ہے کہ میٹھے بھی، نمکین بھی دونوں طرح کے کھانے، انہیں پکے پکائے مل جاتے۔ بہرحال قرآن حکیم نے فرمایا:

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ ہم نے میٹھا کھانا بھی نمکین کھانا بھی تم پر نازل کر دیا۔ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ کھاؤ پاکیزہ نعمتیں جو ہم نے تمہارے لئے رزق کر دی ہیں۔ لیکن یہ اس پر بھی شکر ادا نہ کر سکے اور اپنی بات سے پلٹ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام! یہ کیا ہے کہ صبح شام گوشت حلوہ کھاؤ، کوئی نمک ہوتا، کوئی پیاز لہسن ہوتا، کوئی دال ہوتی۔ ہمارے لئے یہ کیا مصیبت ہے کہ صبح شام گوشت کھاؤ، حلوہ کھاؤ، ہم تو پھنس گئے! اللہ کریم فرماتے ہیں:

وَمَا ظَلَمُوْنَا انہوں نے ہمارے ساتھ زیادتی نہیں کی۔ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۝ جتنی بدعہدیاں کرتے تھے، وہ ظلم اپنی جان کے ساتھ کرتے تھے، اللہ کریم کا تو کچھ نہیں بگڑا۔ ایک بات پہ قائم ہوتے اور پھر بدعہدی کرتے، تو یہ اپنے آپ کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔

اصول تجویز، اصول تفویض:

جو نعمت من جانب اللہ نصیب ہو اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ اپنی پسند کے لئے کوشش ضرور کی جا سکتی ہے لیکن نتیجہ اس کی طرف سے ہے۔ جو وہ عطا کرتا ہے وہ ہمارے لئے بہتر ہوتا ہے۔ زندگی کے دو اصول ہیں۔ ایک ہے اصولِ تجویز کہ بندہ خود بیٹھ کر ایک پروگرام بنائے، کہ میرے لئے یہ ہونا چاہئے، وہ ہونا چاہئے، یہ نہیں ہونا چاہئے اور اس پر بضد ہو کہ جو پروگرام میں نے بنایا ہے، یہی مکمل ہو۔ اسے اصول تجویز کہتے ہیں۔ اب تقریباً ہر بندہ، الا ماشاء اللہ، سوائے اللہ کے مقرب بندوں کے، اسی اصول تجویز پہ جی رہا ہے۔ اپنے لئے پسند کرتا ہے مجھے یہ ملنا چاہئے، وہ ملنا چاہئے اور اگر ان میں سے کوئی چیز نہ ملے تو پھر اللہ کریم سے ناراض ہوتا ہے اور شکوے لئے پھرتا ہے۔ زندگی کا دوسرا اصول ہے اصول تفویض، یعنی زندگی کو اللہ کے

دستِ قدرت کے سپرد کر دینا۔ اس میں بھی یہ نہیں کہ بندہ ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ اپنے لئے چیزیں منتخب کرتا ہے، پسند کرتا ہے اور ان کے حصول کیلئے کوشش کرتا ہے لیکن جو چاہتا ہے اگر وہ نہیں ملا بلکہ کچھ اور مل گیا تو اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ حقیقی فیصلہ اللہ کا ہے، وہ مجھے کیا عطا فرماتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہوتا ہے، جیسے بچہ ایک چمکدار چھری لیتا ہے لیکن ماں اس کے ہاتھ سے لے لیتی ہے اور چھری کی بجائے اسے کوئی بے ضرر سی چمکدار چیز دے دیتی ہے کہ اس سے کھیلو۔ اللہ کریم جو تبدیلی فرماتے ہیں وہ بالکل ایسے ہوتی ہے کہ جو ہم اپنے لئے سوچ رہے ہیں وہ ہمارے لئے مضر ہے اور جو وہ عطا کرتا ہے، وہ ہمارے لئے دنیوی طور پر فائدہ مند ہے۔ اگر یہ بات سمجھ میں آ جائے تو زندگی آسان ہو جاتی ہے کیونکہ صدمہ نہیں رہتا، کوئی دکھ نہیں رہتا۔ جو ملا وہی میرے لئے بہتر تھا، جو نہیں ملا وہ میرے لئے بہتر نہیں تھا۔ یہ اصول تفویض ہے جس پہ اسلام اصرار کرتا ہے کہ روزی پیدا کرنے کے لئے کوشش کرو، حلال کمانے کے لئے کوشش کرو، اچھا گھر بناؤ، اچھی گاڑی رکھو لیکن اگر رزق تمہاری کوشش سے زیادہ نہیں ہوتا، کم ملتا ہے تو تمہاری بہتری اسی میں ہے۔ شاید رزق فراواں ہو جائے اور ایمان نہ رہے۔ یہ تو اللہ بہتر جانتا ہے کہ کس کام کا کیا نتیجہ ہوگا؟ وہ جو بھی دیتا ہے وہ تمہارے لئے موزوں اور بہتر ہے۔ اگر اس طرزِ حیات کو، اصول تفویض کو اپنا لیا جائے تو زندگی میں کوئی مسئلہ باقی نہیں رہتا۔ آج ہر گھر میں ہر فرد جو پریشان ہے، اپنی تجویز پر پریشان ہے کہ میں نے ایسا سوچا تھا، ایسا کیوں نہیں ہوا؟ ساری لڑائی کی بنیاد یہ ہے، سارے جھگڑے کی بنیاد، ساری پریشانیوں کی بنیاد یہ ہے۔

فرمایا! جب یہ بدعہدی کرتے تھے تو اپنی تجویز پہ اڑ جاتے تھے۔ اللہ کا تو کچھ نہیں بگڑتا تھا لیکن انہیں سزائیں ملتی تھیں اور قربِ الٰہی کے منازل سے راندے جاتے تھے۔ اسی طرح جب ہم نے انہیں حکم دیا:

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا ہم نے انہیں کہا کہ چلو اب تمہاری یہ قید معاف کرتے ہیں۔ فلاں شہر میں داخل ہو جاؤ، تمہیں کوئی روکے گا نہیں، شہر بھرا ہوا ہے تم جاؤ گے تو خالی کر دیں گے اور شہر میں جو کچھ ہے وہ تم پر حلال ہے۔ شہر میں داخل ہو جاؤ۔

فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا جہاں سے اور جو چاہو کھاؤ پیو، وہ سارا شہر تم پر حلال ہے لیکن ایک بات ہے! تمہیں میں عطا کر رہا ہوں، تم نے اس کے لئے محنت نہیں کی لہٰذا جب شہر کے صدر دروازے سے داخل ہو تو جھک کر گزرنا۔ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہوئے گزرنا کہ جو کچھ ہم گستاخیاں، غلطیاں کر چکے ہیں، اللہ! اس سے ہم توبہ کرتے ہیں۔ سر جھکا کر، سجدہ ریز

ہو کر وہاں سے گزرنا تو تمہیں دنیوی نعمتیں بھی مل جائیں گی، گھر بھی مل جائے گا، کھانا پینا مل جائے گا، شہر مل جائے گا اور اس کے ساتھ: نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰیٰكُمْ ۚ میں تمہاری ساری خطائیں معاف کر دوں گا۔

وَسَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ۝ اور جس میں جتنا احسان اور خلوص ہوگا اسے اتنے زیادہ انعامات بھی دوں گا۔ اب کیا ہوا؟ جب شہر کے دروازے پہ پہنچے تو بجائے اس کے کہ سجدہ کرتے، اکڑ گئے اور بجائے اس کے کہ توبہ توبہ کہتے، روٹی روٹی کہتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔

فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ کہا گیا تھا حِطَّةٌ کہو جس سے توبہ مراد ہے۔ وہ کہنے لگے حنطۃ ان کی زبان میں اس سے مراد تھا روٹی، غذا، کھانا، اللہ نے کہا جب گزرو تو سر جھکا کر، سجدہ ریز ہو کر اور توبہ توبہ کہتے ہوئے دروازے سے گزرو، تمہارے سارے گناہ معاف کر دوں گا اور جس میں زیادہ خلوص ہوگا اس کو اور زیادہ انعامات بھی دوں گا لیکن یہ ایسے عجیب لوگ تھے فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ظالموں نے وہ قول تبدیل کر دیا جو انہیں کہا گیا تھا اور حِطَّةٌ کی بجائے حنطۃ روٹی روٹی، کھانا کھانا کہنے لگے اور اکڑ گئے۔ جب انہوں نے یہ حرکت کی تو: فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ۝ جب انہوں نے یہ حرکت کی تو ہم نے ان پر بطور عذاب آسمان سے طاعون نازل کر دیا اور وہ چوہوں کی طرح گر گر کر تڑپنے لگے اور مرنے لگے۔ یہ ان کی بدکاریوں کی اور نافرمانیوں کی سزا تھی۔

فسق پر عذابِ الٰہی کا نزول:

بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ۝ فسق ہوتا ہے نافرمانی، گناہ۔ ایک محاورہ ہے جو آج کل بھی زبان زد عام ہے بلکہ مجھ سے اگلے دن انٹرویو میں صحافیوں نے بھی یہ پوچھا کہ اب یہ عام رویہ ہو گیا ہے کہ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے اور وہ معاف کر دے گا، عمل کی کیا ضرورت ہے؟ بات تو صحیح ہے وہ بغیر عمل کے بھی معاف کر دے تو اسے کون روک سکتا ہے۔ یا اس کی رحمت کب کم پڑتی ہے لیکن عمل کی ضرورت اس لئے نہیں کہ وہ ضرور بخش دے، عمل کی ضرورت اس لئے ہے کہ اس کے حکم سے انکار نہ ہو جائے، فسق نہ ہو جائے کیونکہ فسق پر بھی عذاب کے نزول کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ بنی اسرائیل پر اسی لئے عذاب نازل کر دیا۔ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ۝ کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ اب اللہ کریم ایک کام کرنے کا حکم دیتا ہے۔ آپ کہتے ہیں، میں نہیں کرتا، اللہ کریم ہے، کریم تو ہے لیکن جب انکار کر رہے ہو تو وہ جبار اور قہار بھی ہے، وہ عذاب دینے والا بھی ہے، یہ بھی اسی کی شان کے لائق ہے۔ وہ انصاف کرنے والا بھی ہے اور اگر انصاف پہ بات آ گئی تو کہاں

جاؤ گے؟ یہ چھوٹی چھوٹی تو جیہات جو ہم میں پھیل رہی ہیں اور ان پر عمل ہو رہا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارا قلبی تعلق رسول اللہ ﷺ سے وہ نہیں رہا جو ہونا چاہئے تھا۔ آپ اندازہ کیجئے کہ ایک شخص کو اس کا والد کہتا ہے کہ یہ کام کرو لیکن نہیں کرتا، دونوں میں تعلقات کی صورت کیا ہو گی! معمولی سی بات ہے ایک دیہاتی کو اس کا والد کہتا ہے کہ یہ بھیڑیں چرانے کے لئے جاؤ۔ وہ انکار نہیں کرتا لیکن بھیڑیں نہیں لے جاتا، وہ سارا دن وہیں دھوپ میں کھڑی رہتی ہیں اور وہ کھیلتا رہتا ہے۔ کتنا پیار ہو گا دونوں میں! والد کی حیثیت کیا ہے! ہم بھی انسان ہیں والد بھی انسان ہے لیکن شریعت نے اسے ایک محترم مقام دیا ہے، والد ہونے کی ایک بزرگی دی ہے لیکن کہاں خالق اور کہاں مخلوق! کہاں محمد رسول اللہ ﷺ اور کہاں ایک عام والد۔ اللہ حکم دے رہا ہے، اللہ کا نبی ﷺ حکم دے رہا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ انکار نہیں کرتے لیکن وہ کام بھی نہیں کرتے، وہ خود ہی معاف کر دے گا؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ معاف کرنا اللہ کی مجبوری ہے! اگر عمل نہیں ہو سکا تو اعتراف کرو کہ میں نے غلطی کی، آئندہ نہیں کروں گا، مجھے توفیق دے کہ تیری اطاعت کروں۔ اگر یہ بھی نہیں کرتا اور اس بات پر مصر ہو کہ ہمیں کیا، ہم سے یہ مصیبت نہیں ہوتی، خدا خود ہی بخش دے گا۔ اگر وہ بخش دے تو اسے کون روک سکتا ہے! ہم بھی یہ دعا کرتے ہیں لیکن کافر کے لئے تو دعا کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ جو کفر پر مرتا ہے کیا وہ بخشا جائے گا؟ نہیں! ہم تو کہتے ہیں کہ جو ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان ہے، بارِ الٰہا! اس کو بھی بخش دے، سب کو معاف کر دے لیکن کچھ حدود و قیود، کچھ ضابطے اور قاعدے بھی ہوتے ہیں۔ اب نافرمانی پہ جو بخشش کا امکان ہے، یہ کوئی دلیل نہیں کہ بندہ نافرمانی پہ کمربستہ ہو جائے۔ غلطی ہو جانا الگ بات ہے لیکن کفِ افسوس ملنا ایک سعادت ہے۔ بعض اوقات، بعض گناہ بھی درجات بڑھا دیتے ہیں۔ غلطی سے گناہ ہو گیا اور بندے نے اتنی توبہ کی کہ اللہ نے رحم کر دیا اور گناہ کو نیکی میں بدل دیا۔

ابلیس بھی پریشان ہو جائے:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال میں ان کا ایک واقعہ ملتا ہے۔ کسی نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا کہ اٹھو۔ بڑے حیران ہوئے کہ دروازہ کھٹکھٹانے کی جرأت کس کو ہوئی؟ انہوں نے پوچھا تو جواب ملا، میں ابلیس ہوں۔ بے ایمان! تو میرا دروازہ کیوں کھٹکھٹا رہا ہے؟ اس نے کہا وقت جا رہا ہے، جماعت سے رہ جاؤ گے۔ انہوں نے فرمایا، تجھے کب سے نماز کی فکر ہونے لگی، تو تو لوگوں کو نماز سے روکنے والا ہے۔ اس نے کہا کہ ایک رات آپ دیر تک جاگتے رہے، فجر کیلئے دیر سے اٹھے تو جماعت ہو چکی

تھی۔ آپ نے الگ سے نماز پڑھی لیکن آپ اتنا روئے کہ میں نے سمجھا کہ اللہ کی بارگاہ میں جتنا یہ رو رہا ہے یہ تو برسوں کی باجماعت نمازوں کا ثواب لے جائے گا۔ آج پھر آپ ساری رات کام کرتے رہے، سحری کے وقت سوئے۔ آپ جماعت سے رہ جاتے تو اسی طرح روتے۔ میں نے کہا اسے جگا دو، جماعت کا اپنا ثواب مل جائے گا لیکن اس سے زیادہ تو نہ لے! وہ بھی اللہ کے بندے تھے کہ جن سے شیطان بھی گھبراتا تھا۔

ہمارے پاس بڑا آسان سا بہانہ ہے، ہم کیا کریں، ابلیس بہکاتا ہے۔ ہمیں اتنا بھی احساس نہیں کہ شیطان تو اپنے کام سے باز نہیں آتا، ہم اپنا کام کیوں چھوڑیں؟ ہم شیطان سے بھی گئے گزرے ہیں کہ وہ اپنی حرکات سے باز نہیں آتا اور ہم اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں۔ مسلمان کا تو یہ مقام ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اس کا ایسا رابطہ ہو کہ جہاں وہ جائے، وہاں شیطان اس سے پریشان ہو کہ یہ شخص یہاں کہاں آ گیا! یہاں تو کچھ کاروبار چل رہا تھا، اب یہاں بھی پریشان کرنے آ گیا۔ شیطان ہمیں پریشان کیوں کرے، ہم شیطان کو پریشان کیوں نہ رکھیں! مومن کی شان یہی ہے کہ وہ کردار کے اعتبار سے، گفتار کے اعتبار سے احباب اور محفل کے اعتبار سے ایسا ثابت ہو کہ شیطان کو پریشان کرتا رہے۔

نافرمانی نزولِ عذاب کا سبب بن جاتی ہے۔ یہاں اللہ نے بنی اسرائیل کے ساتھ یہی کیا رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ۝ وہ نافرمانیاں کرتے تھے، کافر نہیں ہوئے تھے، انکار نہیں کرتے تھے لیکن عمل نہیں کرتے تھے اس لئے ان پر عذاب نازل فرمایا۔

سورۃ البقرہ رکوع 7 آیات 60 تا 61

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَإِذِ اسْتَسْقٰى مُوسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْفَجَرَتْ
مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا
مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٦٠﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ
نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ
مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۖ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُوْنَ
الَّذِيْ هُوَ أَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ۚ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مَّا سَأَلْتُمْ ۗ
وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ
بِأَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذٰلِكَ بِمَا
عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعا کی تو ہم نے فرمایا اپنے عصا کو اس پتھر پر ماریں تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ہر شخص کو اپنے گھاٹ کا پتہ چل گیا (فرمایا) اللہ کے دیئے سے کھاؤ اور پیو اور زمین پر فساد کرتے ہوئے نہ پھرو ﴿۶۰﴾ اور جب تم نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام)! ہم ایک ہی قسم کے کھانے پہ ہرگز نہ رہیں گے پس اپنے پروردگار سے ہمارے لئے دعا کیجئے کہ ہمیں زمین کی پیداوار عطا کرے جیسے ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز تو انہوں نے فرمایا کیا تم اعلیٰ نعمت کو کمتر چیزوں سے بدلنا چاہتے ہو؟ کسی شہر میں اترو تو

یقیناً وہاں تمہیں تمہاری مطلوبہ چیزیں مل جائیں گی اور ان پر ذلت اور فقیری مسلط کردی گئی اور غضب الٰہی کے مستحق ٹھہرے یہ اس لئے کہ وہ احکام الٰہی کا انکار کرتے اور انبیاءؑ کو ناروا قتل کرتے تھے اور اس لئے کہ نافرمانی کرتے اور حد سے نکل جاتے تھے ﴿۶۱﴾

خلاصۂ تفسیر و معارف

وادی تیہ میں پھرتے پھرتے پانی کا مسئلہ باقی رہ گیا۔ بنی اسرائیل کو کھانے کے لئے اللہ کی جانب سے من و سلویٰ مل جاتا تھا۔ جہاں دھوپ ہوتی بادل سایہ فگن ہو جاتے۔ لباس نہ میلے ہوتے، نہ پھٹتے بلکہ بچے کو جو لباس پہناتے وہ اس کے بڑا ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا ہوتا جاتا لیکن ایک مسئلہ آن کھڑا ہوا۔ وہ سرگرداں رہتے لیکن ہر جگہ پانی دستیاب نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہم پانی کے لئے پریشان ہیں۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعا کی تو اللہ کریم نے انہیں پانی کا خزانہ بھی غیب سے عطا کر دیا۔ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ تو ہم نے حکم دیا کہ آپ اپنا عصا کسی پتھر پر ماریں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایک پتھر پر عصا مارا: فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ اس میں سے بارہ چشمے جاری ہوگئے۔

بنی اسرائیل کے بارہ قبائل تھے۔ جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد تھی۔ اللہ کریم نے اُس پتھر میں سے بارہ چشمے جاری کر دیے۔ وہ کوئی بہت بڑی چٹان نہیں تھی۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں ایک چھوٹا سا پتھر تھا جسے اُٹھایا جا سکتا تھا۔ وہ جب کہیں عازم سفر ہوتے، اُسے اُٹھا کر ساتھ لے جاتے۔ جہاں رکھ دیتے، وہاں چشمے جاری ہو جاتے۔ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ اور ہر ایک کو اُن کے اپنے پینے کی جگہ، اُن کا اپنا چشمہ بتا دیا گیا۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ اللہ کے رزق سے کھاؤ بھی، پیو بھی جو تمہیں وہ اپنی طرف سے بطور انعام عطا کر رہا ہے، جس میں تمہاری کوئی محنت نہیں، مشقت نہیں لیکن کھانے پینے میں یہ احتیاط رہے کہ اللہ کی زمین پر فساد بپا نہ ہو۔ بنی اسرائیل کے لئے جس طرح رزق

متعین کر دیا گیا تھا، اسی طرح انبیاء علیہم السلام نے اپنی امم کے لئے وسائل اور ذرائع، ان کا طریقہ استعمال، کمانے کا طریقہ، خرچ کرنے کا طریقہ، حقوق اور حدود مقرر فرمائیں۔ آقائے نامدار ﷺ نے بھی اس آخری دین میں جو ہمیشہ کے لئے ہے، ساری انسانیت کے لئے ہے، ہمیشہ کے لئے قوانین مقرر فرما دیے۔ جائز طریقے سے کمایا جائے، اُسے خرچ کیسے کیا جائے؟ اپنی ذات کے لئے کتنا خرچ کریں گے؟ کمزوروں، مساکین اور محتاجوں کے لئے اُس میں سے کتنا دیں گے، اُس کا کیا انتظام ہوگا!

حدود سے تجاوز:

فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ اگر تم کھانے پینے میں ہیرا پھیری کرو گے، دوسرے کا حصہ چھیننا چاہو گے، اپنے لئے زیادہ لینا چاہو گے، اپنے لئے جمع کر کے انبار لگانا چاہو گے، حدود سے بڑھو گے تو فساد پیدا ہو گا۔ معاملات میں جب حدود سے تجاوز ہوتا ہے تو وہ تجاوز نوع انسانی میں پھیلتا چلا جاتا ہے اور زمین پر فساد برپا کر دیتا ہے۔ آج بھی اگر کوئی آدمی اپنے جائز وسائل کے اندر ہے تو اُسے بڑے آرام سے رزق حلال نصیب ہوتا ہے۔ پھر جتنا کمایا ہے، اپنے اخراجات اُس کے اندر رکھے۔ ہماری آج کی مصیبت یہ ہے کہ ہم اس اصول کو ہی نہیں مانتے کہ کمانے کے جائز وسائل استعمال کیے جائیں۔ ہر شخص چھینا جھپٹی میں لگا ہوا ہے۔ خواہ رشوت سے ملے، چوری سے ملے، دھوکے سے ملے، قرض لے لو اور واپس نہ کرو، کسی طرح پیسہ جمع ہوتا جائے۔ اس کا نتیجہ فساد ہوتا ہے، خود آدمی کے گلے بھی فساد پڑتا ہے، اُسے ذہنی سکون نصیب نہیں ہوتا اور اطمینان سے کھا بھی نہیں سکتا۔ اگر ہر بندہ رزق حلال کمائے اور جتنی اُس کی آمدن ہے اُس کے اندر رہے تو ضروری نہیں کہ دس جوڑے ہوں اور دس کو کلف لگی ہو۔ اگر ایک جوڑے کی حیثیت ہے تو ایک خرید لو، ایک پہنو، کھدر کا ہے، تو پہنو، اُسے صاف رکھو۔ آج بھی سکون سے وہی لوگ جی رہے ہیں جو اپنی حیثیت کے مطابق رہتے ہیں اور جائز اور حلال وسائل سے کماتے ہیں۔

کون منع کرتا ہے اچھا گھر نہ بناؤ، اچھا کپڑا نہ پہنو بلکہ نبی کریم ﷺ میلے کپڑے ناپسند فرماتے تھے، آپ ﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ غربت کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے پاس سستا کپڑا ہے یا اُس پر پیوند لگا ہوا ہے لیکن یہ مطلب نہیں کہ آپ اُسے دھوئیں اور صاف بھی نہ کریں۔ ایک صحابیؓ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو اُن کی داڑھی بے ترتیب اور الجھی ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا ان بالوں کو پریشان کرنے میں کونسا تقویٰ ہے، کیا تم اسے دھو کر صاف کر کے، صحیح ترتیب سے نہیں رکھ

سکتے۔ ایک شخص مفلسی کی شکایت لے کر بارگاہِ عالی ﷺ میں حاضر ہوا، یا رسول اللہ ﷺ! کوئی وسیلہ نہیں ہے، کچھ کھانے کو نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے گھر میں کچھ ہے۔ کہنے لگا' روٹیاں پکانے کا ایک توا، آٹا گوندھنے کا ایک برتن، ایک ہانڈی اور اس طرح دو چار چیزیں ہیں۔ فرمایا، لے آؤ۔ اس نے عرض کیا! یہی گھر کا سارا اثاثہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، لے آؤ۔ وہ اٹھا لایا۔ دوسرے صحابی کو حکم دیا کہ جاؤ انہیں بازار میں بیچ کر جو ملے اُس سے ایک کلہاڑی اور ایک رسی لے آؤ۔ وہ ایک رسی اور ایک کلہاڑی لے آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، یہ رسی اور کلہاڑی لو، جنگل سے لکڑیاں کاٹو، جتنے کی بک جائیں، اتنے کا کھانا لے کر گھر چلے جاؤ۔ آپ ﷺ کریم تھے، رحمۃ اللعالمین تھے۔ آپ ﷺ اُسے لاکھوں بھی عطا کر سکتے تھے۔ کوئی آنے والا جو پیش کرتا، اُسے عطا فرما دیتے۔ آپ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ لوگ جو کچھ ہدیہ پیش فرماتے، آپ ﷺ تقسیم فرما دیا کرتے بلکہ گھر سے استفسار فرمایا کرتے تھے کہ آج کوئی چیز بچ تو نہیں رہی۔ اس کے باوجود حضور ﷺ نے فرمایا، اللہ نے جائز وسائل اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، جو تمہارے بس میں ہے وہ کرو۔ اللہ غنی کرنے والا ہے، کل شاید تمہیں زیادہ رزق نصیب ہو جائے۔

آج بھی دنیا میں اگر ہم دیکھیں تو اپنی سطح پر ہر شخص اس کوشش میں لگا ہوا ہے کہ میرا حق بنتا ہے یا نہیں، جو میرے قابو آتا ہے وہ لے لوں۔ جتنی میری حیثیت ہے اتنا نظر نہ آؤں بلکہ میرا رہن سہن اُس سے کئی گنا زیادہ نظر آنا چاہئے۔ جب آدمی اپنی حیثیت سے بڑھتا ہے تو پھر جائز وسائل تو پورے نہیں ہوتے، لامحالہ، وہ چھینا جھپٹی پہ آ جاتا ہے۔ اسی طرح خاندانوں میں، قوموں میں، مُلکوں میں، اب بین الاقوامی سطح پر بھی، ایک مقابلہ شروع ہے۔ جس میں طاقت ہے، اس نے دوسروں کا ملک دبا لیا ہے۔ کروڑوں آدمی قتل ہو گئے، بے موت مارے گئے، مارنے والا نہیں جانتا کہ میں کس کو مار رہا ہوں اور مرنے والا نہیں جانتا، مجھے کس نے مار دیا۔ جنگ عظیم میں کسی صحافی نے ایک کمانڈر سے پوچھا تھا کہ مجھے یہاں کی کوئی خاص بات بتاؤ۔ غالباً برما کا محاذ تھا۔ چونکہ بمباری ہو رہی تھی، توپیں گولے اگل رہی تھیں، جنگ عظیم جاری تھی، اُس نے مختصر سا جملہ کہا:

(Every body is here to kill every body) یہاں ہر بندہ دوسرے بندے کو قتل کرنے کے لئے موجود ہے اور اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔ سب ایک دوسرے کو مار رہے ہیں، بس یہی یہاں کی خبر ہے۔ یہ سب کیوں ہوتا ہے؟ یہ سب اس لئے ہو رہا ہے کہ ہر آدمی ذاتی طور پر، قبائل قبائل کے

طور پر، قومیں قوموں کے طور پر اور ملک ملکوں کے طور پر دوسروں کے وسائل چھیننا چاہتے ہیں۔ ناجائز طریقے سے، جبر سے یا ہیرا پھیری سے چھیننا چاہتے ہیں۔ لوگ ایسا بھی کرتے تھے کہ رزق اکٹھا کر لیا اور جو کمایا کھایا، باقی جمع کر کے رکھ لیا کہ کل کھائیں گے لیکن کل تک وہ خراب ہو جاتا ہے۔

بنی اسرائیل کے لئے پانی کے الگ الگ چشمے بن گئے لیکن وہ اپنے چشمہ پہ قناعت نہیں کرتے تھے۔ چاہتے تھے کہ ایک ڈول اُدھر سے بھی بھر لیں۔ فرمایا: اگر تم اپنے حق پر قناعت نہیں کرو گے تو فساد پیدا ہو گا اور روئے زمین پر پھیلے گا۔ تمہاری دیکھا دیکھی، دوسرے بھی یہ کریں گے اور آہستہ آہستہ یہ فساد روئے زمین پر پھیلتا چلا جائے گا۔ اب اس پر بھی انہوں نے بس نہ کی، پھر کہنے لگے کہ ہمیں روزانہ بنا بنایا کھانا مل جاتا ہے۔ روزانہ نمکین گوشت بھی مل جاتا ہے اور روزانہ میٹھا حلوہ بھی کھانے کو مل جاتا ہے لیکن یہ بھلا کوئی بات ہے کہ ہم روز گوشت اور حلوہ ہی کھاتے رہیں؟ یہ تو کوئی بات نہیں، اس طرح تو عمر بسر نہیں ہوتی! کہنے لگے:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ موسیٰ علیہ السلام ایک طرح کا کھانا کھا کھا کے ہم تنگ آ گئے ہیں۔ اب اس پہ مزید صبر نہیں کر سکتے، یعنی ناشکری کی حد دیکھئے، اور اللہ کا کرم دیکھئے، کہ نافرمانی کی وجہ سے تم وادی تیہ میں بھٹک رہے ہو لیکن وہ کریم ہے، اللہ کے نبی نے دعا کی تو اللہ نے تم پر بادل کو سایہ فگن کر دیا۔ تمہارے لئے پکے پکائے کھانے صبح و شام بھیج دیے، تمہارے لباس کا اہتمام کر دیا' پانی کی قلت تھی، وہ ایسا قادر ہے کہ اُس نے ایک پتھر سے بارہ چشمے جاری کر دیے۔ اب تمہیں کیا تکلیف ہے! کہنے لگے، روزانہ ایک طرح کا کھانا کھا کھا کر تنگ آ گئے، یہ کوئی بات ہے کہ صبح و شام گوشت حلوہ کھاؤ۔ تو پھر کیا ہونا چاہیے؟ کہنے لگے: فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے۔

بندے کا رب سے ذاتی تعلق:

اس جملے پہ ذرا غور فرمائیے کہ تمہیں اللہ نے پیدا کیا، تمہیں رزق دے رہا ہے، تمہیں فرعون کے مظالم سے چھڑایا' تمہارے لئے سمندر کا جگر پھاڑ دیا اور تمہیں پار اتارا، تمہارے سامنے فرعون اور اُس کی طاقت کو تباہ کر دیا، پھر تمہیں مفت میں شہر عطا کیے لیکن تم نے نافرمانی کی اور غلط الفاظ بولے، سجدہ نہ کیا اور اب نافرمانی کی وجہ سے وادی تیہ میں بطور سزا بھٹک رہے ہو۔ اس حالت میں بھی اس نے تم پر رحم فرمایا' تم پر بادلوں کو سایہ فگن کر دیا، لباس کا اور کھانے کا اہتمام کر دیا۔ پانی کی قلت ہوئی تو پانی کا اہتمام کر دیا۔ اب کہہ رہے ہو' بھلا یہ بھی کوئی بات ہے روز ایک طرح کا کھاتے ہیں۔ تو پھر کیا چاہتے ہو؟ اے موسیٰ علیہ السلام! اپنے

رب سے کہیے گویا اب بھی وہ اپنا رب نہیں مان رہے، موسیٰ علیہ السلام آپ اپنے رب سے کہیے۔ کیسے بدنصیب تھے! موسیٰ علیہ السلام کا رب ہے تو تمہارا رب کون ہے، تمہیں یہ نعمتیں کون دے رہا ہے!

نبی کریم ﷺ نے جو ایمان دیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ ہر شخص کا اللہ ہے، خالق ہر شئے کا خالق ہے۔ اللہ کے ساتھ ہر فرد کا ذاتی تعلق ہے اور کسی بھی شیخ کا اتباع نبوت میں یہ کمال ہوتا ہے کہ مرید کو براہ راست بارگاہِ الٰہی کی حضوری عطا کردے جس طرح نبی کریم ﷺ نے ہر بندے کو اللہ کے روبرو کھڑا کر دیا:

ہم سخن کردیا بندوں کو خدا سے تو نے

جس نے بھی دین قبول کیا، اسے اللہ سے ہم کلام کر دیا۔ حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم مجھ سے بات کرو تو میں تمہاری بات اللہ سے کروں بلکہ فرمایا تم میرے ساتھ کھڑے ہو جاؤ، میں بھی اللہ کے حضور اپنی گذارشات پیش کرتا ہوں، تم اپنی بات خود کرلو۔

ایک نوجوان فوجی افسر نے اوکاڑہ چھاؤنی میں نبی کریم ﷺ کی سیرت پہ تقریر کرتے ہوئے ایک بات کہی جو کبھی دل سے نکلتی نہیں' اس نے کہا، اگر آپ ﷺ اللہ کے سچے نبیؐ نہ ہوتے تو لوگوں کو اپنے پیچھے لگاتے، لیکن جو بھی آپ ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ نے اُسے اللہ کے حضور سجدہ کرنے کا حکم دیا اور خود بھی وہیں سجدہ فرمایا، اُسے کہا میرے ساتھ کھڑے ہو جاؤ، تم بھی اللہ کو سجدہ کرو اور اپنی مناجات اللہ کے سامنے پیش کرو۔ اللہ سے بات کرنا سکھایا اور یہ کام برحق نبی کا ہی ہو سکتا ہے ورنہ کوئی بھی دوسرا ہوتا تو لوگوں کو اپنی طرف بلاتا کہ میں تمہاری حاجتیں اللہ سے پوری کرادوں گا، تم میرے پاس آؤ۔ آپ ﷺ نے ہر بندے کو اللہ کے روبرو کر دیا۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ نمازی کے آگے سے نہ گزرو۔ فانه يناجي ربه۔ وہ اپنے پروردگار سے سرگوشیاں کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے بندے کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ کوئی ایسا بندہ جس کی بات کوئی گلی محلے میں نہیں سنتا' گھر میں نہیں سنتا، بیوی بچے نہیں سنتے، اُسے بھی آپ ﷺ کے طفیل یہ قدرت نصیب ہوگئی کہ وہ اپنے دل کی بات اپنے اللہ سے کر سکے۔

بہت اچھی بات ہے کہ کوئی نیک بندہ کسی کے لئے دعا کرے، اللہ کے نیک بندے ہمیشہ اور سب کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ یہ ایک عجیب بات ہے، ہمیں اعتبار آئے یا نہ آئے لیکن اہل اللہ ہمیشہ سب کے لئے دعا کرتے ہیں لیکن شاید ہماری تسلی نہیں ہوتی! وہ لوٹ مار کی دعا نہیں کرتے، ناجائز کاموں کی دعا نہیں کرتے، وہ ہدایت کی دعا کرتے ہیں، مصیبتوں سے حفاظت کی دعا کرتے ہیں اور اللہ کی مدد کی دعا کرتے ہیں کہ اللہ اُن پر رحم فرما! میں نے

دیکھا ہے کہ اہل اللہ تو کافروں کے لئے بھی ہدایت کی دعا کیا کرتے ہیں کہ یا اللہ انہیں ہدایت دے اور یہاں تک ہی جائز ہے۔ اگر کوئی کفر پر مرجائے تو اُس کے لئے دعا کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ ہم روز انہیں گھیرے رہتے ہیں کہ ہمارے لئے دعا کرو لیکن ہم خود دعا کیوں نہیں کرتے؟ اہل اللہ کا کام ہے کہ بندے کو اللہ کی بارگاہ سے آشنا کردیں، اُس کے دل میں اللہ کا نام بٹھادیں، اُس کے عقیدے میں اللہ کی ذات کے حاضر ناظر ہونے کا یقین پختہ کر دیں، پھر یہ اُس کا کام ہے کہ اپنے دُکھ سُکھ اللہ سے کرے۔

پھر دوسرا کون ہے درمیان میں آنے والا! ہاں، اللہ نے کسی کے دل میں برکاتِ نبوت ﷺ عطا کی ہیں تو اُسے چاہئے کہ وہ دوسروں کے دلوں میں بھی اُنہیں انڈیلے لیکن یہ تب ہوگا جب وہ بھی اُس کی تمنا کریں گے۔ جسے نصیب ہو وہ اپنی بات اللہ سے کرے، اللہ سے بحث کرے، اللہ سے آرزو کرے، اللہ سے جھگڑا کرے۔ وہ جانے، اُس کا اللہ جانے، کسی کا اُس میں کیا ہے! یا اللہ مجھے وہ چاہیے، یا اللہ مجھے یہ چاہیے! حضور ﷺ نے فرمایا کہ جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اپنے اللہ سے مانگو، اللہ موجود ہے اور اُس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے۔

بنی اسرائیل ایسے بدنصیب تھے کہ یہ کہنے لگے۔ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ اے موسیٰ علیہ السلام! آپ اپنے پروردگار کو ہمارے لئے کہیے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام تم سب کو اللہ سے آشنا فرماتے ہیں اور تم کہتے ہو، موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے کہو! يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنۢبِتُ الْأَرْضُ ہمیں ایسی چیزیں دو جو زمین سے اُگتی ہیں۔ یہ کیا حلوہ اور گوشت دے دیا! زمین سے ساگ اُگا کرتا ہے، ککڑی اُگتی ہے، گیہوں اُگتی ہے، مسور اُگتی ہے۔ اسی طرح پیاز اُگتے ہیں، تھوم اُگتا ہے، ہمیں ایسی چیزیں دیں جو اللہ کی زمین سے تازہ اُگیں اور ہم کھائیں۔ موسیٰ علیہ السلام بڑے ناراض ہوئے، فرمایا:

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ۚ کیسے بدبخت ہو تم کہ بہتر کو چھوڑنا چاہتے ہو! اللہ کے حضور سے تمہیں بنا بنایا، پکا پکایا رزق مل رہا ہے جس میں حرام کا شبہ بھی نہیں ہے، مکروہ ہونے کا بھی شک نہیں اور ہر ایک کا حصہ اُس کو صبح شام ملتا ہے، بےفکر ہو کر کھاتے ہو، کیسے بدبخت ہو کہ اتنی اعلیٰ نعمتوں کو چھوڑ کر تم تھوم، پیاز اور مسور کی دال کے لئے تڑپ رہے ہو اور پھر جب زمین سے اُگانا پڑے گا، کھیتی باڑی کرنا پڑے گی تو وہ مشکل بھی ہو گی، مصیبت بھی ہوگی۔ زمین میں ہل جوتو گے، فصل بیجو گے، کاٹو گے، پھر جو نصیب ہوگا وہ تم پکاؤ گے تو اتنی مصیبت! پھر یہ چیزیں، تھوم، پیاز، حلوہ، گوشت کے مقابلے میں اُن کی کیا حیثیت ہے! وہ تو سارا نور ہے لیکن جو تم بناؤ گے اُس

میں پتہ نہیں کتنی ظلمت ہوگی! اُس میں تمہارا کردار کیسا ہوگا، کس طرح زمین جوتو گے، اُس میں کون سی حدود شرعی کا لحاظ رکھو گے۔ اپنی فصل کاٹو گے کہ کسی کی کاٹ لو گے بڑے بد بخت ہو! اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ مصر چلے جاؤ وہاں تمہیں یہ سب چیزیں مل جائیں گی جن کی تم خواہش کرتے ہو۔ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ اُن پر ذلت اور غریبی مسلط کر دی گئی۔

مزدوری کی ذلت، مشقت کی ذلت، سارا سارا دن، ساری ساری رات خوار ہونا، پانی لگانا، فصلیں بونا، کاشت کرنا، کاٹنا یہ مشقت الگ سے اور وہ جو استغنیٰ تھا کہ کپڑوں کی بھی بے فکری ہے، دھوپ بھی نہیں لگتی، پانی بھی ہر وقت چشموں سے جاری ہے، وہ ساری چیزیں بھی گئیں۔ اب جاؤ، جو کچھ عالم اسباب میں ہے اُس میں محنت کرو۔ جس طرح وہاں فارغ البال تھے، وہ حالت نہ رہی۔ یہاں بھوک اور افلاس بھی آ گیا اور مشقت الگ سے گلے پڑ گئی۔ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ان بدنصیبوں نے اللہ سے اُس کا قہر خریدا، ایسے مانگ لیا جیسے کوئی چیز خریدی جاتی ہے۔ جس طرح بندہ کوئی چیز اپنی خواہش و آرزو سے قیمت ادا کر کے خریدتا ہے۔ فرمایا، انہوں نے اس طرح سے مانگا جیسے انہوں نے غضب الٰہی خرید لیا ہے اور جب اس مشقت میں پڑے، ذلت و رسوائی میں پڑے تو آہستہ آہستہ اللہ کا ذکر چھوٹا، نمازیں گئیں، حلال و حرام کی پہچان گئی اور جوں جوں گمراہ ہوتے گئے تو بات کفر تک جا پہنچی۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ پھر رفتہ رفتہ، دو تین نسلوں، چار نسلوں کے بعد بات کفر تک اور اللہ کی آیات کے انکار تک پہنچ گئی۔ حتیٰ کہ جب ان میں نبی مبعوث ہوئے اور اُنہوں نے اللہ کی طرف بلایا اور شرعی حدود و قیود بتائیں تو بجائے اس کے کہ اپنے آپ کو بدلتے، انہوں نے انبیاءؑ کو قتل کر دیا۔ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اللہ کے نبیوںؑ کو ناحق قتل کر دیا۔ قتل تو نبیؑ کا ویسے ہی ناحق ہوتا ہے لیکن یہاں قرآن نے بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اس لئے فرمایا کہ قتل کرنے والے خود بھی جانتے تھے کہ ہم ناحق قتل کر رہے ہیں۔ بلا جواز شرعی قتل کرنا ویسے بھی ناحق ہے، پھر نبیؑ تو معصوم ہوتا ہے، نبیؑ سے تو خطا کا تصور بھی نہیں۔ نبیؑ کا قتل تو انتہائی بڑا جرم ہے لیکن فرمایا یہ انبیاءؑ کو غلطی سے قتل نہیں کرتے تھے، یہ جانتے تھے کہ ہم جو کر رہے ہیں یہ ناحق ہے، یہ ظلم ہے لیکن یہ قتل کر دیتے تھے۔

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ اس ساری مصیبت کا سبب کیا تھا کہ وہ اللہ اللہ سے گئے، پھر نمازیں چھوٹیں، پھر حلال حرام کی تمیز ختم ہوئی اور کفر تک نوبت پہنچی اُس کے بعد وہ قتل انبیاء علیہم السلام تک پہنچ گئے، یعنی دوزخ کی انتہائی سزاؤں کے مستحق ہو گئے اور غضب الٰہی کی انتہاء کو جا پہنچے؟ ذٰلِكَ

بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۝ اس کا سبب اُن کی نافرمانیاں تھیں۔ حدودِ الٰہی میں خود کو محدود نہ کرنا، وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۝ اللہ کی بنائی ہوئی حدود سے تجاوز کر جاتے تھے، گزر جاتے تھے۔ ہر معاملے میں چھینا جھپٹی آ گئی، حق اور ناحق کا فرق نہ رہا، جائز اور ناجائز، حلال اور حرام کی تمیز نہ رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صرف نورِ ایمان ہی نہ جاتا رہا بلکہ قتلِ انبیاء تک کے مرتکب ہو گئے۔

ہمارا آج کا بنیادی مسئلہ:

ہمارا آج کا بنیادی مسئلہ قیامِ امن ہے۔ دہشت گردی روکنے کی کوشش ہو رہی ہے، قتل و غارت روکنے کی کوشش ہو رہی ہے لیکن یہ کیسے رُکے گی جب تک حدود اور فرائض پورے نہیں ہوں گے۔ جب تک ہر آدمی اپنی حد کے اندر نہیں ہوگا۔ اللہ کا ہر بندہ آزاد ہے لیکن آزادی کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ ایک محاورہ ہے کہ دوسرے کی ناک تک آپ کو آزادی ہے۔ یہ آزادی نہیں کہ اُس کی ناک پہ گھونسا مار دیں۔ وہ اُس کی ناک ہے، اُس کی بھی اپنی آزادی ہے۔ جب حقوق اور فرائض سے صَرفِ نظر کیا جاتا ہے تو صرف یہ نہیں کہ دنیا میں تباہی آتی ہے بلکہ عقائد ونظریات بھی تباہ ہوتے ہیں، ایمانیات بھی تباہ ہوتے ہیں جس کا نتیجہ آج کے مسلمان میں اعتماد علی اللہ کے فقدان کی صورت میں نظر آ رہا ہے۔

اعتماد علی اللہ کا فقدان:

آج ہمیں خود اللہ پر اعتماد نہیں رہا۔ کسی شخص کے لئے فون کر دیں، چٹھی لکھ دیں، اُس کا کام بھلے نہ ہو، وہ بڑا خوش ہوتا ہے کہ اُنہوں نے میری سفارش کی تھی، کام نہیں ہوا تو کیا ہوا لیکن آنے والے سائل کو آپ کہہ دیں کہ میں تیرے لئے دعا کرتا ہوں' تو بھی اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اُٹھا تو باہر نکل کہ کہتا ہے، ٹرخا دیا کام نہیں کرنا تھا، نہیں کیا، یعنی اگر آپ کہیں کہ اللہ کے حضور دعا کرتا ہوں یا تم اپنے لئے خود دعا کرو تو اگلا بندہ کہتا ہے، مجھے ٹرخا دیا کہ اللہ کرے گا، کسی بندے سے کہتے تو کوئی بات بھی ہوتی۔ یہ ایسی حقیقت ہے جسے ہم سب جانتے ہیں لیکن اس کے پیچھے کیا ہے؟ اللہ پر اعتماد، یقین اور ایمان کی کمی! یہ کیوں ہمارے گلے پڑ گئی؟ اس لئے کہ ہم نے حلال اور حرام کی پروا نہ کی، اس لئے کہ ہم نے عبادات چھوڑ دیں، اس لئے کہ ہم نے اللہ سے ملاقات ہی چھوڑ دی، آنا جانا ہی چھوٹ گیا، ملنا بیٹھنا ہی جاتا رہا۔ وہ خالق ہے، اُسے احتیاج نہیں ہے لیکن وہ پانچ دفعہ حکم دیتا ہے، اُس کے بندے اس بات پر مقرر ہیں کہ میرے بندوں کو میری بارگاہ میں بلاؤ۔ وہ حاضر

ہوں اور اپنا دُکھ سکھ میرے ساتھ کریں لیکن ہمیں فرصت ہی نہیں ہوتی۔ کسی کو کوئی معمولی سا دنیادار بُلائے تو سارے کام چھوڑ کر بھاگ پڑتا ہے لیکن اللہ کے حضور حاضر ہونے کی فرصت نہیں ہوتی۔

ہمارے ایک ساتھی بہت معروف ڈاکٹر تھے۔ اگر وہ کسی کی دوائی لکھ رہے ہوتے اور "اللہ اکبر" کی صدا آ جاتی تو جہاں لفظ اللہ مؤذن کے منہ سے نکلتا، وہ قلم رکھ دیتے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میری جرأت نہیں ہے کہ اللہ کا قاصد آواز دے کہ آؤ اللہ کی بارگاہ میں اور میں کہوں، لکھ کر آتا ہوں۔ یہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں دنیا جہاں میں کوئی مصیبت نہیں آتی، کوئی فکر نہیں ہوتی، دل پریشان نہیں ہوتے۔ جو سکون سے جیتے ہیں اور دوسروں کے لئے بھی امن وسکون کا سبب بنتے ہیں۔

بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا: عَصَوْا ایک بات یہ کہ وہ اللہ کا حکم نہیں مانتے تھے، دوسری بات یہ تھی۔ وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾ حقوق وفرائض میں حد سے گزر جاتے تھے، دوسرے کا مال چھین لیتے تھے۔ دھوکا دیتے تھے، لوگوں کی عزت وآبرو یا لوگوں کی جان ومال کی پروا نہیں کرتے تھے۔ ان دو باتوں نے اُنہیں کہاں پہنچایا کہ روئے زمین پر فساد بھی ہوا، اللہ کی بارگاہ بھی چھوٹی، عبادات بھی چھوٹیں اور رفتہ رفتہ کفر تک پہنچے اور کفر سے بڑھ کر قتل انبیاء علیہم السلام کے مرتکب ہوئے۔

گناہِ صغیرہ کا مسلسل ارتکاب تباہی تک لے جاتا ہے:

کسی کشتی میں آپ مسلسل چھوٹے چھوٹے کنکر ڈالتے رہیں تو وہ بھی کشتی کو اُسی طرح ڈبو دیں گے جس طرح آپ کوئی بیس من کی چٹان اُس میں رکھ دیں۔ کچھ وقت لگ جائے گا لیکن آہستہ آہستہ اُتنا وزن ہو جائے گا کہ کشتی کو ڈبو دیں۔ زندگی میں ہم جن گناہوں کو چھوٹا سمجھتے ہیں، دراصل وہ بھی چھوٹے نہیں ہوتے چونکہ گناہ اللہ کی نافرمانی کا نام ہے۔ جرم کا اندازہ اسی بات سے کرنا چاہئے کہ نافرمانی کس کی ہے، اُسی کے مطابق جرم بنتا ہے۔ اللہ کریم توفیق عطا فرمائے، اُمت محمدیہ ﷺ کے پاس تو بہت بڑا موقع ہے کہ ساری زندگی گناہ میں کھو دی، کسی وقت خلوص دل سے کہہ دے کہ یا اللہ! میں نے جو کیا غلط کیا، سب کچھ معاف ہو جاتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ آئندہ وہ غلطیاں نہ دُہرائے اور اپنی اصلاح کر لے۔ گناہ کے اعادہ کی بجائے اللہ کے نام کی تکرار کریں، اللہ کو یاد کیا کریں اور اللہ کا نام لیا کریں۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ (مزمل: 8) اتنی بار اللہ اللہ کرو کہ اللہ کے سوا کوئی بات ذہن میں نہ رہے۔ اللہ کو یاد کریں، فرائض کو ادا کریں اور اللہ کی عبادت کریں تو وہ توفیق عمل بھی عطا فرمائے گا اور دو عالم کا سکون بھی میسر ہوگا۔

سورۃ البقرہ رکوع 8 آیات 62 تا 71

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِينَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ وَإِذْ اَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ
الطُّورَ ۖ خُذُوا مَا اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ
تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِّنَ
الْخٰسِرِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ
كُونُوا قِرَدَةً خٰسِئِينَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا
وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا
بَقَرَةً ۖ قَالُوا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ اَعُوذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُونَ مِنَ الْجٰهِلِينَ ﴿٦٧﴾
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۖ قَالَ إِنَّهٗ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا
فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۖ عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ
لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهٗ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ ۙ فَاقِعٌ
لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِينَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ إِنَّ الْبَقَرَ
تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۖ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالَ إِنَّهٗ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا
ذَلُولٌ تُثِيرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ۖ قَالُوا
الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۖ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾

یقیناً جو مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصرانی اور صابئین (بے دین)
(غرض) جو بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہو اور نیک کام کرے تو ایسے
لوگوں کے لئے ان کے پروردگار کے پاس اُن کا اجر ہے اور انہیں کوئی ڈر ہو گا اور نہ
افسوس ﴿۶۲﴾ اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر طور (پہاڑ) کو معلق کر دیا کہ جو
کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اُسے مضبوطی سے اختیار کرو اور جو اس میں ہے اسے یاد کرو
تا کہ تم پرہیزگار بن سکو ﴿۶۳﴾ پھر اس کے بعد تم پھر گئے پس اگر تم پر اللہ کا کرم اور
اس کی رحمت نہ ہوتی تو تمہارا بہت نقصان ہوتا ﴿۶۴﴾ اور یقیناً تم اپنے لوگوں کو
جانتے ہو جو ہفتے والے دن (کے حکم) سے حد سے نکل گئے تو ہم نے ان کو حکم دیا کہ
تم ذلیل بندر بن جاؤ ﴿۶۵﴾ پھر اس (قصے) کو ہم نے عبرت بنا دیا ان کے ہم عصر
لوگوں کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے اور نصیحت پرہیزگاروں کے
لئے ﴿۶۶﴾ اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا یقیناً اللہ نے تمہیں
حکم دیا ہے کہ ایک بیل ذبح کرو تو کہنے لگے کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں اور
انہوں نے فرمایا میں جاہلوں میں شامل ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ﴿۶۷﴾ تو
انہوں نے کہا اپنے پروردگار سے ہمارے لئے دعا کریں ہمیں بتائے کہ وہ بیل کیسا
ہے؟ تو انہوں نے فرمایا وہ فرماتا ہے کہ بے شک ہمارے لئے وہ بیل نہ بوڑھا ہے
اور نہ بچہ اس کے درمیان جوان ہے پس تمہیں جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل
کرو ﴿۶۸﴾ انہوں نے کہا اپنے پروردگار سے ہمارے لئے دعا کریں وہ ہمیں بتائے
کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا وہ فرماتا ہے کہ اس کا رنگ گہرا زرد ہے کہ
دیکھنے والے کو بہت اچھا لگتا ہے ﴿۶۹﴾ انہوں نے کہا کہ اپنے رب سے ہمارے لئے
دعا کریں ہمیں بتا دے کہ وہ بیل کیسا ہے؟ بلاشبہ ہمیں اس بیل کے بارے میں اشتباہ
ہے اور یقیناً ہم اس بار اگر اللہ نے چاہا تو ضرور سمجھ جائیں گے ﴿۷۰﴾ تو انہوں نے
فرمایا کہ وہ فرماتا ہے وہ بیل نہ ہل جوتا ہوا ہے کہ کھیتی میں ہل چلایا ہو اور نہ اس سے

زراعت کی آب پاشی کی گئی ہو ہر نقص سے پاک ہے اس میں کوئی داغ نہیں کہنے
لگے اب آپ نے ٹھیک کہا پھر انہوں نے اس (بیل) کو ذبح کیا اور لگتا تھا کہ وہ ایسا
نہیں کریں گے ﴿۷۱﴾

خلاصہ تفسیر و معارف

ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ جو لوگ بھی ایمان لاتے ہیں، خواہ وہ بندہ مومن ہو جو ایمان لا کر مسلمان ہو یا ایمان لانے سے پہلے وہ یہودی ہو نصرانی ہو یا بے دین ہو وَالصّٰبِـِٕيْنَ، یہ وہ لوگ ہیں جو دین سے کلیۃً دور ہوتے ہیں، جن کا کوئی دین نہیں ہوتا اور یہود و نصاریٰ میں مشرکین بھی آ گئے چونکہ یہود اور نصاریٰ دونوں نے اللہ کریم کے ساتھ شرک شروع کر دیا تھا، یہودیوں نے کہا ''عزیر ابن اللہ'' حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے تھے اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا ثابت کرنے پہ لگ گئے تو گو یا یہودی نصرانی، مشرکین یا بے دین، ان چار طبقوں میں مسلمانوں کے علاوہ تقریباً سارے فرقے آ جاتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے علاوہ جتنے فرقے ہیں، اُن میں یا مشرک ہیں یا وہ لوگ ہیں جو کسی دین کے پابند ہیں نہ کسی دین پر ایمان رکھتے ہیں تو گو یا دنیا بھر کے سارے فرقے ان میں شامل ہو گئے۔ اب اس کے ساتھ مسلمانوں کو کیوں شامل رکھا گیا؟ اس کی دو وجوہات ہیں:

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ مسلمانوں کا صرف یہ کہہ دینا کہ میں مسلمان ہوں اور کلمہ قبول کر لینا کافی نہیں ہے۔ کفر اور انکار کے مقابلے میں زبانی اقرار کر لینا اور دل سے مان لینا بدرجہا بہتر ہے لیکن یہ کافی نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کسی سلطنت میں کوئی قانون نافذ کیا جاتا ہے تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس سے کوئی بندہ بھی، خواہ وہ ہمارا اپنا ہے یا پرایا، کوئی مستثنیٰ نہیں۔ کوئی حاکم، سلطان یہ کہہ دیتا ہے کہ میرے گھر والے ہوں، میرے عزیز و اقارب ہوں یا عام آدمی، یہ قانون سب پر لاگو ہوگا۔ اسی طرح یہاں بھی یہ کہہ دیا گیا ہے کہ مسلمان ہوں، یہود و نصاریٰ ہوں یا بے دین ہوں، کوئی بھی ہوں، سیدھی سی بات ہے مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ ان سب میں سے جس نے اللہ کے ساتھ ایمان قبول کیا اللہ کو اُس کی ذات اور اُس کی تمام صفات کے حوالے سے مانا، اللہ کو ایسا مانا جیسے اللہ کا رسول ﷺ ماننے کا حکم دیتے ہیں اور وہی یقین اسے یوم آخرت اور حساب کتاب پر ہے وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

عمل شرطِ ایمان ہے:

وَعَمِلَ صَالِحًا اور اپنی زندگی کو بدل لیتا ہے اُس کا کردار اور اُس کے اعمال صالح ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی تہذیبیں انسانوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ اپنی اپنی معاشرت، اپنے اپنے طرزِ زندگی اور اپنی اپنی تہذیب کو ہر شخص بہت اچھا کہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں سب کے نزدیک اُن کی اپنی تہذیب صالح ہے۔ وہ ہمیں پسند آئے یا نہ آئے لیکن جو اس تہذیب کے پیروکار ہیں اور اس پر چلنے والے ہیں وہ اُس کو صالح سمجھتے ہیں۔ لیکن صالحیت کا اصل معیار کیا ہوگا؟ صالحیت کا معیار ہے آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ، ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے قرآن کریم اور قرآن کریم کی زندہ تفسیر ہے محمد رسول اللہ ﷺ۔ حبیبہ حبیب کبریا اُمِ المومنین حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے عرض کی کہ یا اُم المومنین حضور اکرم ﷺ کے اخلاق عالیہ کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: انما بُعثت لأتمم مكارم الاخلاق اعلیٰ ترین اخلاقی قدروں کی تکمیل کے لئے اللہ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے، وہ اعلیٰ ترین قدریں کیا ہیں؟ آپ ﷺ کے درِ دولت پہ آپ ﷺ کے ہمراہ جتنا وقت بسر کیا اور ایک ایک ادا کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نوٹ کیا، سمجھا اور اُمت تک پہنچایا، لہٰذا آپ ﷺ کے مکارم اخلاق، اخلاقیات کی بلندی اور انتہائی بلندی کے بارے میں، آپ ﷺ کے معمولات عالی میں سے کچھ ارشاد فرمائیے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بڑا خوبصورت، بڑا مختصر سا جواب دیا، فرمایا: كان خلقهُ القرآن۔ آپ ﷺ کے اخلاق عالیہ کو سمجھنا ہے تو قرآن کریم پڑھنا شروع کر دو۔ جو کام کرنے کا قرآن نے حکم دیا، جس انداز سے کرنے کا حکم دیا اور جو انداز اللہ کو پسند تھا وہ رسول اللہ ﷺ بجالاتے تھے اور جس کام سے کتاب اللہ نے روک دیا اور جو بات اللہ کو پسند نہیں، حضور ﷺ وہ نہیں کرتے تھے۔ تو اگر آپ ﷺ کے اخلاق عالیہ سے واقفیت حاصل کرنا چاہو تو قرآن حکیم کی تلاوت شروع کر دو۔ قرآن جو کرنے کے لئے کہتا ہے حضور ﷺ کرتے تھے، جو کرنے سے روکتا ہے حضور ﷺ اُس سے رُک جاتے تھے۔

سو فرمایا، یہ بات صرف زبان کی ہی نہیں ہے۔ ہمارے ائمہ دین نے، تمام اکابر علماء نے ایمان، عمل کو قرار دیا ہے۔ مفسرین، فقہاء اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدثین اس بات پر جمے ہوئے ہیں کہ ایمان عمل کا نام ہے۔ اگر ایک شخص کہتا بھی ہے کہ میں نے کلمہ پڑھ لیا اور وہ کلمے کو قبول بھی کرتا ہے لیکن عمل نہیں کرتا تو اُس کا کلمہ قابل قبول نہیں ہے۔ ائمہ فقہ میں سے امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہم سارے اس بات پر متفق ہیں سوائے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے، وہ فرماتے ہیں کلمہ پڑھنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ میں مسلمان ہوں، یہ بھی تو ایک عمل ہے، اس لئے اُسے مسلمان مانا جائے۔ باقی ائمہ یہ فرماتے ہیں کہ

جو شخص کہتا ہے میں مسلمان ہوں، کلمہ پڑھتا ہے لیکن دین پر عمل نہیں کرتا تو اُسے سزا دی جائے اور مر جائے تو اُس کا جنازہ نہ پڑھا جائے، اُسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ کلمہ پڑھنا یا یہ دعویٰ کرنا کہ میں مسلمان ہوں یہ بھی تو ایک عمل ہے لیکن اُس کے بعد وہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ عمل کرنے کے بعد عملی زندگی میں اسلام کی پروانہیں کرتا تو اُسے جیل میں بند کر دیا جائے، جب تک وہ عمل اختیار نہیں کرتا، اُسے چھوڑا نہ جائے اور اگر اُس بے عملی میں مر جائے تو پھر وہ بھی فرماتے ہیں کہ اُس کا جنازہ پڑھا جائے نہ اُسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ اس لئے کہ قرآن حکیم نے ایمان اور عمل کو متصل بیان کیا ہے۔

انسانیت کی آڑ میں دین سے فرار:

آپ الٓمّٓ سے وَالنَّاس تک پڑھ جائیں، جہاں ایمان کی بات آئے گی ساتھ عمل کی بات آئے گی۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُو الصّٰلِحٰتِ۔ اب ہمارے زمانے میں سورہ البقرہ کی اس آیت کا جو ترجمہ کیا جاتا ہے وہ آیت کے خلاف ہے۔ آج یہ کہا جاتا ہے۔

''کہ یہودی ہو یا نصرانی ہو یا بے دین ہو جو بھی بھلے کام کرے گا وہ جنتی ہے۔''

یہ اس دور کے روشن خیال محققین اور جدید معاشرے کا ترجمہ ہے جن کا ایک طرح سے مذہب انسانیت ہے۔ یہ ایک نیا مذہب نکلا ہے جس کے علمبردار ہمارے نام نہاد دانشور، بیشتر شاعر، ادیب اور اس طرح کا ایک طبقہ ہے لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ انسانیت ہے کیا۔ اللہ کریم نے یہ فیصلہ دیا کہ جو اللہ پر ایمان نہیں لاتا، جو اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان نہیں لاتا، آپ ﷺ کا اتباع نہیں کرتا، جو حقائق کو نہیں مانتا: اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (الاعراف:179) وہ تو چوپاؤں کی طرح ہے، جانوروں کی مثال ہے، کھایا، پیا، پیٹ بھرا، بچے پیدا کیے، مر گیا۔ یہ تو جانوروں کی زندگی ہے بلکہ فرمایا: بَلْ هُمْ اَضَلُّ وہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں کہ جانوروں میں تو وہ صلاحیت ہی نہیں تھی لیکن اللہ نے اُنہیں انسان پیدا کیا اور انسانی صلاحیتیں عطا فرمائیں۔ اُس کے باوجود یہ زندگی جانوروں کی طرح گزار رہے ہیں تو یہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ اسلام انسانیت کا درس دیتا ہے اور انسانیت بنی نوع آدم کو اسلام نے ہی عطا کی۔ آدم علیہ السلام تک ہر نبیؑ نے جو دین عطا فرمایا بنیادی طور پر وہ سارا اسلام ہی تھا لیکن بعثت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد دین کی تکمیل ہوگئی اور یاد رکھو!

خبر اور احکام:

دین کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ ہے خبر اور ایک حصہ ہے اوامر و نواہی۔ خبر میں تبدیلی نہیں ہوتی کیونکہ اگر

خبر میں تبدیلی ہو تو دو میں سے ایک غلط ثابت ہوتی ہے۔ایک خبر آئی ہے دوسری خبر اُس سے متصادم ہے تو دو میں سے ایک سچی ہوگی، دونوں سچی نہیں ہوتیں۔ خبر ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے، یہ خبر ہے کہ آخرت ہے، حساب کتاب ہے، جنت دوزخ ہے، ملائکہ ہیں، فرشتے ہیں، ان کا وجود ہے، یہ خبر ہے۔ شیاطین ہیں اور وہ گمراہ کرتے ہیں، یہ سب کچھ خبر ہے۔ خبر وہی ہے جو آدم علیہ السلام نے دی۔ ہر نبیؑ کے دین میں کلمے کا پہلا جز و لا الہ الا اللہ ہے اس لئے کہ یہ خبر ہے۔ لا الہ الا اللہ آدم صفی اللہ۔ لا الہ الا اللہ نوح نجی اللہ. لا الہ الا اللہ ابراهیم خلیل اللہ. لا الہ الا اللہ اسمعیل ذبیح اللہ. لا الہ الا اللہ عیسیٰ روح اللہ۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے جو کلمہ عطا فرمایا اُس کا پہلا جز و خبر ہے دوسرا اُن کی رسالت کے بارے ہے۔ اب رسالت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ احکام اور زندگی کا نصاب دے۔ رسول وہ ہے جو اللہ کی پسند کے مطابق زندگی کا نصاب عطا فرمائے، دعوت الی اللہ دے، لوگوں کے دلوں کو پاک کرے اور اُنہیں تعلیم کتاب وحکمت دے۔

لہٰذا ہر نبیؑ نے اپنے زمانے میں جو احکام دیے وہ اُن کے لئے تھے جن کی طرف وہ مبعوث ہوئے تھے اور اُن کے زمانے کے لئے تھے۔ اب نئی نبوت آ گئی، احکام بدل گئے تھوڑا بہت اُس میں ردو بدل ہو گیا، لوگوں کے مزاج کے مطابق، لوگوں کے رواج کے مطابق، اُن کی قوت برداشت کے مطابق، آج ایک آدمی کے لئے حکم ہے، اسے قید کر دو کل اُس کے لئے حکم آ سکتا ہے، اسے چھوڑ دو، تو دونوں حکم صحیح ہیں آج اُس کا قید کرنا صحیح ہے کل اُس کا رہا کرنا صحیح ہے، احکام بدلتے رہتے ہیں اور اپنے وقت پہ سارے صحیح ہوتے ہیں۔ لیکن جب محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ ساری انسانیت کے لئے مبعوث ہوئے۔ لہٰذا پہلے تمام احکام منسوخ ہو گئے اور زندگی کے ہر عمل میں وہ حکم میسر ہو گیا جو محمد رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرما دیا، آپ ﷺ نے دیکھا اور پسند فرمایا، آپ ﷺ نے دیکھا اور منع نہیں کیا، آپ ﷺ نے کوئی کام کرنے کا حکم دیا، یہ ساری باتیں کیا ہیں؟ رسول اللہ ﷺ کی ادائیں ہیں اور یہ ساری تفسیر ہے قرآن کریم کی!

فضیلت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین:

قرآن کے حوالے سے کوئی بات کرے تو اُس سے ایک بات ضرور پوچھی جائے کہ جب حضور ﷺ نے یہ آیت بیان فرمائی تھی تو کیا صحابہ رضی اللہ علیہم اجمعین نے یہی مفہوم سمجھا تھا جو آپ بیان کر رہے ہیں اور اگر صحابہؓ نے یہ مفہوم نہیں سمجھا تھا تو پھر آپ غلطی پر ہیں۔ قرآن کا ترجمہ منطق سے کرنا صرف ونحو

کے زور پر کرنا حکایات وروایات کے زور پر کرنا درست نہیں ہے ورنہ عرب تو اپنی زبان پہ ناز کرتے تھے اور باقی دنیا کو عجم کہتے تھے۔ عجم کا معنی ہوتا ہے بے زبان ''گونگا''۔ وہ کہتے تھے زبان ہے ہی عربوں کے پاس، باقی لوگ تو عجمی ہیں، سارے گونگے ہیں، ان کے پاس زبان کہاں سے آئی! لیکن جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو عرب کے وہ چنے ہوئے لوگ جنہیں اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی معیت کے لئے منتخب کرلیا، اس کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے آپ ﷺ ہی کی طرف دیکھتے تھے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ کے فضائل لکھتے ہیں تو ایک جگہ وہ یوں رقمطراز ہیں کہ ایک آدمی وہاں دفن ہوتا ہے جہاں کی مٹی اُس کے خمیر کے لئے بنیادی طور پر حاصل کی جاتی ہے، وہیں اُس کی قبر بنتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مدینہ عجیب بستی ہے کہ جن لوگوں کو رفاقت محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے اللہ نے منتخب فرمایا، وہ سب مدینہ منورہ میں دفن ہوئے، گویا اس سرزمین سے اُن کے خمیر کی مٹی اللہ نے لی تھی۔ یہ کیسی خوش نصیب مٹی ہے اور اللہ کو یہ کتنی محبوب ہے۔ اور بے شمار فضائل لکھنے کے بعد ایک عجیب فضیلت شاہ ولی اللہؒ یہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کو اللہ نے چن لیا، جن میں اکابر صحابہ، خلفائے راشدین اور اکثر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں، وہ مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔ فرماتے ہیں کہ عجیب مٹی ہے کہ جسے اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کے ہمراہیوں، ساتھیوں، خادموں اور جانبازوں کے لئے ازل سے پسند فرمایا۔ تخلیق ہی اس لئے کی کہ یہاں وہ سب بندے کھڑے کروں گا جو میرے نبی ﷺ کا ساتھ دیں گے، کیا عجیب بات ہے۔

کلمہ طیبہ کا اعجاز:

مسلمانو! تم بھی سُن لو! جو مسلمان نہیں ہیں، وہ مشرک ہیں یہود و نصاریٰ ہیں یا بے دین ہیں، جو کسی دین پہ یقین نہیں رکھتے۔ کلمہ طیبہ میں ایک ایسی برقی رو ہے، ایک ایسا نور ہے، ایک ایسی تجلی ہے کہ جب کوئی کہتا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو اُس سے پہلے کی ساری برائیاں، سارے گناہ اور سارے کفر و شرک ہر چیز ایک لمحے میں مٹ جاتی ہے اور وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے ابھی دنیا میں وارد ہوا۔ اب اُس کی مرضی کہ وہ واپس وہی ظلمت اپنے اوپر لادنا چاہتا ہے یا آگے نور کا سفر کرنا چاہتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ او کما قال رسول اللہ ﷺ کہ جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ لیا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ اب عہد حاضر کے لوگوں نے اس کا ترجمہ یہ بنا لیا کہ کلمہ پڑھ لینا کافی ہے، عمل کی ضرورت نہیں۔ یاد رہے! اس کا مفہوم

حضورِ اکرم ﷺ کے دوسرے ارشاد سے واضح ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے ہمرکاب جنگ بدر میں شرکت فرمائی، آپ ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا کہ لعل اللہ الطلع الی اھل بدرٍ و فقال اعملوا ما شئتم فقد و جبت لکم الجنۃ او فقد غفرت لکم (صحیح البخاری) اہل بدر جنتی ہیں اب اس کے بعد چاہیں وہ کچھ بھی کریں۔ بڑا عجیب ارشادِ عالی تھا۔ عقلِ انسانی کی جہتیں تو بے شمار ہیں، وہ کیا کیا سوچتی ہے، آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ اگر وہ گناہ کریں، اگر وہ چوری کریں یا وہ کفر کر بیٹھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کچھ بھی کریں، میں نے قید کوئی نہیں لگائی۔ محدثین اس پہ پھر بحث کرتے ہیں کہ یہ عجیب بات ہے، اللہ کا حکم ہے کہ جو شرک پر یا کفر پہ مرے گا میں اسے نہیں بخشوں گا۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد میں کوئی قید نہیں ہے کہ کفر و شرک نہ کریں اور جو چاہے کرتے رہیں، فرمایا جو بھی کریں۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ اللہ جسے اہل جنت قرار دے دیتا ہے، نبی ﷺ نے جس کی خبر دی ہے کہ یہ جنتی ہے، اُسے وہ اُسی عمل کی توفیق دیتا ہے جو اہل جنت کو سزاوار ہے، وہ اُس کے خلاف عمل کرتا ہی نہیں، اُسے اور عمل کرنے کا خیال ہی نہیں آتا، اللہ کریم اُس کے دل سے وہ چیزیں نکال دیتا ہے، اُس کا عمل اہل جنت کا عمل بن جاتا ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد اختلاف ہو، دو آراء ہو جائیں اور اہل بدر میں سے کوئی ایک بندہ زندہ ہو اور باقی ساری اُمت ایک رائے پہ متفق ہو جائے، اُس ایک بندے کی رائے اُس سے مختلف ہو، عمل اُس کی رائے پر کرنا جو بدر والا دے رہا ہے۔ اس لئے کہ وہ جنتی ہے، اُس کی رائے غلط نہیں ہو سکتی اور اللہ اُس کے دل میں وہی بات ڈالے گا جو حق ہے۔ اب اس طرف آیئے: من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ صدق دل سے کہنے والا جنت میں داخل ہو گیا۔ اب اُسے جنت کو دل میں بسا لینا ہے، جنت کا کھانا ہے یعنی حلال کھانا ہے، حرام سے بچنا ہے، اہل جنت کا کردار اپنانا ہے، باحیا ہونا ہے، بے حیائی سے بچنا ہے، سچ بولنا ہے، جھوٹ سے بچنا ہے، اُس کا کردار اہل جنت کا ہونا چاہیئے۔ اگر جنت میں داخل ہونے کے بعد عمل کی دنیا میں جنت سے بھاگ کر دوزخیوں کے ہمراہ مل گیا تو پھر جنت میں کیسے جائے گا؟ وہ تو بھگوڑا ہو گیا۔ اسی لئے شریعت میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ کافر اسلام قبول نہیں کرتا تو اُس کے انسانی حقوق بحال ہیں۔ اُس کی عزت کی حفاظت کی جائے، جان و مال کی حفاظت کی جائے، اُس کے روزگار کا خیال کیا جائے، اُس کے بچوں کی تعلیم کا خیال کیا جائے، بیماری کی صورت علاج معالجے کے انسانی حقوق کافر کو بھی حاصل ہیں لیکن مرتد کا کوئی حق نہیں۔ مرتد کو قتل کیا جائے کہ جنت کا بھگوڑا ہے اور یہ وہ جرم ہے کہ جسے اللہ یہ عظمت عطا کرے اور وہ اللہ سے بغاوت کر کے بھاگ جائے! فرمایا: اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہوگی، اسے قتل کر دیا جائے، اس لئے مرتد کی سزا قتل ہے۔

تو اس آیت کریمہ سے لوگوں نے یہ آسانی ڈھونڈ لی ہے کہ مسلمان ہونا کوئی شرط نہیں۔ یہودی ہو، نصرانی ہو، ہندو ہو، سکھ ہو، مذہب تو انسانیت ہے، جو بھی بھلا کرے گا وہ جنت میں چلا جائے گا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا! جنت اللہ کے مقرب بندوں کا گھر ہے، نافرمانوں کا نہیں۔ جن میں ایمان ہی نہیں اُن کا نہیں، اُن کا گھر دوزخ ہے۔ ہاں ایمان لانے سے پہلے خواہ وہ مشرک ہے، کافر ہے، یہودی ہے، نصرانی ہے یا بے دین ہے۔ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ جو اللہ پر ایمان لایا وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور آخرت کو صدق دل سے قبول کر لیا وَعَمِلَ صَالِحاً اور پھر اُس کے اعمال محمد رسول ﷺ کی سنت کے سانچے میں ڈھل گئے۔ فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ اُن کے لئے اُن کا اجر ہے اُن کے پروردگار کے پاس وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ نہ تو اُنہیں آئندہ کا کوئی خوف ہوگا اور نہ گذشتہ پہ افسوس ہوگا۔ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور زندگی کو سنت خیر الانام ﷺ کے مطابق ڈھال لیا تو جو گزر گئی اُس پر اُنہیں رنج نہیں ہوگا کہ اس کی تلافی بھی کر دی جائے گی۔ آنے والے حالات کا انہیں ڈر نہیں ہوگا کہ اُس میں بھی اُنہیں اللہ کی رحمت دستگیری فرماتی نظر آئے گی۔

سزا کا تصور اور اہل اقتدار کی ذمہ داریاں:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ پھر بنی اسرائیل کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ ایک موقع پر جب تم صرف زبانی کلمہ پڑھ رہے تھے، عملی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور تم نے شریعت کو ترک کر دیا تھا تو اللہ نے طور پہاڑ کو اُٹھا کر تم پر معلق کر دیا کہ یا تو اپنا عمل درست کرو اور یا یہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ ہم نے تم پر کوہِ طور کو معلق کر دیا اور تم سے وعدہ لیا اور فرمایا خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ جو کتاب موسیٰ علیہ السلام لائے ہیں اور جو دین موسیٰ علیہ السلام نے دیا اسے پوری مضبوطی سے پکڑ لو اور جو کچھ اس کتاب میں ہے اسے یاد کرو، اس پر عمل کرو تا کہ تم متقی بن سکو۔ یہ عجیب بات ہے! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۭ (البقرۃ: 256) ایک اصول ہے کہ دین میں اکراہ نہیں ہے، زبردستی نہیں ہے تو ان پر تو زبردستی کی گئی، طور اُٹھا کر کھڑا کر دیا گیا کہ اب نہیں مانتے تو پہاڑ کے نیچے کچلے جائیں گے۔ سب نے توبہ کی، وعدے کیے، عہد کیے کہ آئندہ دین کے مطابق زندگی گزاریں گے۔ یاد رہے کہ دین منوانے کے لئے کوئی زبردستی نہیں ہے۔ کسی کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ بنوکِ شمشیر کسی سے کہے، کلمہ پڑھو نہیں تو قتل کر دوں گا، اس

کی اجازت نہیں ہے۔کلمہ اُس کی اپنی پسند ہے،وہ مشرک ہے،کافر ہے یا ایمان لانا چاہتا ہے، یہ اُس کا اور رب العالمین کا معاملہ ہے لیکن ایمان لانے کے بعد اگر ترک عمل کرتا ہے تو پھر حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اُس پر زبردستی کرے یا اس پر اسے سزائیں دے۔جس نے مرضی سے اسلام قبول کیا ہے اُس سے اسلام پر عمل کروانا حکومت کی ذمہ داری، ہے پھر وہ سزا کا بھی مستحق ہے اور زبردستی کا بھی کیونکہ اُس نے اپنی پسند سے دین اختیار کیا۔قانون کے مطابق قاضی جو بھی اُسے سزا دے گا وہ درست ہوگی، جب تک وہ اپنا عمل درست نہیں کرتا۔ اور یہ ان لوگوں کی ذمہ داری ہے جو خود کو حکمران یا حاکم یا حکومت کہتے ہیں۔

اب یہ ہماری بدقسمتی کہ ہماری حکومتیں عملی دنیا سے سب سے زیادہ دُور ہوتی ہیں۔ بدقسمتی کی حد دیکھئے کہ جب حکومتوں کے انتخاب کا وقت آتا ہے تو ہم لوگ اُنہی کو منتخب کرتے ہیں جو دین سے دور ہوتے ہیں۔ یہ ہمارا اپنا انتخاب ہے اس لئے کہ ہم خود بھی دین سے دور ہیں۔ ہمارے نزدیک دین کی اہمیت نہیں ہے اور وطن عزیز میں یہ ایک عجیب سوچ بن گئی ہے۔ ایسے لوگ جنہوں نے زندگی میں تھانہ نہیں دیکھا اور شاید مرتے دم تک تھانے نہ جائیں وہ اپنا ووٹ ایسے بندے کو دیتے ہیں کہ میں کل جرم کروں گا تو یہ تھانے میں میری مدد کرے گا۔عجیب بات ہے کہ تم نے جرم کیا نہیں، جرم کرنے کا ارادہ نہیں لیکن ووٹ اس کو دیتے ہو جو شخص تھانے میں جرائم کی پشت پناہی کر سکے۔کیا وہ خود دین دار اور نیک ہوگا؟ وہ تم سے بڑا مجرم ہوگا، تم اُس کی جماعت میں جارہے ہو، تم سنپولیے ہو، ایک بڑے سانپ کی گود میں جارہے ہو، بڑے سانپ تو چھوٹے کو کھا جاتے ہیں' تم کس موت کے منہ میں جارہے ہو؟ ہماری بدقسمتی ہے،ہم خود بنیادی طور پر سوچ ہی غلط رکھتے ہیں اور عمل بھی غلط ہے۔سادہ سی بات ہے، جس نے کلمہ پڑھ لیا اُس پر نماز بھی فرض ہے۔نہیں پڑھے گا تو سزا پائے گا۔روزہ فرض ہے، بغیر عذر شرعی چھوڑے گا تو سزا پائے گا۔اسی طرح اخلاقیات سے لے کر کردار تک ایک لائحہ عمل ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمادیا۔ جہاں سے کوئی چھوڑے گا، اس پر عمل کرانا حکومت اور حکمرانوں کی ذمہ داری ہے۔ یہ بھی جائز نہیں ہے کہ میں اور آپ لوگوں کو قتل کرنا، دُرے مارنا اور لوگوں کو ایذاء دینا شروع کردیں۔ یہ حکمرانوں کی اور حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اُنہیں بھی کل اللہ کی بادگاہ میں جانا ہے۔اگر اپنی ذمہ داری پوری نہیں کریں گے تو جواب دیں گے۔ ہمیں قانون ہاتھ میں لینے کا اختیار حاصل نہیں ہے کہ ہر بندہ فیصلہ کرے۔ ایک آدمی سڑک پہ قتل کرتا ہے اور قاتل کی سزا موت ہے۔ دوسرا اس لئے اُسے قتل کردے کہ یہ قاتل ہے تو وہ بھی قاتل کہلائے گا۔ اُسے بھی سزا ملے گی، چونکہ اس کے پاس اُسے سزا دینے کا اختیار نہیں ہے۔اگر اُسے عدالت پھانسی چڑھا دیتی ہے تو جج پر تو قتل کا مقدمہ نہیں بنتا، بندہ تو اُس نے

بھی مار دیا۔ اس لئے کہ اُس کے پاس اختیار ہے، حکومت کی طرف سے اجتماعی معاشرے کا جو مرکز ہے، اُس کی طرف سے اُس کے پاس اختیار ہے کہ مجرم کو سزا دے، وہ سزا کہلائے گی۔ میں اور آپ کسی قاتل کو قتل کر دیں گے تو یہ ایک اور قتل ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی دین پر عمل نہیں کرتا تو اُسے سزا دینے کا اختیار میرے اور آپ کے پاس نہیں ہے جس کا آج رواج ہو گیا ہے کہ اُس کا عقیدہ صحیح نہیں ہے، اُسے گولی مار دو۔ اور اُس کا طریقہ صحیح نہیں ہے، اسے تباہ کر دو اور یہ بڑا ثواب کا کام ہے۔ یہ ثواب کا نہیں عذاب کا کام ہے۔ اللہ کی مخلوق کے لئے باعث ایذاء بننا اور بلا اختیار کسی کو قتل کرنا، ایک قتل ایسا ہے جیسے انسانیت کو قتل کرے۔

فرمایا: اے بنی اسرائیل! یاد کرو کہ تم ایسے بے عمل اور نکمے لوگ تھے کہ اپنے نبی کی موجودگی میں تم نے عمل سے ہاتھ کھینچ لیا۔ ہم نے تم پر طور مسلط کر دیا، لٹکا دیا کہ اگر تم وعدہ نہیں کرتے کہ شریعت پر عمل کرو گے تو یہ تم پر گرا دیا جائے گا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ جب ہم نے تم سے عہد لیا خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ وَّاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴿۶۳﴾ قوت سے پکڑو دین کو اور جو کتاب دی اُس پر عمل کرو تا کہ اللہ رب العالمین سے تمہارا رشتہ استوار ہو جائے اور تمہارا ایک ایسا تعلق بن جائے جسے تقویٰ کہتے ہیں۔ تم اپنے مالک کو اپنے ساتھ محسوس کرو کہ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ق:16) میرا مالک، میرا پروردگار، میرا معبود برحق، میری رگِ جاں سے قریب میرے ساتھ ہے۔

ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ۔ تم ایسے بدبخت ہو کہ اس کے بعد پھر وعدے سے پھر گئے فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ لَکُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ﴿۶۴﴾ لیکن اللہ کا نبی تم میں موجود تھا تمہاری اس بدعہدی کے بعد اللہ نے تم پر رحم فرمایا۔ اگر وہ تم پر اپنا فضل اور اپنی رحمت نہ فرماتا، درگزر نہ فرماتا، تو تم تباہ ہو جاتے اور دین و دنیا، دونوں کھو بیٹھتے یعنی بہت بڑے خسارے، بہت بڑے نقصان میں چلے جاتے۔ اللہ کریم نے تمہاری اس بدعہدی کے بعد بھی تم پر احسان فرمایا۔

اب ہم اپنی حالت کو دیکھیں کہ ہم کلمہ تو پڑھتے ہیں لیکن عملی زندگی میں کیا کر رہے ہیں؟ اس کے باوجود اُس کا کرم ہے کہ ہماری شکلیں مسخ نہیں ہوتیں، اُس کا کرم ہے کہ ہمارے عیوب دنیا پہ ظاہر نہیں کرتا، اُس کا احسان ہے کہ ہمیں زندگی اور زندگی کی نعمتیں عطا کر رکھی ہیں۔ آدمی، اتنی کریم ذات، اتنے کریم نبی ﷺ اور اتنے خوبصورت دین کو چھوڑ بیٹھے تو اس سے زیادہ بدقسمتی کیا ہے!

اللہ کریم بنی اسرائیل کو ایک ایک کر کے اپنے احسانات یاد دلا رہے ہیں کہ تم نے توبہ کرنے اور عہد کرنے کے بعد پھر بدعہدی کی لیکن اللہ ایسا کریم ہے کہ اُس نے تم پر مہربانی کی، رحمت کی ورنہ تم سخت خسارے میں رہتے، تباہ ہو جاتے۔

وَلَقَدۡ عَلِمۡتُمُ تمہیں یہ بھی پتہ ہے الَّذِيۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡكُمۡ فِى السَّبۡتِ تمہارے آباؤ اجداد نے ہفتے کے روز کے حکم کی خلاف ورزی کی جو زیادتی کی تھی، وہ بھی تم خوب جانتے ہو۔ یہودیوں میں شروع ہی سے ہفتے کا دن مبارک تھا جس طرح مسلمانوں کے ہاں جمعہ کا دن مبارک ہے اور عیسائی اتوار کو مبارک سمجھتے ہیں۔ چونکہ ان کی آبادیاں سمندر کے کنارے پر تھیں اس لئے ان کی غذا بھی مچھلی تھی اور کاروبار بھی مچھلی تھا۔ انہیں اللہ کریم کی طرف سے حکم دیا گیا کہ ہفتے کے روز تم مچھلی نہیں پکڑ سکتے۔ ہفتے کا دن تمہارا عبادت کا دن ہے اور اُس دن کوئی مچھلی کا شکار نہیں کرے گا۔ اللہ کریم بے نیاز ہے اور اس کے امتحان بھی نرالے ہوتے ہیں کہ جب ہفتے کا دن آتا تو بے شمار مچھلیاں سمندر کے کنارے چھوٹے پانی میں آ جاتیں اور نظر آنا شروع ہو جاتیں اور جب ہفتے کا دن گزر جاتا تو مچھلیاں غائب ہو جاتیں۔ جس طرح عام طور پر محنت کر کے شکار کرنا پڑتا ہے یا شکار تلاش کرنا پڑتا ہے، وہی صورتحال بن جاتی۔ چونکہ انہیں حکم تھا کہ تم ہفتے کے روز مچھلیاں نہیں پکڑ سکتے تو ان لوگوں نے ایک حیلہ نکالا جس پر تمام قوم تین حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

حق و باطل کی کشمکش میں تین طبقات:

ایک طبقہ وہ تھا جس نے یہ حیلہ نکالا کہ سمندر کے کنارے چند فٹ ہٹ کر ایک بڑا گڑھا حوض سا بنا دیتے اور پھر سمندر کے پانی سے نالی کھود کر اسے ملا دیتے۔ وہ حوض پانی سے بھر جاتا اور اُس پانی میں مچھلیاں بھی آ جاتیں۔ جب وہ حوض مچھلیوں سے بھر جاتا تو یہ اس نالی میں پتھر وغیرہ رکھ کر اسے بند کر دیتے کہ ہم پکڑتے تو نہیں ہیں، سمندر کے پانی میں ہی ہیں اور دوسرے دن اُس چھوٹے سے حوض سے پکڑ لیتے۔ حیلہ ایک شرعی قاعدہ بھی ہے۔ اگر کسی حکم پر عمل کرنا ممکن نہیں تو کوئی حیلہ ایسا ہو جس سے تعمیل حکم بھی ہو جائے اور آدمی نافرمانی سے بھی بچ جائے لیکن ایسا حیلہ کرنا، جس سے حکم کا مفہوم ہی بدل جائے، وہ باطل ہے۔ اب یہاں حکم یہ تھا کہ مچھلیاں نہ پکڑو۔

ہفتے کو اگر آپ پکڑ کر گھر لے آئے یا انہیں ایک جگہ قید کر دیا، بات تو برابر ہے، حکم کی نفی ہو گئی۔ دوسرے وہ لوگ تھے جو الگ تھلگ ہو گئے کہ یہ جانیں ان کا کام جانے، ہم نہ ان کے ساتھ شامل ہوتے ہیں

نہ ان کو منع کرتے ہیں، ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ تیسرا طبقہ وہ تھا جو انہیں روکتا تھا کہ یہ ظلم کر رہے ہو، ایسا نہ کرو۔ تمہارے اس کردار کی وجہ سے اللہ کا عذاب آئے گا اور سب تباہ ہو جائیں گے۔ تم ایسا نہ کرو۔ جب بات حد سے بڑھی تو اللہ کریم فرماتے ہیں۔

فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿٦٥﴾ ہم نے ان پر یہ عذاب بھیجا کہ ان سب کو ذلیل اور رسوا بندر بنا دیا۔ بڑی قابل غور بات یہ ہے کہ جو منع کرتے تھے ان کا ذکر آتا ہے یا جو یہ کام کرتے تھے ان کا ذکر آتا ہے لیکن جو کہتے تھے ہم کرتے بھی نہیں، منع بھی نہیں کرتے، ان کا ذکر قرآن کریم میں کہیں نہیں آتا کہ ان کے ساتھ کیا ہوا؟ انہیں کے ساتھ تباہ ہو گئے، کوئی نہیں جانتا۔ صرف وہ لوگ بچے جو خود اللہ کی اطاعت کرتے تھے اور دوسروں کو اطاعت کی ترغیب بھی دیتے تھے۔ جس طرح عمل کرنا دین ہے، ویسے ہی اس کی ترویج بھی دین ہے اور دین کے احکام آگے پہنچانا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ جنہوں نے یہ رویہ اختیار کیا، یہ جانیں اور خدا جانے، وہ بھی انہی کے ساتھ تباہ ہو گئے۔ صرف وہ لوگ بچے جو انہیں اس کردار سے منع کرتے تھے۔ بعض تفاسیر میں یہ بھی ہے کہ جو منع کرنے والے تھے، اُن کے اور اپنے درمیان انہوں نے ایک دیوار بنا دی کہ تم اس طرف ہو جاؤ، تم نہ ہمیں دیکھو نہ ہم سے بات کرو۔ جب انہوں نے منع کرنے والوں سے قطع تعلق کر لیا اور نیک لوگوں سے الگ تھلگ ہو گئے تو عذاب الٰہی آ گیا۔ صبح لوگ اٹھے تو دیوار کی دوسری طرف بندر چیخ رہے تھے، جانوروں کی، بندروں کی اور خنزیروں کی چیخنے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ انہوں نے جب دیکھا تو ساری قوم مسخ ہو چکی تھی۔ دو دن یا تین دن رسوا ہو کر مر گئے۔

بندروں کا نسلِ انسانی سے کوئی تعلق نہیں:

یاد رہے کہ جو قومیں مسخ ہو کر بندر یا خنزیر بنیں، ان کی نسل نہیں چلی۔ وہ دو دن زندہ رہے، چار دن رہے، جتنا اللہ نے انہیں عذاب دینا تھا، دیا اور اس کے بعد تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو گئے۔ نہ وہ جانوروں کی زندگی جی سکے، نہ ان کی نسل چلی۔ یہ دنیا میں جو بندر یا خنزیر ملتے ہیں، یہ کہیں بھی کسی انسان کی نسل سے نہیں ہیں۔ وہ انسان بندر بن گئے لیکن انسانی خصوصیات اور انسانی روح تو ان کے اندر موجود رہی، وہ مستقل جانور نہیں بنے، قلبی ماہیت تبدیل نہیں ہوئی۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک معجزہ تھا کہ اُس نے انہیں ایسا بنا دیا۔ بندر وغیرہ تو آخرت میں ختم ہو جائیں گے، ان کے لئے جنت دوزخ نہیں ہے۔ یہ شریعت کے مکلف نہیں ہیں۔ یہ تو اللہ نے انسانوں کی دنیاوی زندگی کے لئے پیدا فرمائے اور ہر کوئی اپنی اپنی خدمت انجام بجا لا رہا ہے۔ جب دنیا ختم ہو گی تو یہ بھی ختم ہو جائیں گے۔ وہ انسان جو مسخ ہو کر بندر یا خنزیر بنے، انہیں تو ہمیشہ دوزخ

میں رہنا ہے۔ وہ انسان تھے، مکلف تھے، انہوں نے جان بوجھ کر نافرمانی کی لہٰذا وہ دوزخ میں جائیں گے۔ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾ ہم نے انہیں حکم دیا کہ ذلیل اور رسوا بندر بن جاؤ۔ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ : تم خوب جانتے ہو کہ تمہارے ہی لوگوں نے ہفتے کے دن کتنی بڑی زیادتی کی تھی، جس پر یہ عذاب آیا تھا۔

صحبت کا اثر:

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مکہ مکرمہ پہ عذاب کی بات آتی ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اس شہر کو میں کیسے تباہ کر دوں جس میں ایسے لوگ بھی ہیں جو توبہ بھی کرتے ہیں، مجھے یاد بھی کرتے ہیں۔ جو غریب اور مسکین مسلمان ہجرت نہیں کر سکے تھے اور وہاں رہ گئے تھے، وہ ان کو تباہی سے بچانے کا سبب بن گئے تھے لیکن وہی مکہ والے جب ان سے الگ ہو کر میدانِ بدر میں اترے، اس وقت ان میں کوئی اللہ اللہ کرنے والا نہیں تھا لہٰذا تباہ و برباد ہو گئے۔ آدمی ہزار کوتاہیاں بھی کر لے لیکن اللہ تعالیٰ کی رفاقت اور اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ تعلق ضرور رکھے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی جس مجلس میں بیٹھتا ہے، اس کا اثر لیتا ہے۔ بخاری شریف میں حدیث ہے کہ اگر کوئی لوہار کی دکان پر بیٹھتا ہے تو اول تو اس پر کوئی چنگاری پڑتی ہے، جسم جلا دیتی ہے یا کپڑا جلا دیتی ہے اور اگر جلنے سے بچ بھی جائے تو جتنی دیر وہاں بیٹھتا ہے، اسے آگ کی تپش اور دھواں پریشان کرتا رہتا ہے۔ وہی بندہ اگر عطار کی دکان پر بیٹھے تو ہو سکتا ہے کوئی عطر خرید کے اٹھے یا وہ تحفتہً اسے عطر لگا دے لیکن اگر ایسا نہ بھی ہو تو جتنی دیر بیٹھا رہے گا اتنی دیر تو اس کا دماغ معطر رہے گا اور خوشبو لیتا رہے گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ صالحین کی صحبت میں، بھلے لوگوں کی صحبت میں بیٹھو۔

صحبت صالح ترا صالح کند، نیک آدمی کے پاس بیٹھو تو تم بھی نیک ہو جاؤ گے اور صحبت طالح ترا طالح کند، بدکاروں کے پاس بیٹھو گے تو بدکاری میں ڈھل جاؤ گے۔ اصحابِ سبت بھی جب اللہ اللہ کرنے والوں اور نیک لوگوں کے ساتھ مل کر رہتے تھے تب تک عذاب سے محفوظ تھے اگرچہ گناہ تو کئے جا رہے تھے لیکن جب اللہ کے نیک بندوں سے الگ ہوئے، ان کے درمیان اور اپنے درمیان دیوار بنالی کہ بھئی تم ہمارے کان کھا گئے ہو اور ہمیں روز منع کرتے ہو، ہم سے الگ ہو جاؤ تو اللہ کا عذاب آ گیا اور وہ بندر اور خنزیر بن گئے۔

بعثت رحمت عالم ﷺ انسانیت پر احسان ہے:

نبی کریم ﷺ کی بعثت اور دنیا میں تشریف آوری سے ساری کائنات کو یوں تو بے شمار فوائد حاصل

ہوئے، ان میں اللہ کا ایک کرم یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کے تشریف لانے کے بعد قوموں پر سے اجتماعی عذاب ٹل گیا۔ اس کے بعد کوئی قوم اجتماعی عذاب میں گرفتار نہیں ہوگی، شکلیں مسخ نہیں ہوں گی البتہ اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے لئے جزوی عذاب آتے رہیں گے، بیماریاں بھی آئیں گی، طوفان بھی آئیں گے، جنگیں بھی ہوں گی، تباہیاں بھی آئیں گی، لیکن من حیث القوم کسی قوم پر عذاب آئے کہ وہ مسخ ہو کر بندر یا خنزیر بن جائے یا غرق ہو جائے یا اس پر آسمان سے پتھر برسیں، غرض عذاب کی جو قسمیں قرآن کریم نے بیان فرمائی ہیں اور تاریخ میں بھی ملتی ہیں، ایسے سارے عذاب ختم ہو گئے۔ لیکن یہ یاد رکھیے کہ انسان کی صورت ظاہری اگر انسانی رہ بھی جائے تو اس کے اندر جو روح ہے، اس کی شکلیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ جتنی نیکی کی توفیق ہوتی ہے، جتنی اطاعت الٰہی کی توفیق ہوتی ہے، اتنی اس کی صورت خوبصورت، روشن، منور اور اعلیٰ ہوتی جاتی ہے اور جتنی برائیاں کرتا ہے اور نیکی کی نفی کرتا ہے تو بظاہر وجود انسان کا ہوتا ہے لیکن اندر صورتیں مسخ ہو جاتی ہیں۔ کوئی صاحب نظر دیکھے تو آج بھی لوگ انسانی قالب میں بھیڑیے، خنزیر، بندر اور اژدھے بنے پھر رہے ہوتے ہیں۔ گناہ کا اثر تو اپنی جگہ قائم ہے لیکن آقائے نامدار ﷺ کی تشریف آوری کے بعد یہ اللہ کا احسان ہوا کہ اس نے انسانوں کا بھرم رکھ لیا۔ اب ان کی ظاہری صورت مسخ نہیں ہوتی لیکن گناہ کا اثر زائل نہیں ہوتا، وہ اپنا کام کرتا ہے اور جب میدانِ حشر میں لوگ اٹھیں گے تو پھر وہ لوگ اسی صورت پہ اٹھیں گے جس صورت پر مریں گے۔

انسانی کردار ماحول کو متاثر کرتا ہے:

اللہ کریم اپنی نافرمانی سے ہمیشہ پناہ میں رکھے کہ انسان ہر لحہ محتاج ہے۔ انسان ایک ایک قطرہ پانی، ایک ایک دانہ غذا کے لئے اتنا محتاج ہے کہ وہ لے بھی آئے، منہ میں رکھ بھی لے لیکن اللہ کا حکم ہو تو حلق سے اتر سکتا ہے ورنہ حلق میں روک دے تو اسی جگہ رک جاتا ہے۔ غذا کے نوالے سے بندے مر بھی سکتے ہیں اور مرے بھی ہیں کہ حلق میں نوالہ پھنس گیا اور نوالہ نکلنے تک بندہ مر گیا۔ غذا کھانے سے بھلا کیا موت ہوتی ہے! غذا تو زندگی کا سبب ہے، لیکن ایک بندے کے لئے موت کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ گناہ ہمیشہ اپنا اثر چھوڑتا ہے، نیکی اپنا اثر چھوڑتی ہے۔ دنیا میں جب تباہی آتی ہے تو انسانی اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ شکایت ہم سب کو ہے کہ روئے زمین پر کہیں بھی امن نہیں، دہشت گردی ہے، جنگیں ہیں، لڑائیاں ہیں، کوئی امریکہ کو Blame کرتا ہے اور کوئی طالبان کو، کوئی اُسامہ کا نام لیتا ہے اور کوئی کسی دوسرے کا، کوئی مذہبی تنظیموں کے ذمے لگاتا ہے اور کوئی سیاست دانوں کے ذمے لیکن حق بات وہ ہے جو قرآن کریم نے کی: **ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ** (الروم: 41) یہ لوگوں کے کرتوت ہوتے ہیں جو زمینوں پر بھی

اور سمندروں میں بھی فساد اور تباہی پھیلا دیتے ہیں۔ اب سمندری طوفان آیا تو لاکھوں لوگوں کو بہا کر لے گیا، کئی بڑے بڑے شہروں کے نام ونشان مٹ گئے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں یہ فساد انسانوں کے گناہوں کا اور انسانوں کے کردار کا نتیجہ ہے۔ زمین پر آگ برس رہی ہے اور پتہ نہیں کتنا بارود روز پھونکا جاتا ہے، انسان ایک دوسرے کو قتل کیے جا رہے ہیں، مساجد میں قتل ہو رہے ہیں، بازاروں میں قتل ہو رہے ہیں، عبادت گاہوں میں قتل ہو رہے ہیں، گھروں میں قتل ہوتے ہیں، تھانے میں جاتے ہیں تو وہاں قتل ہو جاتے ہیں، عدالتوں میں قتل ہوتے ہیں، ہر روز اخبار میں پڑھتے ہیں کہ پولیس عدالت میں پیش کرنے کے لئے لے گئی لیکن احاطہ کچہری میں قتل ہو گیا۔ انسان کے لئے کوئی جگہ کیوں محفوظ نہیں رہی؟ یقیناً اس لئے کہ یہ ہمارے کردار کے نتائج ہیں۔ ہمارا خلوص جو اللہ کے ساتھ تھا، ہمارا خلوص جو نبی رحمت ﷺ کے ساتھ تھا، ہمارا تعلق جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھا، ہم نے وہ چھوڑ دیا اور اس کی جگہ ہم نے شیطان کی دوستی، شیطان کی رائے اور شیطان کا کردار اپنا لیا۔

اہل اللہ بقائے عالم کی ضمانت ہیں:

دنیا میں دو ہی قومیں ہیں، یا مسلمان ہے یا کافر ہے، تیسری تو کوئی نہیں۔ عقیدے کے اعتبار سے کوئی تیسرا فرقہ نہیں ہے، یا مسلمان ہے یا کافر ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں، یا حزب اللہ ہے، اللہ کی جماعت، اللہ کا لشکر یا حزب الشیطان ہے، شیطان کا لشکر۔ وہ لوگ جنہیں نورِ ایمانی نصیب نہیں ہوا، جو کافر ہیں، وہ تو ہیں ہی حزب الشیطان، شیطان کے چیلے لیکن وہ لوگ جنہوں نے کلمہ پڑھا ہے، انہوں نے بھی کلمے سے وفا نہ کی اور شیطان کی اتباع پہ چل نکلے تو پھر امن کیسے قائم ہو گا؟ امن کہاں سے آئے گا؟ یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ اس کے کوئی خاص بندے ایسے بھی ہیں جو اس حال میں بھی خلوص سے اللہ اللہ کر رہے ہیں، خلوص سے دین پر عمل کی کوشش کر رہے ہیں، خلوص سے دین کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اللہ کے ان خاص بندوں کی وجہ سے دنیا قائم ہے۔

نبی رحمت ﷺ سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا حتی لا یقال اللہ اللہ جب کوئی اللہ اللہ کرنے والا نہیں رہے گا تو قیامت آ جائے گی۔ اگر قیامت نہیں آ رہی، آسمان نہیں گر رہا، زمین نہیں پھٹ رہی، سمندر خشک نہیں ہو رہے، پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح نہیں اڑ رہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی زمین پر ایسے لوگ باقی ہیں جو اللہ اللہ کرنے والے ہیں، جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ مخلص ہیں، جو دین کے ساتھ مخلص ہیں، جو دین پر عمل کرنے کی کوشش بھی کر رہے ہیں اور دین کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش بھی کر رہے ہیں، برائی کے خلاف لڑ بھی رہے ہیں، برائی کو روکنے

کی کوشش بھی کر رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اس دنیا کی بقا کا سبب ہیں۔

شیطان کی پیروی اجتماعی تباہی کا سبب:

جتنے لوگ عملی زندگی کو شیطان کی پیروی میں خرچ کر رہے ہیں، وہ صرف اپنا نقصان نہیں کر رہے، اللہ کی خدائی اور اللہ کی کائنات اور اللہ کی اس زمین کو اور اللہ کی ساری مخلوق کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، سب کی تباہی کا سبب بن رہے ہیں۔ اور دیکھ لیجئے کل میدان حشر میں جب محاسبہ ہوگا تو کوئی فرد بھی اپنے گناہوں، اپنے کردار کے بارے میں جواب دینے کے قابل نہیں ہوگا چونکہ کسی کے پاس گناہ کا کوئی جواز نہیں۔ اللہ نے ایک حکم دیا، اب مخلوق کے پاس کیا جواز ہے کہ وہ نہ مانے!

قرآن کریم بتاتا ہے کہ جب موت کے فرشتے روح قبض کرنے کے لئے آتے ہیں اور وہ شخص مسلمان نہیں ہے یا وہ باکردار نہیں ہے تو اس سے سوال پوچھتے ہیں، اس سے بات کرتے ہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ اس کی نگاہ ٹھہر گئی ہے، اب یہ بات کا جواب نہیں دیتا لیکن وہ جواب دے رہا ہوتا ہے۔ ہمیں نہیں، فرشتوں کو جواب دے رہا ہوتا ہے۔ فرشتے پوچھتے ہیں: فِيمَ كُنتُمْ ؕ کہاں عمر گزری، کیا کرتے رہے ہو، تم نے اللہ کا پیغام نہیں سنا، تم نے خدا کے نبی ﷺ کا پیغام نہیں سنا، تم نے کوئی نیکی کی بات نہیں کی، کیا کرتے رہے، تمہارا حشر کیا ہے، تمہارا تو سارا وجود داغ داغ ہے، چھلنی چھلنی ہے، یہ اتنے گناہ کہاں سے جمع کرتے رہے ہو؟ فِيمَ كُنتُمْ ؕ ہاں عمر ضائع کرتے رہے ہو؟ وہ جواب دیتا ہے۔ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ؕ (النسا: 97) جی ہم تو غریب کمزور لوگ تھے اور بڑے بڑے لوگ برائی پر لگے ہوئے تھے۔ حکمران گمراہ تھے، افسران گمراہ تھے، ہمارے بڑے بزرگ، رہنما اور قبائل کے سردار گمراہ تھے اور ہم غریب لوگ تھے، ان کے پیچھے چلتے رہے۔ یہ جواب سن کر فرشتے اسے کہتے ہیں، أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی، تم بدکاروں کے ساتھ مل کر برائی کرنے کی بجائے بدکاروں کا ساتھ چھوڑ کر کہیں اور چلے جاتے۔ جس زمین کو، جس گھر کو اور جس خطے کو تم چمٹے رہے کہ یہ میرا ہے، وہ تو آج بھی چھوڑ کر جا رہے ہو۔ تمہارا کب تھا جو آج چھوڑ کر جا رہے ہو۔ اللہ کی اطاعت کے لئے چھوڑ دیتے اور نافرمانی سے بچ جاتے۔ جہاں کہیں کوئی نیک بندے بستے تھے، وہاں چلے جاتے۔ تم یہ ملکیت بنا کر بیٹھے رہے کہ یہ میرا گھر ہے، یہ میری جائیداد ہے اور یہاں جیسے لوگ ہیں میں ان جیسا گزارہ کروں گا، تو اب بھگتو! یہ سوال جواب تو وہ ہیں جو مرنے سے پہلے فرشتہ کر رہا ہے۔ میدانِ حشر میں وہ بے نیاز اور کریم بھی پوچھے گا کہ تم نے اپنی تباہی تو کی لیکن میری مخلوق کی تباہی کا سبب کیوں بنے؟ عذاب کے آنے کا سبب بنے، یہ جو دنیا میں تباہی آئی اس میں تمہارے گناہوں کا بھی حصہ

ہے، تم نے اس تباہی کا اہتمام کیوں کیا؟ تمہیں کیا حق حاصل تھا کہ اتنے لوگوں کو تباہ کر دیتے، اتنی جنگیں لڑی جاتیں، اتنی آگ برستی، اتنے خاندان اور اتنے گھر اُجڑتے۔ اس وقت جواب دینا ممکن نہیں ہوگا۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ رحم فرمائے اور اللہ بخش دے۔ اس وقت بے شک اعمال نامہ دکھائے، بندہ شرمندہ ہو، رسوا ہو لیکن وہ بے نیاز پوچھے نہیں کہ تم نے یہ کام کیوں کیا ہے؟ یہ پوچھے بغیر معاف کر دے لیکن جس پر یہ سوال ہو گیا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا؟ حضور ﷺ فرماتے ہیں وہ جہنم میں جائے گا۔ اس لئے کہ اس کے پاس اللہ کی نافرمانی کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اس وقت اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی کہ میں نے کس دلیل کے سہارے اللہ کی نافرمانی کی۔ وہ دوزخ سے نہیں بچ پائے گا۔ جس پر سوال ہو گیا کہ تم نے یہ کیوں کیا وہ دوزخ میں جائے گا۔ یہ اس کا کرم ہے کہ پوچھے ہی نہیں، دکھا دے کہ تم نے تو شرم نہیں کی، تم نے تو حیا نہیں کی، لیکن چلو میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ یہ اس کا امر ہے لیکن اگر کیوں پر بات آ گئی تو کسی کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہوگی، اس کے پاس نافرمانی کرنے کا کوئی جواز نہیں ہوگا۔ فرمایا: فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾ ہم نے انہیں ذلیل بندر بنا دیا۔ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا اور ان کے ہم عصر لوگوں کے لئے انہیں باعث عبرت بنا دیا کہ روئے زمین پر اس زمانے کی جو دوسری قومیں آباد ہیں، وہ بھی دیکھ لیں۔

وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾ اور ہمیشہ کے لئے اللہ کے بندوں کے لئے اسے ایک نصیحت بنا دیا۔ اللہ نے جب انسان پیدا فرمایا ہے تو انسانی حدود کے اندر رہ کر انسانی زندگی گزارنی چاہئے۔ نافرمانی میں پڑ کر ذلیل و رسوا جانور کی شکل اختیار نہیں کرنی چاہئے، وہ کردار اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ اس بات کی بنیاد ایک چھوٹے سے نقطے پر ہے، ایک لمحے کی بات ہے، خلوص دل سے جب کوئی یہ آرزو کرلے کہ اللہ! میں برائی سے تھک گیا ہوں، میرے گناہ معاف فرما، مجھے نیکی کی توفیق دے۔ کسی کے دل میں خلوص کے ساتھ، سچائی کے ساتھ کسی لمحے یہ بات آ جائے تو وہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، بلکہ چاہے تو ان گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے اور ان پر ثواب دے دیتا ہے۔

يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وہ گناہوں کو نیکیاں شمار کر لیتا ہے، اس کے خزانے میں کیا کمی ہے۔ اس بخشش، اس بے حد کرم اور اس رحمت عظیم کو حاصل کرنا چاہئے۔ زندگی میں اسے جانے نہیں دینا چاہئے، خلوص کے ساتھ اللہ سے ہر وقت توبہ کرنی چاہئے اور دل کی گہرائیوں سے پکا ارادہ کرنا چاہئے کہ میں

گناہ سے بچوں گا، گناہ نہیں کروں گا۔ انسان پھر انسان ہے، کمزور ہے اگر اُس سے گناہ سرزد ہو جائے تو وہ کریم ہے معاف فرما دیتا ہے۔ وہ گناہوں سے بچنے کے سبب پیدا کر دیتا ہے اور اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے، گناہ سے بچا لیتا ہے لیکن اس کی بنیاد اُس طلب پر ہے جو دل کی گہرائی میں پیدا ہو جائے اور یقین ہو جائے کہ میرا اللہ ہے، میں اس کا بندہ ہوں، جو ہو گیا سو ہو گیا، میرے مالک! مجھے معاف کر دے لیکن آئندہ کیلئے مجھے اپنا بندہ بنا لے۔ وہ کریم ہے، قبول کر لیتا ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دوسروں سے عبرت حاصل کرنا بہتر ہے بجائے اس کے تم خود دوسروں کے لئے باعث عبرت بن جاؤ۔ دوسروں سے عبرت حاصل کرو، اس سے پہلے کہ تمہیں دوسروں کے لئے عبرت بنا دیا جائے۔

اللہ رب العزت بنی اسرائیل کو اپنے احسانات یاد دلا رہے ہیں جن میں ایک عجیب وغریب واقعہ یہ بھی ہے کہ ان میں ایک شخص قتل ہو گیا اور قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ لوگوں نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت عالی میں حاضر ہو کر گذارش کی کہ اگر قاتل کا پتہ نہ چلا تو پوری قوم میں فساد پھیلے گا، لوگ ایک دوسرے پر الزام لگائیں گے، ایک دوسرے کو تکلیف دینے کی کوشش کریں گے اور بات بہت بگڑ جائے گی، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا فرمائیں کہ اس اندھے قتل کا سراغ مل جائے۔ بنی اسرائیل کا یہ ایک عجیب وغریب واقعہ تھا جس کی طرف قرآن کریم نے اشارہ فرمایا۔ اس میں موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ بھی ہے اور قدرتِ باری کا اظہار اور حیات بعد الموت کی تشریح اور وقوع بھی ہے۔ اکثر کفار ومشرکین کا یہ اعتراض رہا ہے کہ زندگی جب ختم ہو گئی، بدن کے اجزا بکھر گئے، ہڈیاں گوشت چمڑا خاک میں مل کر خاک ہو گیا، صدیاں بیت گئیں، اب اس کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا تصور کیسے ممکن ہے؟ یہ ایک ایسا عجیب سوال ہے کہ کفار ومشرکین نے تو اس کا اظہار کیا لیکن ہمارے ہاں بھی ان لوگوں کی کمی نہیں جن کے دل میں کلمہ پڑھنے کے بعد بھی یہ وسوسہ باقی رہتا ہے۔

بنی اسرائیل کو بھی یہ اعتراض تھا کہ موسیٰ علیہ السلام آپ بھی عجیب بات کرتے ہیں! جب مر گئے، بکھر گئے، منتشر ہو گئے، تو بات ختم ہو گئی۔ آپ ہمیں اللہ کا کلمہ پڑھاتے ہیں، ہم آپ کی بات بھی مانتے ہیں پتہ نہیں ایسا ہو گا بھی یا نہیں؟ انہیں بھی حیات بعد الموت کے بارے میں شک تھا۔ اتفاق یہ ہوا کہ بنی اسرائیل میں ایک بندہ قتل ہو گیا۔ کسی نے اسے چوری سے قتل کر دیا تھا اور اب قاتل کا پتہ نہیں مل رہا تھا۔ ساری قوم مصر تھی کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ سے پوچھ کر بتائیں کہ اس کا قاتل کون ہے؟ ربِ جلیل نے انہیں فرمایا: کہ ایک گائے ذبح کرو اور اُس کا گوشت اس مردے کے وجود کے ساتھ لگاؤ تو یہ زندہ ہو جائے گا اور خود بتا دے گا کہ اسے کس نے قتل کیا۔

دنیا عالم اسباب ہے:

اللہ کریم کا اپنا ایک نظام ہے اور دنیا عالم اسباب ہے۔ ہر کام کے لئے ظاہراً کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے' یہ سنت اللہ ہے۔ دنیا میں کوئی چیز اتفاقاً نہیں ہوتی۔ ہر چیز کے پیچھے ایک سبب ہوتا ہے جو ہماری نگاہ سے پوشیدہ ہوتا ہے یا ہمارے علم میں نہیں آتا یا ہم اس کو سمجھ نہیں سکتے تو اس کو حادثہ یا اتفاق قرار دے دیتے ہیں لیکن کوئی چیز اتفاقاً یا حادثاتی طور پر نہیں ہوتی۔ اس کے پیچھے سبب ہوتا ہے جس کے نتیجے میں وہ چیز واقع ہوتی ہے۔ یہاں بھی اللہ کریم نے بنی اسرائیل کو ایک سبب اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور یہی سنت اللہ ہے۔

آپ دیکھ لیجئے، جنگِ بدر دنیا کی تاریخ کی وہ منفرد جنگ ہے جس کی مثال نہیں ملتی کہ ایک ہزار کے لشکر جرار کو، جو ہر طرح سے مسلح بھی تھا، جس میں مکہ مکرمہ کے چُنے ہوئے شہسوار، جنگجو اور تلوار باز شامل تھے، تین سو تیرہ کے ایک ایسے لشکر نے شکست دی جن کے پاس اسلحہ نہ ہونے کے برابر تھا، راشن نہ ہونے کے برابر تھا، کچھ عمر رسیدہ تھے کچھ نوعمر تھے اور عالم یہ تھا کہ بعض صحابہ کرامؓ کے پاس صرف ایک چادر تھی جو انہوں نے کمر کے گرد لپیٹ کر گردن کے پیچھے گرہ لگا لی اور بعض کے پاس دو چادریں تھیں، ایک اوپر لپیٹ لی اور ایک سے کمر بند بنا لیا۔ اللہ نے اس تین سو تیرہ کو اتنی عظیم فتح عطا فرمائی کہ کفار کے ستر نامور شہسوار مارے گئے اور اتنے ہی قید ہوئے جبکہ چودہ مسلمان شہید ہوئے، تو یہ نتیجہ تھا دعا کا۔ کوئی ظاہری سبب نظر نہیں آتا تھا لیکن یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی دعا تھی۔ میدانِ بدر میں نبی کریم ﷺ کے لئے، کمانڈ پوسٹ کی طرح گھاس پھونس کا ایک جھونپڑا سا بنا دیا گیا، جہاں سے آپ ﷺ سخت گرمی اور دھوپ میں لشکر کو لڑا رہے تھے۔ اس جھونپڑے میں، جسے عریش بدر کہا گیا ہے، حضور اکرم ﷺ تشریف لے گئے اور دعا فرمائی اور اس آہ و زاری سے دعا فرمائی کہ دوش مبارک سے چادر سرک گئی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ہمیشہ ہم رکابی کا شرف حاصل کرتے، اس وقت بھی خدمت عالی میں حاضر تھے۔ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! اللہ آپ ﷺ کی دعا قبول فرما چکا، آپ ﷺ کی دعا کو ضائع نہیں جانے دے گا۔ اگر فتح دعا سے ہونی تھی تو حضورِ اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں بیٹھ کر بھی دعا فرما سکتے تھے اور یقیناً اس پر بھی فتح ہو سکتی تھی لیکن سنت اللہ یہ ہے کہ جو اسباب میسر آئے، اسلحہ، زرہ، سواری، راشن جو کچھ میسر آیا، وہ لے کر حضورِ اکرم ﷺ ڈیڑھ سو کلومیٹر سفر کر کے مدینہ منورہ سے مقام بدر پہنچے، صفیں بنوائیں اور دعا کے لئے تشریف لے گئے یعنی جو اسباب ظاہری تھے، وہ نبی کریم ﷺ نے مکمل فرمائے اور اس کے بعد دعا فرمائی۔ تو قاعدہ یہ ہے، سنت اللہ یہ ہے کہ اسباب ظاہری اختیار کیے جائیں اور جائز وسائل اختیار کیے جائیں۔ اسبابِ ظاہری میں بھی کسی کامیابی کے لئے ناجائز اسباب کا سہارا لینے کی اجازت نہیں

ہے۔ جائز وسائل کو چھوڑنا بھی اتنا ہی جرم ہے جتنا ناجائز وسائل کو اختیار کرنا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کریم نے ماں کے پیٹ سے پیدا فرمایا لیکن بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ قدرتِ الٰہی ہے لیکن قرآن کریم میں موجود ہے کہ جبرائیل امین کو بھیجا، انہوں نے انہیں دم کیا، پھونک ماری اور ایک سبب وہاں بھی بنا دیا۔ بنی اسرائیل کے ساتھ بھی جب ایک اندھے قتل کا واقعہ پیش آیا تو اللہ نے ایک سبب بنا دیا اور موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ انہیں کہیں کہ ایک گائے ذبح کریں۔ اس کے بعد انہیں وہ طریقہ بتایا جائے گا جس سے مردہ خود بتا دے گا کہ اس کا قاتل کون ہے اور قتل کیسے ہوا؟ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو یہ جواب دیا کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔

جہالت:

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ تو وہ کہنے لگے کہ ہمیں آپ علیہ السلام سے یہ امید نہیں تھی' آپ تو ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہیں۔ کہاں قتل کا واقعہ؟ کہاں قاتل کی تلاش اور کہاں ایک گائے کا ذبیحہ؟ اب گائے ذبح کرنے کا قتل سے کیا تعلق! انہوں نے فرمایا۔ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝ میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں، ایسا کام کروں جو جہالت ہے۔ چونکہ مذاق اڑانا جہالت ہے، ایسا مذاق جس میں کسی کی تحقیر ہو یا کسی کی توہین کا پہلو نکلتا ہو یا کسی کو بلاوجہ زچ کرنا مقصود ہو، وہ شرعاً جائز نہیں ہے۔ ایسا مذاق جاہل لوگ کرتے ہیں، کوئی صاحب علم و دانش اور صاحب عقل و خرد اس طرح کے مذاق نہیں کرتا، نہ شرعاً یہ جائز ہے۔ ہاں جائز مذاق جس میں کسی کی توہین مقصود نہ ہو بلکہ خوش طبعی مقصود ہو، اس کی اجازت بھی ہے، بے تکلف دوستوں میں ہوتا بھی ہے اور خود نبی کریم ﷺ نے بھی بعض خدام سے مذاق فرمایا۔

ایک مرتبہ کسی نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت عالی میں ایک اونٹ کا سوال کیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسے اونٹنی کا بچہ دے دو۔ یہ سن کر اس نے دوبارہ عرض کیا کہ حضور ﷺ، میں نے تو اونٹ کا سوال کیا تھا۔ حضور ﷺ مسکرا پڑے اور فرمایا اونٹ بھی تو اونٹنی کا ہی بچہ ہوتا ہے، تجھے اونٹ ہی ملے گا۔ اس طرح کا مذاق جس میں خوش طبعی ہو، جس سے دوسرا شخص بھی خوش ہو جائے اور اس کے دل کو بات لگے، جائز ہے لیکن کسی کا مذاق اڑانا یا تمسخر کرنا جس میں کسی کو زچ کرنا مقصود ہو یا کسی کی توہین کا پہلو نکلتا ہو، ناجائز ہے۔

چنانچہ بنی اسرائیل کی اس بات پر کہ اے موسیٰ علیہ السلام! آپ ہم سے مذاق کر رہے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، یہ تو جاہلوں کا کام ہے۔

میں یہاں ایک بات ضمناً عرض کرتا چلوں کہ جہالت کیا ہوتی ہے۔لوگ اپنے ملک کے بڑے بڑے کالجوں، سکولوں، یونیورسٹیوں میں پڑھتے ہیں پھر اس کے بعد غیر ملکی اداروں میں چلے جاتے ہیں۔ان کے پاس بے پناہ علم ہوتا ہے لیکن نہ وہ مناسب کام کرتے ہیں، نہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور نہ حلال حرام کی تمیز کرتے ہیں اگرچہ بہت پڑھے لکھے لوگ ہوتے ہیں۔قرآن حکیم کی نظر میں وہ بندہ جو عظمتِ الٰہی کے مظاہر دیکھ کر بھی اللہ کو نہ پہچانے، وہ بندہ جو اللہ کا کلام دیکھ کر اللہ کے کلام کو نہ پہچانے، وہ بندہ جو خود محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی نہ پہچانے، اللہ کے نزدیک جاہل ہے۔اس سے بڑی جہالت کیا ہوگی کہ کسی کو محمد رسول اللہ ﷺ کی پہچان بھی نہ ہو، کسی کو عظمتِ الٰہی کی بھی پہچان نہ ہو!

حقیقی علم:

علم یہ نہیں ہوتا کہ کسی نے بہت سے الفاظ یاد کر لیے یا بہت سی کتابیں پڑھ لیں۔اگر یہ علم ہوتا تو سارے اخبار عالم ہوتے۔آپ کوئی ایک اخبار کھولیں تو اس میں ملکی سے لے کر ایک ایک گاؤں، شہر اور قریے سے لے کر بین الاقوامی سطح کی باتیں چار کاغذوں میں جمع کر دی جاتی ہیں۔یہ ساری باتیں اپنے اندر سمو کر کیا وہ کاغذ عالم بن جاتے ہیں۔کاغذ تو جاہل ہی رہتے ہیں اس لئے کہ جو کچھ کاغذوں پر لکھا ہوتا ہے اس کا ان کاغذوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ ان باتوں کی وجہ سے وہ کاغذ بہت نرم ہو جائیں، ملائم ہو جائیں، ان پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔اس طرح لوگ جو کتابیں پڑھتے رہتے ہیں ان کے پاس اخبار کی طرح معلومات جمع ہوتی رہتی ہیں۔ایک آدمی کے پاس بہت سے حروف، بہت سے الفاظ، بہت سی خبریں جمع ہو گئیں تو خبروں کا جمع ہونا علم نہیں ہے۔علم وہ ہے جو دل پر اثر کرے، جو وجود پر اثر کرے، جو روح پہ اثر کرے، اس میں مثبت تبدیلی آئے، یہ علم ہے۔خواہ اس نے مدرسے کا منہ بھی نہ دیکھا ہو، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کس نے مدرسوں میں پڑھا تھا! لیکن جب کسی صحابیؓ کا قول آتا ہے تو دنیائے علم خاموش ہو جاتی ہے کہ حق یہی ہے جو صحابیؓ کہہ رہا ہے۔بڑے بڑے عالم سر کیوں خم کر دیتے ہیں؟ اس لئے کہ ان کے پاس علم تھا۔علم سن کر حاصل کیا جائے، پڑھ کر حاصل کیا جائے، تجربے سے حاصل کیا جائے یا اللہ کسی کے سینے میں ڈال دے۔جن لوگوں کی نگاہ محمد رسول اللہ ﷺ کے رُخ انور پہ پڑی اور دل میں ایمان تھا تو ان کے قلوب میں بغیر کسی مدرسے میں گئے اور بغیر کوئی کتاب دیکھے علم کے سمندر جمع ہو گئے۔انہیں عظمت الٰہی کی وہ شناسائی ہوئی جو کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتی۔صداقتِ پیامبر ﷺ پہ انہیں وہ یقین ہوا، جس کا معیار ان کے بعد کوئی دوسرا نہیں ہے۔احقاقِ حق اور باطل کی پہچان انہیں ایسی ہوئی کہ ان کا ثانی دنیا میں کوئی نہیں ملتا۔علم اسے کہتے ہیں خواہ وہ ایک جملہ

ہو۔ علم وہ ہے جو بندے کا مزاج بدل دے، اس کی سوچ بدل دے، اس کا دل بدل دے، اس کے خیالات بدل دے اور سب کچھ تبدیل کر دے۔ جو بھلائی کی طرف بدل دے وہ علم ہے اور اگر کوئی بے شمار کتابیں پڑھے اور دنیا بھر کی یونیورسٹیوں کی ڈگریاں حاصل کر لے لیکن وہ اچھا آدمی نہیں بن سکا تو وہ جاہل ہے۔

وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقلمندی سے کام لے سکو اور اللہ کے نزدیک دانشمندی یہ ہے کہ اس کی عظمت کا اقرار کیا جائے۔ ہم چند ساتھی بیٹھے ہندوستان کے اس وقت کے وزیراعظم نہرو کے مرنے کا تذکرہ کر رہے تھے۔ اس وقت ایک بزرگ اور ضعیف العمر ساتھی قاضی جی بھی وہاں موجود تھے۔ کسی نے بات کی کہ وہ بہت دانشور تھا، بہت ذہین اور بہت سمجھدار آدمی تھا تو وہ فرمانے لگے میں تو نہیں جانتا کہ وہ کون تھا لیکن جو اللہ کی عظمت کو بھی پہچان نہیں سکا، صداقت پیامبر ﷺ کو نہیں پہچان سکا، وہ خاک دانش مند ہے اور خاک عقل مند ہے!

ہمارے ہاں عقل و دانش کے معیار الگ ہیں اور جتنا کوئی عظمت باری پہ اعتراض کرے اتنا ہی وہ دانش ور شمار ہوتا ہے۔ اپنے دانش وروں، ادیبوں اور شاعروں کو ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کسی کے شعروں میں اللہ سے بغاوت کی بو ہو تو وہ بڑا شاعر مشہور ہوتا ہے۔ کوئی ادیب جو فحش تحریریں لکھے وہ بڑا ادیب ہوتا ہے۔ ایسے ہی ناول افسانے جو بڑے فحش لکھے گئے، ان کے لکھنے والے بڑے نامور ہیں اور ان کا بڑا احترام کیا جاتا ہے۔ ایسے شعراء موجود ہیں جن کی غزلوں، نظموں، اور شعروں سے عظمت الٰہی، بارگاہِ رسالت ﷺ اور دین سے بغاوت اور بے راہ روی ٹپکتی ہے اور یہی ان کی شہرت کا سبب بنتی ہے۔ ایسے ہی ایک دانشور سے کسی نے کہا، بھئی تمہارا بچہ تو سکول کے نصاب میں قرآن پڑھ رہا ہے تو اس نے جواب دیا، میرے نزدیک تو ایک اور زبان سیکھ رہا ہے، اس قرآن میں کیا رکھا ہے۔ یعنی اچھا ہے پڑھ رہا ہے تو جہاں انگریزی پڑھتا ہے، فارسی پڑھتا ہے، اردو پڑھتا ہے وہاں عربی بھی ایک زبان ہے، عربی کی بھی الف ب سیکھ جائے گا۔ اب یہ شاعر صاحب ہمارے ہاں بہت نامور ہیں اس لئے کہ وہ اللہ سے باغی ہیں۔ تو ہمارے ہاں دانشمندی، عقل یا بہت بڑا ادیب شاعر اور دانشور ہونے کا یہ معیار ہے۔

یہ غلط ہے بلکہ ساری دانشمندی اس میں ہے کہ جتنا کوئی اللہ کی عظمت کا قائل ہے اور یقین رکھتا ہے، جتنا کوئی نبی ﷺ کے اتباع میں غرق ہو جاتا ہے، اتنا ہی وہ دانش مند ہے، اتنا ہی وہ بڑا عقل مند ہے۔ قرآن کے نزدیک، اللہ کے نزدیک عقلمندی اور دانشمندی یہ ہے۔ انسان دھوکے میں نہ رہے اور حقائق تلاش کرے۔ جو عقل فانی چیزوں پہ فریفتہ ہو جاتی ہے، اللہ کی عظمت کو چھوڑ دیتی ہے تو یہ کہاں کی عقل مندی ہے؟ یہ

تو بے وقوفی ہے۔ عقل کا مصرف یہ ہے کہ وہ حقائق کو تلاش کرے، فانی چیزوں کی حقیقت کو تلاش کرے، ارشادِ نبوت علیہ السلام پہ فکر کرے اور دیکھے کہ یہ تو حق کے موتی ہیں، یہ تو حقیقتیں ہیں جو نبی کریم علیہ السلام نے نچھاور کر دیں، آپ علیہ السلام لٹا رہے ہیں، تقسیم فرما رہے ہیں، اللہ کی کتاب کے ایک ایک حرف میں لاکھوں حقیقتیں پوشیدہ ہیں، ان حقیقتوں کو حاصل کرے اور فانی چیزوں، دھوکا دینے والی چیزوں کے نزدیک نہ جائے۔ لیکن اگر کوئی ساری عمر برائی سے، بدکاری سے، گناہ سے یا اللہ کی محرومی سے اپنا دامن بھرتا رہا اور ہم کہتے ہیں یہ بہت بڑا دانشور ہے، تو یہ سوچ ہماری ہلاکت کا سبب بھی ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اللہ نے ہمیں جو عقل دی ہے، وہ ہماری کس طرف رہنمائی کر رہی ہے؟ ہم میں بھی شعور ہونا چاہئے! لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں شامل ہو جاؤں۔ نبیؑ تو علم کا سمندر ہوتا ہے۔ نبیؑ کے پاس تو علوم الٰہی ہوتے ہیں۔ کسی سکول، کسی مدرسے، کسی استاد سے سیکھے بغیر اللہ کی طرف سے نبیؑ کا سینہ علم ہے اور روشنی ہے۔ اس کے دل میں علم کے سمندر ہوتے ہیں۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تم سے مذاق کر رہا ہوں! کیسے نادان لوگ ہو!

بے جا استفسار:

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ ۚ کہنے لگے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ گائے کیسی ہو۔

اب یہاں ایک اور بات سامنے آتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا گائے ذبح کرو، بنی اسرائیل کوئی سی گائے ذبح کر دیتے تو اس سے نتیجہ حاصل ہو جاتا لیکن وہ بحث میں پڑ گئے۔ جیسے مشائخ عظام اور اللہ کے نیک بندے کسی کو بتا دیتے ہیں کہ درود شریف پڑھا کرو تو بات ختم ہو گئی، سن لو اور درود پڑھو۔ جونسا پسند ہے وہ پڑھتے رہا کرو لیکن ہم جرح کرتے ہیں کہ جی میں کتنی بار پڑھوں؟ وہ کہہ دیتے ہیں سات سو بار پڑھو، اب سات سو بار پڑھے بغیر چارہ نہیں۔ کون سا پڑھوں؟ پھر وہ ایک درود مقرر کر دیتے ہیں اب وہی پڑھنا ہے یعنی جتنے سوال کرتے جائیں گے، اتنی پابندیاں بڑھتی چلی جائیں گی۔ اگر سوال نہ کیا جائے بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی اطاعت کی جائے کہ حکم سنا اور تعمیل کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے، تو بہت آسانی ہوتی ہے۔

یہاں بنی اسرائیل نے جرح کی روش اختیار کی۔ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾ وہ گائے نہ تو بچھڑی ہے نہ ہی عمر رسیدہ ہے، وہ درمیانی عمر کی ہے

فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ لوگو! طریقہ یہ ہے کہ جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کرو اور بحث میں نہ پڑو۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ پھر انہوں نے ایک اور سوال پیدا کر دیا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے پروردگار سے کہیے کہ ہمیں بتائے اس کا رنگ کیسا ہے؟ جب ایک دفعہ حکم ہو تو اس کی تعمیل کی جائے لیکن انہوں نے پھر سوال کر دیا قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو تعلیم کے لئے یہ واقعہ سنایا جا رہا ہے' کہیں تم محمد رسول اللہ ﷺ کے احکام کے ساتھ یہ سلوک نہ کرنا، نبی ﷺ کو اس طرح پریشان نہ کرنا جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو پریشان کیا تھا۔ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اس طرح کا سلوک نہ کرنا۔ بہر حال انہوں نے پھر سوال کر دیا کہ اپنے رب سے درخواست کیجئے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ رب کریم فرماتے ہیں، وہ ایک زرد رنگ کی گائے یا بیل ہے، زردی مائل رنگ کا جانور ہے اور اس کا رنگ بہت خوبصورت اور چمک دار ہے، دیکھنے والے کو بھا جاتا ہے، دل میں اتر جاتا ہے اور نگاہ کو خوش کر دیتا ہے۔ اب اس پر بھی انہوں نے بس نہیں کیا پھر ایک اور سوال داغ دیا۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ یہ جانور ہمیں بہت متشابہ لگتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام! اپنے پروردگار سے کہیے کچھ اور بھی تعین کر دے۔ زرد رنگ کے بے شمار گائے بیل پھرتے ہیں' بے شمار جانور پھرتے ہیں۔ پھر ہمیں کیسے شناخت ہو کہ ہم کونسا جانور ذبح کریں۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اپنے پروردگار سے پھر عرض کیجئے، ایک دفعہ پھر ہمیں وضاحت سے بتا دے یہ کونسا جانور ہے۔ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ ہمیں بہت سے جانوروں میں مشابہت نظر آتی ہے۔ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ اور اگر اللہ نے چاہا تو اس بار ہم صحیح جانور تلاش کر لیں گے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد حدیث شریف میں ملتا ہے کہ اگر اس بار بھی ان شاء اللہ نہ کہتے تو اور بھٹکتے چلے جاتے لیکن انہیں اللہ نے توفیق دی اور وہ کہنے لگے وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ اللہ نے چاہا تو اس بار ہم تلاش کر لیں گے۔ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ یہ ایک ایسا جانور ہے جسے نہ تو ہل میں جوتا گیا ہے، نہ اسے کسی رہٹ وغیرہ میں یا زمین کو پانی دینے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ بالکل سالم صاف جانور ہے جس پر کوئی داغ نہیں، کوئی نشان نہیں، کوئی ہل نہیں چلایا گیا، کسی رہٹ میں نہیں جوتا گیا۔ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ کہنے لگے کہ اب آپ علیہ السلام نے بات واضح کر دی۔ اب آپ نے کوئی کمی نہیں چھوڑی' چنانچہ تلاش میں نکل پڑے۔

اللہ کے ہر کام میں حکمت ہے:

مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ اللہ کا ایک بندہ درویش آدمی تھا۔ اس کے بچے ابھی چھوٹے تھے کہ موت کا وقت آ گیا۔ اس کے پاس سارا اثاثہ ایک بچھڑی تھی۔ اس مردِ درویش نے وہ بچھڑی جنگل میں ہانک دی اور دعا کی کہ بارِ الٰہا میں ان چھوٹے بچوں کے لئے کوئی اثاثہ چھوڑ کر نہیں جا رہا۔ میں اتنا نہیں کما سکا کہ ان کے لئے گزر اوقات کی کوئی صورت ہو۔ تو قادر بھی ہے، کریم بھی ہے، اس بچھڑی کو ان کے لئے گزر اوقات کا سبب بنا دے۔ وہ بچھڑی جنگل میں چلی گئی۔ اب اللہ کی شان دیکھیں کہ جوں جوں بنی اسرائیل سوال کرتے گئے، اللہ کریم اس بچھڑی کا حلیہ بتاتے گئے نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر تلاش کرتے کرتے وہ بچھڑی، جواب جوان ہو کر گائے بن چکی تھی، وہی ان کی نظر میں آئی۔ مالکوں کا پتہ چلایا تو وہ بچے تھے۔ بنی اسرائیل کے معتبر لوگ وفد بن کر ان کے پاس پہنچے کہ یہ گائے بیچ دیں ہم نے ذبح کرنی ہے تو انہوں نے انکار کر دیا۔ یہ قیمت بڑھاتے گئے وہ انکار کرتے گئے یاں آخر بات اس پہ جا کر ختم ہوئی کہ گائے کو آپ ذبح کریں، اس کی کھال اتاریں، اس کا مشکیزہ بنائیں اور وہ مشکیزہ سونے کی اشرفیوں کا بھر کر ہمیں دے دیں۔ وہ ایسا قادر ہے کہ جن واقعات کو ہم حادثات یا اتفاقات کہتے ہیں، وہ اس کے وسیع پروگرام کا حصہ ہوتے ہیں۔ اس نے اپنے ایک بندے کی دعا ایسی قبول فرمائی کہ ان بچوں کو زندگی بھر کمانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ یہ حجتیں کرتے رہے، اللہ کریم اس کا حلیہ بتاتے رہے اور جب وہ گائے تک پہنچے تو بچوں کے دل میں ڈال دیا کہ ان سے اس قدر قیمت وصول کرنی ہے۔ چنانچہ انہیں اسی قیمت پر خریدنا پڑی اور اس مردِ درویش کی دعا پوری ہوئی۔

بچوں کے نیک والدین دوعالم سدھارنے کا سبب بن جاتے ہیں، اگر کوئی ازلی بدبخت نہ ہو۔ ایسے بدنصیب بھی ہوتے ہیں کہ باپ نوح علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا پیغمبر لیکن خاتمہ کفر پر ہوا۔ اگر کوئی برائی کی راہ چن لے تو یہ اس کی اپنی پسند ہے لیکن ایک نیک آدمی کا بیٹا اگر نیکی کی طرف رہے، برائی کا ساتھ نہ دے تو اللہ کریم اسے دونوں جہانوں میں نیک والدین کی اولاد ہونے کی وجہ سے رسوا نہیں ہونے دیتا۔

بنی اسرائیل کو اتنی تلاش اور محنت کے بعد جب وہ گائے ملی، فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ۝ اللہ کریم فرماتے ہیں انہوں نے بڑی بے دلی سے ذبح کی، کرنا تو نہیں چاہتے تھے، لیکن خود سوال کرتے گئے اور اپنے آپ کو پابند کرتے گئے۔ حتیٰ کہ ان نشانیوں کی حامل وہی ایک گائے ملی فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ۝ وہ کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن بالآخر ذبح کر دی۔

سورۃ البقرہ رکوع 9 آیات 72 تا 82

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۚ﴿۷۲﴾
فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ
اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا
يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا
اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ
مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ
يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى
بَعْضٍ قَالُوْۤا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ
رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا
يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِىَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا
يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا
مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ
وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ
قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓــَٔتُهٗ فَاُولٰٓٮِٕكَ

اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۲﴾

اور جب تم لوگوں نے ایک بندہ قتل کر دیا پھر اس پر تمہارے اختلافات پیدا ہوئے اور جو بات تم چھپانا چاہتے تھے، اللہ اس کو ظاہر کرنے والے تھے ﴿۷۲﴾ تو ہم نے کہا کہ اس (میت) کو (بیل) کے ٹکڑے سے چھو دو اسی طرح اللہ (قیامت کو) مردوں کو زندہ کریں گے اور وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتے ہیں تا کہ تم سمجھ سکو ﴿۷۳﴾ پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے پتھروں کی طرح بلکہ ان سے کہیں زیادہ سخت اور یقینا بعض چٹانیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور بے شک بعض ان میں پھٹ جاتی ہیں تو ان میں سے پانی بہہ نکلتا ہے اور بے شک کچھ ان میں ایسی ہوتی ہیں کہ خشیئت الٰہی سے گر جاتی ہیں اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ﴿۷۴﴾ تو کیا تم (مسلمانو!) امید رکھتے ہو کہ یہ تمہارے ساتھ ایمان لے آئیں گے اور حالانکہ ان میں کچھ لوگ (ایسے بھی تھے کہ) اللہ کے کلام کو سننے اور سمجھنے کے بعد اس میں ردو بدل کر دیتے اور جان بوجھ کر کرتے تھے ﴿۷۵﴾ اور جب مسلمانوں سے ملتے تو کہتے ہم ایمان لائے اور جب اکیلے ہوتے بعض دوسروں کے ساتھ تو (ان سے) کہتے کہ تم وہ باتیں کیوں ظاہر کرتے ہو جو اللہ نے تم پر منکشف کر دی ہیں اس طرح تو یہ لوگ (قیامت کو) تمہارے پروردگار کے سامنے سچے ہو جائیں گے تو کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں ہے؟ ﴿۷۶﴾ کیا وہ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ جو یہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں اللہ سب جانتے ہیں۔ ﴿۷۷﴾ اور ان میں کچھ تو ان پڑھ ہیں کتاب کا علم تو رکھتے نہیں سوائے اپنے (دل خوش کن) خیالات کے اور محض گمان کے سوا کچھ نہیں رکھتے ﴿۷۸﴾ سو ایسے لوگوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہہ دیتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تا کہ اس سے تھوڑی سی دولت (دنیوی

منفعت) حاصل کرسکیں سو جوانہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا وہ بھی ان کے لئے
بہت خرابی ہے اور جو اس کے بدلے کمایا وہ بھی خرابی کا سبب ہے۔﴿۷۹﴾ اور کہتے
ہیں ہمیں تو صرف چند روز آگ کا عذاب ہوگا فرما دیجئے کہ کیا تم نے اللہ سے وعدہ لیا
ہے کہ اللہ اپنے اس وعدہ کے خلاف نہ کریں گے یا تم اللہ کے بارے ایسی بات کہتے
ہو جو تم جانتے ہی نہیں (بے سند بات)﴿۸۰﴾ ہاں یہ درست ہے کہ جو کوئی گناہ
کرے اور اس کے گناہ اس پر چھا جائیں تو ایسے ہی لوگ دوزخ کے رہنے والے
ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے﴿۸۱﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے وہ
جنت میں رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے﴿۸۲﴾

خلاصہ تفسیر ومعارف

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ اور یہ سارا واقعہ اس لئے ہوا کہ تم میں سے کچھ لوگوں نے ایک بندہ قتل کر دیا اور بات چھپا لی لیکن جس کو تم چھپا رہے تھے، اللہ اسے ظاہر کرنا چاہتا تھا۔

یہاں ایک سوال یہ بھی آتا ہے کہ قتل پہلے ہوا، سوال پہلے پیدا ہوا، پھر حکم ہوا گائے ذبح کرو لیکن قرآن حکیم میں گائے کا واقعہ پہلے ہے اور قتل کا بعد میں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کا مقصد تاریخ بیان کرنا نہیں ہے کہ تقدیم وتاخیر کا لحاظ رکھا جائے۔ قرآن حکیم امت مرحومہ کو نصیحت کر رہا ہے اور مثالیں دے کر سمجھا رہا ہے۔ تو پہلے بطور تنبیہ گائے کی مثال دیتے ہوئے ان لوگوں کا طریقۂ اللہ کے نبی، اللہ کے رسول علیہ السلام کے ساتھ انداز تخاطب بتایا پھر اللہ کے کرم اور اس کے احسان کا ذکر ہوا کہ یہ اعتراض کرتے چلے گئے اور بجائے اس کے کہ وہ بے نیاز فرماتا، جاؤ چلے جاؤ میں تمہاری بات ہی نہیں سنتا' اس نے فرمایا کہ میں نے تم پر اتنا احسان کیا کہ تم مشت غبار ہو کر اعتراض کرتے رہے اور میں تمہیں جواب دیتا رہا۔ بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ تم قتل کر کے چھپانا چاہتے تھے لیکن اللہ کی منشا یہ تھی کہ یہ بات ظاہر ہو۔ چنانچہ حکم دیا گیا فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ گائے کے گوشت کا کوئی ٹکڑا اس مردے کے ساتھ لگا دو۔ 'شکر ہے کہ یہاں انہوں نے سوال شروع نہیں کر دیے کہ اب، گائے کے گوشت کا ٹکڑا لگانے سے مردہ کیسے زندہ ہوگا؟ ہوتا یہ ہے کہ دنیا میں ہر کام بڑا عجیب ہوتا ہے لیکن ہم روزمرہ کی چیزوں کے دیکھنے کے عادی ہو

جاتے ہیں اس لئے ہمیں وہ عجیب نہیں لگتیں، مثلاً آج کاشتکار اپنی فصل اٹھا رہے ہیں لیکن فصل اٹھانے سے پہلے ہم نے جو گھر میں گندم کے دانے پڑے تھے وہ بھی مٹی میں ملا دیے۔ اب یہ کون سی دانش مندی ہے کہ گھر میں دس من بیس من غلہ پڑا ہے، اسے اٹھا کر مٹی میں ملا دو تو اس کا اس بات سے کیا تعلق ہے کہ دانے زیادہ ہو جائیں گے۔ چونکہ یہ بات ہمارے تجربے میں آ گئی ہے کہ یہ بیج بنتا ہے، اس سے فصل اگتی ہے، اس پر بالیں لگتی ہیں، سٹے آتے ہیں اور کئی گنا زیادہ غلہ بن جاتا ہے تو ہمیں عجیب نہیں لگتا، ورنہ اصل میں دیکھا جائے تو خود یہی کتنا عجیب ہے۔ اسی طرح قدرت کے ہر کام کے پیچھے حکمت ہوتی ہے۔ جو ہم جان جاتے ہیں اسے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ عام بات ہے اور جو ہماری سمجھ میں نہیں آتا اس میں ہم حیران ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اب بات یہ نہیں ہے کہ گائے کے گوشت سے مردے کا کیا تعلق! بات یہ ہے کہ اور بھی کتنی حکمتیں ہوں گی! اس مردِ درویش کی دعا بھی اس نے سن رکھی تھی، ان بچوں کو اس نے زندگی بھر کا سرمایہ بھی دینا تھا، اس کا سبب بھی بنانا تھا چنانچہ اسے مردے کو زندہ کرنے کا سبب بنا دیا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۔ جب انہوں نے گوشت کا ٹکڑا مقتول کے ساتھ لگایا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے قاتل کا پتہ بتایا، سارا واقعہ، کس طرح ہوا اور کیسے کیسے ہوا، سارا بیان کر دیا اور جب ساری بات بتا چکا تو دوبارہ مر گیا۔

ذبحِ عظیم:

اب یہ سوچنا کہ اللہ نے یہ حکم دیا، اس میں کیا ہوگا، یہ ہمارا کام نہیں ہے۔ یہ اس کا کام ہے جس نے حکم دے دیا۔ اس کی حکمتیں وہ جانتا ہے۔ میں نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے، ایسے دانشوروں کو بھی دیکھا ہے، جن کو قربانی پر بھی اعتراض ہے۔ فلسفہ قربانی سمجھنے کے لئے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ دیکھیں جب انہوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ (الصٰفٰت :102) میں نے تو خواب دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اب باپ بھی نبیؑ اور اللہ کا اولوالعزم رسول اور بیٹا بھی نبیؑ اور اللہ کا اولوالعزم رسول ہے۔ بیٹا عرض کرتا ہے، ابا جی! آپ نے خواب دیکھا ہے تو یہ آپ کو اللہ کا حکم ہے۔ آپ کو جو اللہ کا حکم ہے اس کی تعمیل کریں يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ابا جی! جو حکم ہوا ہے وہ کر گزریں، مجھے ذبح کیجئے، آپ کو حکم ملا ہے۔ نبیؑ کا خواب خواب نہیں ہوتا نبیؑ کا خواب بھی وحی الٰہی ہوتا ہے۔

سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ○ (الصٰفٰت :102) میں سمجھ گیا ہوں کہ میں کم سن ہوں، آپ مجھ سے مشورہ نہیں کر رہے، مجھے بتا رہے ہیں کہ میں گھبرا نہ جاؤں، تو میں بھی اللہ کا رسول ہوں،

میں گردن کٹاتے ہوئے اُف نہیں کروں گا۔ میں بھی اللہ کا رسول ہوں بھلا میں کیوں گھبراؤں گا! آپ مجھے انتہائی صبر کرنے والا اور شکر کرنے والا پائیں گے۔ اب حکمتِ الٰہی دیکھئے کہ ایک وقت میں ابراہیم علیہ السلام کے سامنے زمین وآسمان کھول کر رکھ دیے اور دوسرے وقت میں یہ بات انہیں نہیں بتا رہا کہ ذبح تو دنبے نے ہونا ہے، آپ کا بیٹا ذبح نہیں ہوگا ورنہ کسی سے بھی کہہ دو کہ تم بیٹے کو لٹا کر اس کی گردن پہ چھری رکھو تو دنبہ ذبح ہو جائے گا، یہ کوئی امتحان ہی نہیں۔ انہیں تو آخر دم تک یہی یقین رہا کہ مجھے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا ہے۔ بیٹے کی آنکھوں پہ پٹی باندھی کہ کہیں رحم کی نظروں سے مجھے دیکھے نہیں۔ اپنی آنکھوں پہ پٹی باندھ لی کہ کہیں شفقت پدری غالب نہ آجائے۔ انتہائی تیز چھری لے کر "بسم اللہ اللہ اکبر" کہتے ہوئے گردن پہ چلائی، خون کے فوارے اچھلے، جسم تڑپ کر ٹھنڈا ہوگیا لیکن جب اپنی آنکھوں سے دیکھا تو دنبہ ذبح ہوا پڑا ہے اور اسماعیل علیہ السلام کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ حیران ہوگئے یہ ہوا کیا۔ کیا مجھ سے حکم کی تعمیل نہیں ہو سکی فوراً وحی الٰہی آئی کہ آپ نے جو کرنا تھا، کر دیا یہ میری حکمت تھی، جنت سے دنبہ بھیج دیا۔ جبرائیل امین سے کہا کہ چھری کے نیچے سے اسماعیل علیہ السلام کو نکال کر دنبہ رکھ دے اور تجھے خبر نہیں ہونے دی۔ کیا کیفیت ہوگی اسماعیل علیہ السلام کی اور کیا کیفیت ہوگی ابراہیم علیہ السلام کی اور کس طرح کے انوارات کی بارش وہاں برس رہی ہوگی!

قربانی کا حکم اس لئے نہیں کہ جانوروں کی جانیں لیتے رہو۔ قربانی کا حکم اس لئے ہے کہ وہ کیفیت اور وہ انوارات تم بھی سمیٹو۔ بتاؤ کس کالج، یونیورسٹی میں وہ انوارات ملتے ہیں! بتاؤ کس ادارے میں وہ برکات ملتی ہیں جو وقت ذبح اسماعیل علیہ السلام پر برس رہی تھیں اور وہ رحمتیں جو ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہو رہی تھیں! وہ کہیں ملتی ہیں؟ کسی ادارے میں، کسی Institution میں، کسی حکومت میں کسی ملک میں! فرمایا اے اُمت محمدیہ ﷺ! میں تم پہ احسان کر رہا ہوں، ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ایک بکرا، ایک دنبہ، ایک بیل، ایک گائے، کوئی حلال جانور لے کر میرے نام پہ اس پر چھری چلاؤ، اس کیفیت کو یاد کرو، اس وقت کو یاد کرو، وہ کیفیت دل میں لاؤ۔ اللہ کو گوشت اور خون کی ضرورت نہیں۔ وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى۔ لیکن وہ چاہتا ہے جب قربانی کرنے لگو تو تمہارے دل میں وہ عظمتِ الٰہی اور اطاعت کا وہ جذبہ آجائے جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں تھا، جو اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کے دل میں تھا۔ یہ تو قربانی کی ایک حکمت ہے جو میں بتا رہا ہوں، اس میں اور کتنی حکمتیں ہیں؟ کتنی مصیبتیں ٹلتی ہوں گی؟ کتنی بیماریوں سے شفا ملتی ہوگی؟ کتنی مشکلات حل ہوتی ہوں گی؟ یہ تو وہ رب کریم ہی جانتا ہے۔

حج پر اعتراض:

سو عبادت کے حکم کا جواب تعمیل حکم ہے۔ حکم کا جواب حجت بازی نہیں ہے۔ یہ بات بھی میں نے دانشوروں سے سنی ہے کہ اتنے لاکھوں افراد حج پہ جاتے ہیں اور اربوں روپیہ وہاں خرچ ہو جاتا ہے۔ یہ سارا جمع کر کے ادارے بنائے جاتے تو لوگوں کے کام آتے لیکن جو تجلیات بیت اللہ پہ برس رہی ہوتی ہیں اور جو بندے قیامت سے پہلے کفن پہن کر اس کے در پہ حاضر ہوتے ہیں، جیسے لوگ قیامت میں قبروں سے کفن پہنے ہوئے اٹھیں گے اور اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ اسی حالت میں دو ان سلے کپڑوں میں جو اس کے دروازے پہ حاضر ہوتے ہیں اور ان پہ جو رحم اور برکت نازل فرماتا ہے، کیا وہ ادارے بنانے سے مل جاتی!

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے حج کیا وہ دنیا میں ایسا ہو گیا ہے گویا آج پیدا ہوا، اس کے سارے گناہ دُھل جاتے ہیں۔ کسی ادارے میں یہ کام ہوتا ہے! کوئی ایسی مشین جو گناہوں کو دھو دے! ہے کوئی ایسا کارخانہ! یہ الگ بات کہ ہمارا وہ خلوص، وہ یقین نہ رہے، ہم سیر و تفریح کر کے آجائیں اور حج کو بھی زندگی کے باقی اشغال کی طرح ایک شغل سمجھ لیں، تو یہ الگ بات ہے!

میں نے تفسیر اسرار التنزیل میں لکھ دیا تھا کہ جو کنکریاں حاجی شیطان کو مارتے ہیں، وہ کنکریاں فرشتے اٹھا لیتے ہیں اور یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ کوہاٹ میں ہمارے ایک بڑے قابل احترام مولانا ہوا کرتے تھے، اللہ انہیں غریق رحمت کرے، ان کے درجات بلند فرمائے، انہوں نے مجھے خوش مزاجی میں خط لکھا، بھئی آپ کی تفسیر میں نے پڑھی اس میں آپ نے لکھ دیا ہے کہ حاجی جو کنکریاں شیطان کو مارتے ہیں وہ فرشتے اُٹھا لیتے ہیں لیکن میں نے تو وہاں سعودیہ کے ٹرکوں کو رات کو اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ میں نے انہیں لکھا کہ مولانا! میں نے حاجیوں کی بات کی ہے کسی اور کی نہیں! یہ بات نبی کریم ﷺ نے فرمائی ہے کہ حج کرنے والا جو کنکریاں شیطان کو مارتا ہے وہ فرشتے اٹھا لیتے ہیں۔ اب جو سیر و تفریح کے لئے جاتا ہے اور خرید و فروخت کے لئے جاتا ہے اور وہاں رہ کر حج کے ارکان بھی پورے نہیں کرتا، چل پھر کر امارت کے شوق میں خرید و فروخت کر کے آجاتا ہے، ان کی کنکریاں تو سعودیہ کے ٹرک ہی اٹھائیں گے، فرشتوں کو ان کی کنکریوں کی ضرورت نہیں ہے۔ جن کی کنکریاں سعودیہ کے ٹرک اٹھا رہے ہیں انہوں نے حج نہیں ادا کیا انہوں نے سیر سپاٹا کیا ہے۔ جنہوں نے آج بھی حج ادا کیا ہے ان کی کنکریاں تو قیامت کو نیکیوں میں تولی جائیں گی، فرشتے وہ رکھ لیتے ہیں۔

تو بات اطاعت کی ہو رہی ہے۔ فرمایا: فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۚ پھر ہم نے کہا، مقتول کو اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو۔ تم نے اعتراض تو بڑے کیے لیکن جب گائے کا گوشت مردے سے لگایا تو مردہ زندہ ہو گیا۔ پھر فرمایا: كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ یہ بات یاد رکھ لو قیامت کو اللہ قادر اسی طرح مردے اٹھائے گا جس طرح اس مقتول کو اٹھا دیا۔ یہ تو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے، تم نے مردے کو زندہ ہوتے دیکھا اسے باتیں کرتے دیکھا۔ اب تو یقین کر لو کہ اللہ جب چاہے گا مردوں کو زندہ کر لے گا۔

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝ اور اللہ اپنی آیات، اپنے عجائبات اپنی قدرت کے کرشمے ہر لمحے دکھاتا رہتا ہے تاکہ جہالت میں نہ پڑیں، عقل کی راہ لیں۔ تَعْقِلُوْنَ۝ تاکہ تم عقلمندی اور دانشمندی سے کام لو عقلمندی کی بنیاد اس بات پر ہے کہ بندہ عظمتِ الٰہی اور صداقتِ پیامبر ﷺ پر ایمان لے آئے۔

بنی اسرائیل نے جب گائے کے گوشت کا ٹکڑا مردے کے ساتھ مَس کیا تو وہ زندہ ہو گیا اور اس نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ ارشاد فرمایا کہ تمہارے سامنے ایک واضح دلیل آ گئی کہ اس طرح اللہ مردوں کو زندہ کرے گا اور تمہیں یہ دلائل اس لئے دکھا رہا ہے لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝ اللہ نے تمہیں عقل و شعور بخشا ہے تاکہ تم اپنی عقل سے کام لے سکو لیکن اس کے باوجود تم پر کوئی اثر نہ ہوا۔

پتھروں سے بھی سخت دل:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۚ یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے اور پتھروں کی طرح ہو گئے بلکہ اپنی قساوت میں پتھروں سے بھی بڑھ گئے، کہ پتھروں میں بعض تو ایسے ہوتے ہیں جن سے نہریں پھوٹ پڑتی ہیں اور خلق خدا کو نفع پہنچاتی ہیں اور پھر بعض ایسے پتھر ہوتے ہیں جن سے نہر تو نہ سہی کوئی چشمہ پھوٹ پڑتا ہے یا وہ شق ہو جاتے ہیں۔ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ۚ ان میں سے پانی نکل آتا ہے، کسی کی پیاس بجھاتا ہے کسی کے کام آتا ہے۔ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۚ اور ایسے پتھر اور پہاڑ بھی ہیں جو اللہ کے غضب سے ڈرتے ہوئے پاش پاش ہو کر گر جاتے ہیں اور ان کا گرنا بھی لوگوں کی بھلائی کا سبب بن جاتا ہے، راستے بن جاتے ہیں، فصلیں اگنے لگتی ہیں۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝ اور یہ یاد رکھو! اللہ تمہارے کردار سے غافل نہیں ہے، وہ ہر آن آگاہ ہے۔ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ پھر تمہارے دل پتھروں کی طرح سخت ہو گئے۔

لطیفۂ قلب:

قساوت قلبی کوئی مادی چیز نہیں ہوتی کہ دل پتھر بن جائے۔ ہر سینے میں ایک جیسا ہی دل ہوتا ہے۔ بظاہر ہر مومن و کافر کا دل چیر کر دیکھیں تو وہی ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جو دھڑک رہا ہے لیکن یہ دلوں کی قساوت کیا ہوتی ہے؟ دراصل یہ دل کی ایک کیفیت ہے جسے قساوت کہا جاتا ہے۔ ہر قلب میں ایک لطیفہ ربانی ہے، جس طرح ہر انسان میں روح ہے جو عالم امر سے ہے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (بنی اسرائیل:85) اسی طرح ایک لطیفہ ربانی ہر قلب میں ہوتا ہے۔ اگر کوئی ایمان نہیں لاتا تو وہ دب جاتا ہے یا سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر اگر برائی بھی کرتا رہتا ہے تو دل میں سختی اور قساوت آتی رہتی ہے اور مسلسل گناہ اسے اس قدر سخت کر دیتے ہیں کہ پھر اسے توبہ کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوتی، یہ قساوت قلبی دل کی اس کیفیت کا نام ہے۔ تاہم وہی شخص اگر برسوں کافر یا گناہگار رہا لیکن توبہ کر لیتا ہے اور اپنا تعلق اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے جوڑتا ہے تو اس کا صرف ایمان لانا پچھلی ساری قساوت کو ختم کر دیتا ہے۔ دل میں اللہ کا نور پیدا کر دیتا ہے، اس میں محبت، نرمی، نیکی آجاتی ہے لیکن کفر ہو اور اس پر اللہ کی نافرمانی بھی ہو تو فرمایا، یہ دل تو پتھروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔

دل کا کام تو یہ ہے کہ خود زندہ ہو اور دوسرے قلوب کو زندگی عطا کرے۔ اس میں لطیفہ ربانی اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ نورِ نبوت سے فروزاں ہو۔ نبی ﷺ کی برکات سے روشن ہو اور ایک عالم کو روشنیاں بانٹے۔ بھٹکے ہوؤں کی رہنمائی کا سبب بنے۔ برائی میں پھنسے ہوئے لوگوں کو برائی سے نیکی کی طرف لائے۔ ظلمت اور تاریکی سے روشنی کی طرف لے کر آئے۔ لیکن اگر دل ہی روشنی سے محروم ہو جائے، تعلق باری اور برکاتِ نبوت ﷺ سے محروم ہو جائے تو پھر اس پہ قساوت اور سختی آجاتی ہے۔ اس میں رحم نہیں رہتا، کسی کے لئے بھلائی نہیں ہوتی اور وہ اپنا بھی دشمن ہو جاتا ہے۔ اپنے لئے بھلائی نہیں سوچ سکتا تو جو شخص خود اپنی عاقبت تباہ کر رہا ہے، دوسرا اس سے بھلائی کی کیا امید رکھے؟

عاقبت کے دنیوی زندگی پر اثرات:

یاد رکھیں! دنیا و عاقبت کا رشتہ اس طرح ہے جس طرح اصل کا سائے سے ہوتا ہے۔ ایک درخت ہے، ایک اس کا سایہ ہے، ایک دیوار ہے اور ایک اس کا سایہ ہے۔ دنیا کی حیثیت سائے کی مانند ہے، عاقبت دائمی ہے۔ دنیا وقتی ہے، لمحاتی ہے، ختم ہونے والی ہے۔ اب اگر کوئی بے وقوف دنیا کی چند روزہ لذت حاصل کرنے کے لئے عاقبت کو چھوڑ دیتا ہے، اپنی آخرت تباہ کرتا ہے یا اس کے لئے اہتمام نہیں کرتا تو اس سے دوسرا بھلائی کی کیا امید رکھے گا، چنانچہ وہ دوسروں کے لئے اور خود اپنے لئے مضر ہو جاتا ہے۔ جیسی کسی کی

آخرت بنتی ہے، ویسی ہی اس کی دنیا بھی ہو جاتی ہے۔ اگر اس کے پاس کروڑوں روپے جمع ہو جائیں تو اسے سکون نصیب نہیں ہوتا' چونکہ آخرت میں اس کے لئے سکون نہیں ہے۔ اگر کوئی نیکی کرتا ہے، اللہ اللہ کرتا ہے، اس کا دل نورِ نبوت اور نورِ ایمان سے روشن ہوتا ہے، وہ اللہ کی عبادت کرتا ہے' احکام شریعت کی پابندی کرتا ہے تو اس کی آخرت بھی سدھرتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی دنیوی زندگی میں بھی سکون واطمینان آتا چلا جاتا ہے۔ بے شک مفلس ہو، وہ غربت میں بھی مطمئن ہوتا ہے، اسے سکون نصیب ہوتا ہے۔ اگر نافرمانی کرے اور اپنی آخرت تباہ کرے، آخرت میں اس کے لئے دوزخ کی آگ بھڑک رہی ہو تو اس کا اثر دنیوی زندگی میں بھی پہنچتا ہے اور وہ زندگی انگاروں پہ لوٹ کر گزارتا ہے۔ بے چینی اور بے سکونی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور یہ بات آج کے معاشرے میں کھلی آنکھوں دیکھی جاسکتی ہے۔

ان کافرقوتوں کو دیکھئے جو ایک دنیا کو تہس نہس کر رہی ہیں لیکن ان کے پاس اپنے لئے سکون کا ایک لمحہ بھی نہیں ہے۔ وہ دنیا کو تباہ کر رہے ہیں لیکن اپنا گھر نہیں بچا سکتے۔ بیٹی باپ کو نہیں مانتی، بھائی بہن کو نہیں مانتا' خاندانی زندگیاں تباہ ہو گئیں، گھر اُجڑ گئے اور کوئی کسی کا کچھ نہیں لگتا۔ اللہ کے بندے ایسے بھی تو ہیں جنہیں صرف اپنی فکر نہیں ہوتی بلکہ ہر ایک مخلوق کی فکر ہوتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں، Take Care اپنا خیال رکھیے گا، اس لئے کہ مغرب والے ایسا لکھتے ہیں۔ مغرب والے تو Take Care اس لئے لکھتے ہیں کہ ان کو اللہ نے اپنا خیال رکھنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا۔ اگر وہ ہم پر ظلم کر رہے ہیں تو ہمیں ہمارے گناہوں کی سزا مل رہی ہے اور ان کی بدبختی میں اور اضافہ ہو رہا ہے، ان کی سزائیں جہنم میں اور بڑھ رہی ہیں۔ دونوں اپنے اپنے کیے کی سزا بھگت رہے ہیں۔

سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر چیز اپنے منطقی انجام کی طرف جارہی ہے۔ بظاہر تو یہ ایک چھوٹا سا جملہ ہے لیکن عہد حاضر کی پوری تصویر اس میں موجود ہے کہ جیسا جیسا جو کر رہا ہے، ویسے ویسے نتائج سامنے آتے جارہے ہیں اور وہ بھگت رہا ہے۔ اگر کافرقوتیں دنیا کو تباہ کر رہی ہیں تو آپ یہ بھی سوچیں کہ اللہ کو دنیا کی تباہی پسند ہے یا اپنی مخلوق کی آبادی پسند ہے۔

وہ فرماتا ہے: وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ میری زمین میں تباہی مت پھیلاؤ، فسادمت پیدا کرو۔ اس کا مطلب ہے صرف مخلوق پر ہی ظلم نہیں ہو رہا، خالق کی نافرمانی بھی ہو رہی ہے۔ ان کے پاس اقتدار ہو، دولت ہو لیکن سکون کا ایک لمحہ بھی نہیں ہے اور کتنے ایسے درویش ہیں جن کے پاس شاید کھانے کو نہ ہو، پہننے کا اچھا کپڑا نہ ہو لیکن وہ کتنی مطمئن زندگی گزارتے ہیں۔ جن کے دل میں نورِ ایمان ہوتا ہے وہ مطمئن ہوتے ہیں، اتنے بے نیاز ہوتے ہیں کہ ان کی ساری نیازمندی رب العالمین کے لئے ہوتی ہیں، مخلوق کے محتاج نہیں

رہتے۔ فقیر بے نوا بھی ہوں تو کسی سلطان کے در کے گدا نہیں بنتے لیکن اگر دل میں وہ انوارات الٰہی اور وہ برکاتِ نبوت ﷺ نہ ہوں جو دل کی دولت ہیں تو وہ دل پتھروں سے بھی سخت ہو جاتا ہے۔ روحانی فائدہ اس سے کیا ہوگا؟ مادی فائدہ بھی نہیں ہوتا۔

اللہ کے حاضر و ناظر ہونے کا احساس شرطِ ایمان ہے:

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝ لیکن لوگو! ایک بات یاد رکھو۔ اللہ تمہارے ہر ہر عمل کا نگران ہے۔ یاد رکھو! جو کچھ کر رہے ہو سب کچھ اللہ کے روبرو کر رہے ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی زنا کرتا ہے تو اس وقت اس میں ایمان نہیں ہوتا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ! یہ بات سمجھ میں نہیں آئی، پہلے کلمہ گو تھا، بعد میں بھی کلمہ گو ہے۔ فرمایا: پہلے کلمہ گو ہے تو ایمان ہے، بعد میں پھر کلمہ پڑھ لے گا تو ایمان آ جائے گا لیکن وہ وقت جو اس نے برائی میں گزارا، اگر اس کے دل میں یہ یقین ہوتا کہ میرا رب ہے اور مجھے دیکھ رہا ہے تو کیا وہ یہ کر سکتا تھا؟ جو جرم تم کسی دوسرے انسان کے سامنے نہیں کر سکتے، اگر وہ جرم اللہ کے روبرو کرتے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ تم میں اس وقت ایمان نہیں رہا۔

آپ اپنی زندگی کو دیکھیں! بنی اسرائیل سے بات ہو رہی ہے لیکن قرآن کوئی قصے کہانی کی کتاب نہیں ہے، ہمارے لئے بھی درسِ عبرت ہے۔ پہلوں نے جو کچھ کیا، اس پر یہ نتائج مرتب ہوئے اور اگر تم کرو گے تو یہی نتیجہ نکلے گا۔ ہم اپنے دن بھر کے کردار کو دیکھ کر سوچیں کہ یہ سب کچھ میں نے اللہ کریم کے روبرو کیا! وہ ایک ایک عمل کو ہماری ایک ایک حرکت کو دیکھ رہا تھا۔ پھر سمجھ آ جائے گی کہ میں کیا کرتا رہا ہوں۔

ایک بزرگ سے کسی نے اپنی اصلاح کے لئے درخواست کی تو انہوں نے فرمایا، ایک کاپی کاغذ قلم لو اور صبح اُٹھنے سے لے کر رات سونے تک جو جملہ کہو، جو کام کرو، وہ لکھ لو۔ شام کو سونے سے پہلے ایک نظر خود دیکھ لینا، تمہیں اپنی اصلاح کا موقع مل جائے گا۔ شام کو جب اس نے اپنے جملے پڑھے، اپنے کام کا جائزہ لیا تو اسے سمجھ آ گئی کہ دن بھر میں کیا کرتا رہا ہوں۔ ہم تو بات کر کے بھول جاتے ہیں لیکن اگر اس کا محاسبہ کیا جائے تو سمجھ آ جاتی ہے کہ میں تو اللہ کو، اللہ کے نبی ﷺ اور اللہ کی کتاب کو ماننے والا ہوں۔ میں تو اللہ کو حاضر و ناظر سمجھتا ہوں کہ ہر حال میں، ہر وقت، ہر جگہ، میرے ساتھ ہے' تو جو میں کر رہا ہوں، ایسا کیوں کر رہا ہوں؟ فرمایا، اس بات سے کبھی غافل نہ ہونا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو، وہ اللہ کے روبرو کر رہے ہو۔

اب روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ ایسے لوگوں کے بارے تم امید رکھتے ہو کہ یہ ایمان لائیں گے، انہیں توفیق ایمان ملے گی؟ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ

اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ۝ ان میں بعض بدنصیب ایسے بھی ہیں جو اللہ کے کلام کو سنتے، سمجھتے اور جانتے ہیں لیکن اس کے باوجود دنیوی مفاد کے لئے اسے بدل دیتے ہیں، اس کی تعبیریں اور تاویلیں گھڑ لیتے ہیں، اور جانتے ہیں کہ ہم برائی کر رہے ہیں، ہم غلط کر رہے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ایک وقت آئے گا کہ جو گناہ پہلی امتوں نے کیے ہیں وہ سارے گناہ میری امت کے لوگ بھی کریں گے حتیٰ کہ اگر پہلی امت کا کوئی شخص گوہ کے بل میں گھسا ہے تو میری امت کے کچھ لوگ بھی اس میں گھسنے کی کوشش کریں گے۔ آج اگر ہم اہل اسلام کی اور مسلمانوں کی حالت دیکھیں، خود اپنی حالت دیکھیں تو ہمارا عالم یہ ہے کہ شرعی فتوے بکتے ہیں یعنی حق اور انصاف کی بات نہ ہو بلکہ جو پیسے دے وہ فتویٰ خرید لے اور مفتی اس کے حق میں لکھ دے۔ کم از کم مفتی تو یہ جانتا ہے کہ میں ظلم کر رہا ہوں، حق کیا ہے، سچائی کیا ہے اور اس کا شرعی حکم کیا ہے۔ میں پیسوں کے لالچ میں کیا کر رہا ہوں؟ فرمایا: یہ تو ظلم کی انتہا ہے کہ اللہ کے کلام کو جانتا بھی ہو، اسے سنے اور اسے سمجھے بھی لیکن دنیوی دولت کے عوض یا لالچ میں اس کے خلاف عمل کرے۔ ایسے لوگوں سے کیسے امید رکھی جا سکتی ہے کہ ایمان لائیں گے۔ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ جب مومنین سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لائے، انہیں بتاتے ہیں کہ ہماری کتابیں بھی حضور ﷺ کی بعثت کی تصدیق کرتی ہیں۔

وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ جب آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو کہتے ہیں تم ایسی باتیں مسلمانوں کو کیوں بتاتے ہو کہ کل قیامت کے دن وہ تم پر تمہاری گمراہی کی دلیل بن جائیں۔ مثلاً تورات میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کی خبر موجود ہے۔ ایمان لانے کا حکم موجود تھا بلکہ خلفائے راشدین کے اوصاف اور صحابہ کرامؓ کے اوصاف موجود تھے بعض یہودی جب کہتے، ہم تو اس لئے مسلمان ہیں کہ ہم نے تورات میں پڑھا تھا کہ نبی آخر الزمان ﷺ مبعوث ہوں گے اور ان پر ایمان لانا ہے، ہم نے خلفائے راشدین کی نشانیاں پڑھی تھیں دوسرے انہیں کہتے کہ ایسی باتیں کیوں بتاتے ہو۔ لِیُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝ اللہ کے روبرو یہ تم پر حجت قائم کریں گے کہ ہمیں تو یہ باتیں بتاتے تھے اور خود ایمان نہیں لائے تھے۔ حیرت کی بات ہے کہ جب تمہیں یہ خبر ہے، یقین ہے کہ مرنے کے بعد اللہ کے روبرو پیش ہونا ہے تو ظالمو! مسلمان کیوں نہیں ہوتے۔ لیکن جب دل بگڑتا ہے تو عقل چونکہ دل کے تابع ہوتی ہے، وہ بھی شل ہو جاتی ہے۔ جب دل بگڑتا ہے تو دماغ بھی ماؤف ہو جاتا ہے۔ یہی حال بنی اسرائیل کا ہے کہ اس بات پہ تو یقین ہے کہ کل اللہ کے حضور جانا ہے، اس بات کا ڈر ہے کہ وہاں ہم کیا

جواب دیں گے لہٰذا مسلمانوں کو نہ بتائیں لیکن کیا اللہ یہ بات نہیں جانتا کہ تم یہ باتیں تورات سے پڑھ کر بھی نہیں مان رہے۔ اللہ پناہ دے، جب دل بجھ جاتے ہیں، دل سخت ہو جاتے ہیں یا دل محروم ہو جاتے ہیں تو عقل بھی ماؤف ہو جاتی ہے۔

فرمایا، ان بے وقوفوں کو اس بات کی خبر نہیں ہے۔ اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ۝ ان میں اتنی عقل بھی نہیں ہے، اتنا علم بھی نہیں ہے، یہ اتنی بات بھی نہیں سمجھ سکتے کہ یقیناً اللہ سب کچھ جانتا ہے، خواہ کوئی بات تم چھپانا چاہو، خواہ کسی بات کا اظہار کرنا چاہو۔ جسے تم چھپانا چاہو اللہ کے لئے وہ بھی پوشیدہ نہیں ہے، وہ جانتا ہے۔ پھر فرمایا:

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ اُن میں سے کچھ ایسے ہیں جو کتابُ اللہ سے واقف نہیں ہیں تورات کو نہیں جانتے، پڑھا نہیں ہے، سمجھا نہیں اِلَّآ اَمَانِيَّ صرف اپنی خواہشات حاصل کرنے کے لئے کتاب کو استعمال کرتے ہیں وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ ان کی کوئی حیثیت بھی نہیں ہے۔ خود انہوں نے اپنے آپ کو بڑا سمجھ رکھا ہے کہ ہم بہت بڑے بزرگ ہیں، ہم تو بڑے ولی اللہ ہیں، ہم بڑے عالم ہیں۔ لیکن یہ محض اُن کا وہم ہے، وہ ہیں کچھ بھی نہیں۔

جہلا کا اتباع:

شیخ پندارد کہ دارد حاصلے
شیخ را حاصل بجز پندار نیست

شیخ کو، پیر کو بڑا وہم ہے کہ میں نے بہت کچھ حاصل کر رکھا ہے لیکن اُسے سوائے اُس وہم کے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہے تو اُن کا بھی یہی حال تھا کہ جاہل اور ان پڑھ لوگ، تعویز، گنڈوں والے، نذرانے اور روپیہ لینے والے مشکل کشا اور رہنماء بنے ہوئے تھے اور لوگوں کو اپنی طرف سے غلط سلط اوراد و وظائف تلقین کرتے تھے۔ اپنی خواہشات کے مطابق فتوے دیتے تھے، فیصلے کرتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ تھے کچھ بھی نہیں، اُن کی حیثیت کچھ نہیں تھی سوائے اس کے کہ ایک وہم تھا جو خود اُنہوں نے بھی پال رکھا تھا، کہ ہم بہت کچھ ہیں اور وہی وہم لوگوں کے دلوں میں بھی تھا کہ یہ بہت کچھ ہیں۔

جب قومیں زوال پذیر ہوتی ہیں تو جاہل اور کم علم لوگ اُن کے رہنما بن جاتے ہیں اور ظالم اور سخت گیر قسم کے لوگ اُن کے حکمران بن جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل بھی اپنے اس حال کو پہنچے۔ فرمایا، اُن میں ایسے لوگ ہیں جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے، کتاب اللہ کو نہیں جانتے، ناخواندہ لوگ ہیں۔ سوائے اپنی خواہشات کے

اور کچھ نہیں جانتے، دنیوی لالچ کے لئے، اپنی دنیوی بھلائی کے لئے سوچتے رہتے ہیں اور اُن کی کوئی حیثیت بھی نہیں ہے۔ ایسے لوگ یہودیوں میں بھی ہوتے تھے، اب ہم میں ان کی بھرمار ہے۔

جہالت کی بھی حد ہے کہ اللہ کے دروازے پہ نہیں جاتے، اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھانا دشوار ہے اور کوئی جاہل جو کتاب پڑھنا بھی نہیں جانتا، اس کے پیچھے چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ کلام اللہ اپنے بندے سے اللہ کی بات ہے، وہ بندے سے کیا چاہتا ہے، بندے کو کیا حکم دیتا ہے، بندے کو کس بات سے روکتا ہے، وہ کس بات پہ راضی ہے، وہ کس بات پہ ناراض ہے۔ یہ تو ایک بندے کی اور اللہ کی آپس میں ذاتی بات ہے۔ جو بھی اللہ پر ایمان لاتا ہے اس کے لئے اللہ کریم کی طرف سے قرآن ایک خط ہے۔ ہر بندے کے لئے انفرادی طور پر ایک چٹھی ہے۔ اس لئے تو نہیں ہے کہ عامل اس کا تعویز بنالیں، اس لئے تو نہیں ہے کہ کوئی جاہل اوران پڑھ کسی کے گلے میں باندھے۔ پھر اگر یہ بات ہے تو سارا قرآن ہی گلے میں باندھ لو، کوئی تکلیف ہی نہیں آئے گی لیکن ہم لوگ بھی ایسے ہیں کہ ان عاملوں کی باتوں میں آجاتے ہیں اور انہیں اتنے پیسے دے کر آتے ہیں کہ مفلس بھکاری کروڑ پتی بن جاتا ہے۔

یہ بات تو بنی اسرائیل کی بتائی گئی کہ وہ ایسا کرتے تھے لیکن اس لئے بتائی گئی کہ تم ایسا نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل روز محشر دامانِ محمد ﷺ کی بجائے تمہارا حشر یہودیوں کے ساتھ ہو۔ بات تو کردار کی ہے، اگر کردار حضور ﷺ کی غلامی کا ہوگا تو حشر بھی حضور ﷺ کے دامانِ رحمت میں ہوگا۔ **من تشبه بقوم فهو منهم** جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا کل میدانِ حشر میں اسے بھی اس قوم کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا۔ اگر تمہارا کردار یہودیوں جیسا ہوگا تو ایسا نہ ہو کہ کل میدانِ حشر میں تمہیں یہودیوں کی صف میں کھڑا ہونا پڑے۔ یہ خیال رکھو کہ میدانِ حشر میں دامانِ محمد رسول اللہ ﷺ نصیب ہو۔ یہ اطاعت، غلامی اور اتباع سے ہی نصیب ہوگا۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۙ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اس سے بڑی خرابی اُن لوگوں کے لئے ہے جو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں یعنی اپنی بات کرتے ہیں، اپنی مرضی سے بات کرتے ہیں، خود لکھ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا فیصلہ ہے، اللہ کا حکم ہے، اللہ کی طرف سے ہے۔ مقصد اُن کا یہ ہوتا ہے کہ اُس کے ذریعے کچھ دنیوی دولت کما لیں۔ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا کسی حد تک اُس کے ذریعے دنیوی دولت حاصل کرلیں۔ بہت بڑی خرابی ہے جو کچھ وہ اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور بہت بڑی خرابی ہے جس طرح وہ دولت کماتے ہیں۔

دنیا میں رہتے ہوئے انسان کو دنیوی دولت کی احتیاج ہے، ضرورت ہے اور انسانوں کا مزاج ایسا

ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے ۔ انسان فطری طور پر مدنی الطبع ہے یعنی مل جل کر رہنے والا ۔ ایک دوسرے سے انسانوں کی ضرورتیں وابستہ ہیں ۔ کوئی کپڑا بناتا ہے، کوئی کپڑا سیتا ہے، کوئی کپڑا خریدتا ہے ۔ مختلف چیزیں، کھانے پینے غلے سے لے کر جوتے کپڑے تک، ہر چیز میں انسان ایک دوسرے کے محتاج ہیں ۔ کوئی غلہ اگاتا ہے اور صاف کرتا ہے، دوسرے اُس سے خرید کر کھاتے ہیں ۔ اسی طرح انسانوں کا آپس میں لین دین ایک فطری امر ہے اور دین حق میں اُس کے قاعدے ضابطے اور حدود متعین کر دیے جاتے ہیں ۔ اُس کے لینے کا طریقہ کیا ہے ۔ اُس کے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے اور کس طرح سے خرچ کیا جا سکتا ہے لیکن جب انسان دین سے دور ہوتا ہے اور خواہشات میں اندھا ہو جاتا ہے تو پھر وہ ناجائز طریقے استعمال کرتا ہے، جیسے رشوت لیتا ہے، چوری کرتا ہے، ڈاکہ ڈالتا ہے، کسی کو اُجرتاً قتل کرتا ہے ۔ یہ ساری چیزیں جرم ہیں لیکن بہت بڑا جرم یہ ہے کہ کوئی اللہ کی کتاب کو غلط مفہوم پہنا کر اپنی طرف سے کہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور اُس پر اجرت لے ۔ فرمایا، یہ سب سے بڑی بُرائی ہے ۔ اگر کوئی چوری کرتا ہے تو لوگ اُسے بُرا سمجھتے ہیں ۔ خود چوری کرنے والا بھی سمجھتا ہے کہ میں بُرائی کر رہا ہوں ۔ کوئی قتل کرتا ہے، رشوت لیتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ میں برائی کر رہا ہوں ۔ لیکن اگر کسی برائی کا دین کے حوالے سے جواز پیدا کر دیا جائے اور کہا جائے کہ یہ اللہ کا حکم ہے تو ایک ایسی برائی پیدا ہو جاتی ہے جس سے لوگ بچنے کی کوشش بھی نہیں کرتے چونکہ اُس کا دینی جواز پیدا کر دیا جاتا ہے ۔

فرمایا: یہ بہت بڑی خرابی ہے ایسے لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں، اپنی پسند سے گھڑتے ہیں، لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے ۔ اُنہیں یہ لالچ ہوتا ہے کہ اس سے تھوڑی سی دنیا کما لیں اور دنیا کو ہمیشہ اللہ کریم نے ثَمَنًا قَلِيلًا ہی فرمایا ہے خواہ وہ کھربوں روپے ہوں ۔ فرمایا: کمائی کا یہ طریقہ سب سے بُرا ہے ۔ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ﴿۷۹﴾ جس طرح وہ کماتے ہیں اور جو کچھ کماتے ہیں، یہ سب سے بڑی خرابی ہے ۔ پھر فرمایا ان یہود نے ایک عقیدہ اور گھڑ لیا ہے ۔

یہود کا زعم باطل:

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۚ وہ کہتے ہیں اول تو ہمیں آگ چھوئے گی ہی نہیں، ہمیں دوزخ میں جانا ہی نہیں، ہم جنتی ہیں اور اگر کسی جرم یا کسی غلطی کی وجہ سے جانا پڑا تو محض چند روز بطور تادیب کے جانا پڑے گا تو اُس سے کچھ نہیں ہوگا ہمیں بالآخر جنت پہنچا دیا جائے گا ۔ ان سے فرما دیجئے :

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا کیا تم نے اللہ کریم سے اس بات کا وعدہ لیا ہے؟ تمہاری آسمانی کتاب میں یہ بات موجود ہے؟ کیا تم نے اللہ سے وعدہ لے رکھا ہے کہ اب وہ اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرے گا اور جو اُس نے فرمادیا وہی کرے گا؟ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝ یا تم اللہ پر ایسی باتیں گھڑتے ہو جن کا تمہیں خود بھی علم نہیں ہے کہ ہم کتنی بڑی بات اللہ کے ذمے کر رہے ہیں۔

پھر اُصول ارشاد فرمایا: دیکھو! کسی قوم یا کسی ذات یا کسی نام یا کسی بڑے یا کسی چھوٹے کی بات نہیں بلکہ اصول کی بات ہے۔ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً اصول یہ ہے کہ جو برائی کرتا رہتا ہے، جو بُرے اعمال کرتا ہے، بُرائی اختیار کرتا ہے، گناہ کرتا ہے وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ حتیٰ کہ اُس کے گناہ اُس کا احاطہ کر لیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ آدمی جب گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل پہ سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر توبہ نہیں کرتا، مسلسل گناہ کرتا رہتا ہے تو سیاہی بڑھتی رہتی ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اگر سارا دل سیاہ ہو جائے تو ایمان رخصت ہو جاتا ہے اور وہ کفر میں چلا جاتا ہے۔ پھر ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ اُن کے دلوں پر مُہر کر دی جاتی ہے، اس جرم میں کہ اتنے گستاخ اور اتنے گناہگار ہو گئے کہ کبھی توبہ کا خیال تک نہیں آیا۔ پھر انہیں توبہ کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوتی اور جو اس کفر میں جا پڑتے ہیں وہ کفر پر ہی مرتے ہیں۔ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ یہ لوگ دوزخ کے رہنے والے ہیں، انہیں دوزخ میں رہنا پڑے گا۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝ اور دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

آخرت میں انسان کے لئے موت نہیں:

بعض علماء جو یہ کہتے ہیں کہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے سے مراد یہ نہیں کہ یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہیں گے بلکہ ایک مدت تک اپنے گناہوں کی سزا میں رہیں گے اور پھر فنا کر دیے جائیں گے، اس کی کوئی دلیل قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے۔ یہ محض ایک خیال ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ انسان کبھی فنا نہیں ہوگا اُس کی وجہ یہ ہے کہ فنا عالم خلق میں ہے اور عالم دو ہیں۔ عالم خلق الگ ہے اور عالم امر الگ ہے۔ قرآن حکیم میں بھی ارشاد ہوتا ہے لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ خلق بھی اُسی کا ہے اور امر بھی اس کا ہے۔ خلق میں فنا ہے امر میں فنا نہیں ہے، امر لافانی ہے اور ہمیشہ رہے گا، جب اللہ نے قائم فرمادیا، ہمیشہ رہے گا۔ امر صفات باری میں سے ہے، ازل سے ابد تک رہے گا، ہمیشہ رہے گا ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا۔ انسان کی روح اصل انسان ہے، بدن تو اُسے ایک لبادہ پہنایا گیا۔ روح جسم لطیف ہے، دنیا میں رہنے کے لئے اُسے بدن کا ہتھیار

دیا گیا یعنی سوار کو جیسے گھوڑا دیا گیا۔ روح کو دنیا میں رہنے کے لئے بدن عطا ہوا جو خاکی ہے اور جو مادی ہے لیکن روح عالم امر سے متعلق ہے اور عالم امر پر فنا نہیں ہے اس لئے روح کو فنا نہیں آئے گی۔ اب بدن جو اُس میں شریک رہا۔ عبادات میں نیکی میں مجاہدات میں، شہادت میں، جہاد میں، اطاعت میں، سجدوں میں، تو اُس بدن کو دنیا میں استعمال کر کے روح اطاعت الٰہی بجالا یا اور دولت ایمان میں روز افزوں ترقی پائی لہٰذا جب جنت کے انعامات روح پر ہوں گے تو بدن بھی برابر کا شریک ہوگا اور چونکہ روح کو ہمیشہ رہنا ہے لہٰذا وہ بدن بھی اُس کے ساتھ اُس کی وساطت سے ہمیشہ رہے گا۔ کوئی لمحہ جنت میں ایسا نہیں آئے گا کہ صرف روحیں رہ جائیں اور بدن فنا کر دیے جائیں۔ اسی طرح جو بدنصیب اپنے کفر کی وجہ سے جہنم میں چلے جائیں گے اور گناہوں کی اتنی کثرت ہوگی وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓــَٔتُهٗ کہ اُس کے گناہوں نے اُس کا کوئی ذرہ بھی خالی نہ چھوڑا، اُسے مکمل اپنے رنگ میں رنگ لیا اور وہ کفر میں چلا گیا تو اگر اُسی کفر پر اس کا خاتمہ ہو گیا اور اُسے جہنم جانا پڑا تو جہنم میں بھی چونکہ روح ہمیشہ رہے گی، اُس کے ساتھ بدن کو بھی ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا۔

آخرت کا اجر ایمان سے مشروط ہے:

اسی طرح فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جن لوگوں کو نورِ ایمان نصیب ہوا اور پھر نورِ ایمان کے ساتھ انہوں نے عمل صالح کیا۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اگر ایمان نہ ہو تو عمل صالح نہیں ہوتا۔ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض کافر بھی بہت سے نیک اعمال کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے ''مدر ٹریسا'' کا بڑا چرچا تھا تو ایک شخص نے سوال کیا کہ مدر ٹریسا بھی کیا جہنم میں جائے گی؟ میں نے جواب دیا نام سے تو نہیں جانتا اور نہ اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ کون جنتی ہے، کون جہنمی ہے، اُصول سے جانتا ہوں کہ جو بھی کفر پہ مرے گا جہنم میں جائے گا۔ اُس میں خواہ کوئی بڑا آدمی ہو یا چھوٹا آدمی ہو۔ وہ چونکہ یتیم بچوں کی پرورش، بیماروں کی دیکھ بھال اور اس شعبے میں بین الاقوامی سطح پر بہت معروف تھی، کئی ادارے بنائے تھے لیکن ہوتا یہ ہے کہ جب ایمان نہیں ہوتا تو بندہ آخرت کے لئے عمل ہی نہیں کرتا۔ نہ اُس کا اللہ پر ایمان ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے، نہ اُس کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان ہے کہ وہ آخرت کے لئے کوئی عمل کرے۔ تو کافر اگر کوئی اچھا کام بھی کرتا ہے تو کسی نہ کسی دنیوی فائدے کے لئے کرتا ہے، شہرت کے لئے کرتا ہے یا دولت کے لئے کرتا ہے جس کا بدلہ اُسے دنیا میں مل جاتا ہے۔ آپ ایک دکاندار کو شکر خریدنے کے لئے ایک سکہ دیتے ہیں وہ آپ کو شکر دے دیتا ہے تو بات ختم ہوگئی۔ اب آپ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ کل میں نے آپ کو ایک سکہ دیا تھا، آج اُس کے بدلے مجھے آٹا دے دیں، وہ تو نہیں دے گا۔ اسی طرح جو عمل آخرت کے لئے کیا ہی نہیں، جب اُس کا آخرت پر ایمان نہیں ہے، اُس کا اللہ پر ایمان نہیں ہے، اس کا اللہ کے نبی ﷺ، اللہ کی

کتاب پر ایمان نہیں ہے اور وہ کوئی بھلا کام کرتا ہے تو وہ اپنی شہرت کے لئے کرتا ہے یا دنیاوی فائدے کے لئے کرتا ہے۔ وہ چیز اُسے دنیا میں مل جاتی ہے۔ اگر شہرت کے لئے کر رہا ہے تو شہرت مل جاتی ہے، دولت کے لئے کر رہا ہے تو دولت مل جاتی ہے۔ وہ جو کچھ محنت کرتا ہے اُس کی اُجرت دنیا میں پا لیتا ہے۔

لہٰذا کفر پر جو بھی مرے گا اُس کے نام کے ساتھ خواہ کتنے الفاظ آگے پیچھے لگے ہوں یا اُسے کتنا بڑا سمجھا جائے، جو بھی کفر پر مرے گا اور کفر کا انجام چونکہ جہنم ہے، اُسے اسی میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ ہاں، جسے نورِ ایمان نصیب ہو گیا اور اُس کے عمل صالحیت پا گئے یعنی صالح ہو گئے۔ اب عمل کی صالحیت کی ایک ہی شرط ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے ناپسند فرمایا یا روک دیا تو اُس میں کوئی صالحیت نہیں ہے، کوئی خیر نہیں ہے، کوئی بھلائی نہیں ہے۔ عمل میں صالحیت کی شرط یہ ہے کہ اللہ کا حکم ہو اور نبی ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو۔ تو فرمایا، دو شرطیں ہیں کہ جسے ایمان نصیب ہوا اور اُس نے نیک کام کیے۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی، أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ ایسے لوگ جنت کے مکین ہیں، جنت کے باسی ہیں، جنت میں رہنے والے ہیں۔ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨٢﴾ اور یہ جنت میں بھی ہمیشہ رہیں گے۔ چونکہ قیامت کے بعد خود موت کو موت آ جائے گی۔ موت کو فنا آ جائے گی۔ ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ موت کو ایک بہت بڑے دُنبے کی شکل میں میدانِ قیامت میں لوگوں کے سامنے لایا جائے گا اور اُسے ذبح کر دیا جائے گا۔ لوگوں سے کہا جائے گا کہ آج موت ختم ہو گئی، آج کے بعد موت نہیں ہوگی، آج کے بعد کوئی مرے گا نہ کوئی فنا ہوگا۔ اب ہمیشہ زندگی ہے، جس کو جہاں مل گئی۔

نورِ ایمان ایسی عظیم دولت ہے کہ مومن کو اگر اُس کی خطائیں سزا کی طرف لے بھی گئیں تو اُس ذلت و رسوائی کے ساتھ جہنم میں نہیں جائے گا، جس میں ہمیشہ کے رہنے والے کافر ہوں گے۔ اللہ کریم اُسے کافروں کی طرح رسوا نہیں کریں گے۔ اگر ایمان کی ادنیٰ سی رمق بھی باقی ہوئی تو کبھی نہ کبھی، کسی نہ کسی وقت گلوخلاصی کی اُمید ہو سکتی ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اُن کے نومولود اور چھوٹے بچے فوت ہوئے اور وہ مسلمان تھے۔ اب بچے مسلمانوں کے تھے اللہ ان کی مغفرت فرمائے گا اور انہیں جنت میں داخلے کی اجازت دے گا تو وہ تکرار کریں گے کہ ہم کیسے جائیں ہماری والدہ نہیں ہے، والد نہیں ہے، ہمارے ابو امی کو بھی ساتھ بھیجیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اُن کے لئے وہی شفاعت بن جائے گی، وہی سفارش بن جائے گی اور اللہ انہیں معاف فرما دے گا۔ اسی طرح نیک لوگ اور نیک لوگوں کی صحبت بخشش کا ایک سبب بن جائے گی اور سب سے بڑا سبب نبی کریم ﷺ کی شفاعت ہوگی کہ کسی میں رائی برابر بھی ایمان ہے تو اُس کی

جان چھوٹ جائے گی اور اُسے جنت نصیب ہوگی اور اُس میں ہمیشہ رہے گا۔

وَّاَحَاطَتۡ بِهٖ خَطِیۡٓـَٔتُهٗ کسی شخص کی بُرائی نے اسے ہر طرف سے گھیر لیا۔ نورِ ایمان مفقود ہو گیا تو اُس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں اور جو لوگ جنت میں جائیں گے وہ بھی ہمیشہ رہیں گے۔ جنت کی زندگی ہر طرح کی نعمتوں سے مالا مال ہوگی اُس کے مقابل جہنم کی زندگی میں ہر عمل کا ایک ایک عذاب ہوگا اور اُس کی کیا صورت ہوگی، وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالے علیہ نے اپنی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں بہت سی احادیث جنت کے احوال پہ جمع کر دی ہیں اور بہت سے ارشاداتِ نبوی ﷺ جہنم کے عذابوں پہ یکجا کر دیے ہیں۔ جہنم کے ان عذابوں کو پڑھنے کا حوصلہ نہیں ہوتا، جس قدر اُنہوں نے جمع فرما دیئے ہیں اسی طرح جنت کی نعمتوں کا بھی اندازہ نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت کی نعمتوں کو دنیا میں کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔

دنیا میں جنت کی نعمتوں کا احاطہ ممکن نہیں:

جنت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایسا آدمی اس دور میں ہو جس نے آج تک پہیہ نہ دیکھا ہو، کوئی سواری، سائیکل موٹر سائیکل یا گاڑی نہ دیکھی ہو۔ اب اُسے ہم ریل گاڑی کی فسٹ کلاس یا ائیر کنڈیشنڈ ڈبہ سمجھانے لگیں اور اُسے بتائیں کہ جس طرح مکان ہوتا ہے، اسی طرح کمرے ہوتے ہیں، اُن کے نیچے گول گول پہیے ہوتے ہیں اور بہت موٹے موٹے گدوں کی سیٹیں بنی ہوئی ہوتی ہیں اور ایئر کنڈیشنر وغیرہ تو وہ جتنا بھی سوچتا رہے، گاڑی کا ہو بہو تصور اُس کے ذہن میں نہیں آسکتا۔ اسی طرح جنت کی نعمتوں کی حقیقی تصویر اِس دنیا میں ذہن میں نہیں آتی ۔ وہ تو جنہیں اللہ کریم یہ نعمت نصیب فرمائے گا اور وہاں جائیں گے تو وہی جانیں گے کہ جنت کی جو نعمتیں بیان فرمائی ہیں، وہ کیا ہیں اور کیسی ہیں۔ پھر سب سے بڑی نعمت اللہ جل شانہٗ کا دیدار ہوگا جو تمام جنتیوں کو اپنی اپنی حیثیت کے مطابق نصیب ہوگا۔ کسی کو ہمہ وقت کسی کو کبھی کبھی، کسی کو ہر جمعہ، کسی کو ہر مہینے، کسی کو ہر سال، جیسی کسی کی حیثیت ہوگی، جس درجے میں ہوگا لیکن محروم کوئی بھی نہیں رہے گا۔

سورۃ البقرہ رکوع 10 آیات 83 تا 86

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ
اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا
وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ
مُّعْرِضُوْنَ ﴿٨٣﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ
اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿٨٤﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ
هٰٓؤُلَاۗءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ
دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى
تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ
وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٥﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ
عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٨٦﴾

اور جب ہم نے اولادِ یعقوبؑ سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے اور لوگوں سے اچھی بات کہو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو پھر تم میں سے سوائے چند لوگوں کے تم (اس سے) پھر گئے اور تم پھر جانے والے (عہد شکن) ہو ﴿۸۳﴾ اور جب

ہم نے تم سے عہد لیا کہ تم آپس میں خون نہ بہاؤ اور اپنے لوگوں کو اپنے گھروں سے نہ نکالو (یعنی علاقہ بدر نہ کرو) پھر تم نے وعدہ کیا اور تم اس کے گواہ ہو ﴿۸۴﴾ پھر تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنوں کا خون کرتے ہو اور اپنے کچھ لوگوں کو اور ان کے دیس سے نکال دیتے ہو اور ان کے خلاف (ظلم اور زیادتی کرنے والوں کی) مدد کرتے ہو گناہ کرتے ہوئے اور حد سے گزرتے ہوئے اور اگر یہی لوگ تمہارے پاس قیدی ہو کر آتے ہیں تو انہیں معاوضہ دے کر چھڑا دیتے ہو اور حالانکہ ان کا نکال دینا ہی تم پر حرام تھا تو کیا تم کتاب کی کچھ باتیں مان لیتے ہو اور کچھ کا انکار کر دیتے تو تم میں سے ایسا کرنے والے کی اور کیا سزا ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ دنیا کی زندگی میں رسوا ہو اور قیامت کے دن سخت عذاب میں ڈالا جائے اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ﴿۸۵﴾ جو لوگ آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی (مال و دولت) خریدتے ہیں تو ان پر کبھی عذاب کم نہ کیا جائے گا نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی ﴿۸۶﴾

خلاصۂ تفسیر و معارف

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۔ ہم نے بنی اسرائیل سے جب وعدہ لیا تھا تو اس کی پہلی شرط یہ تھی لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۔ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے۔ یہاں ایک عجیب سی بات آجاتی ہے کہ بنی اسرائیل میں کوئی کلمہ گو ہو یا اُس سے پہلی کوئی قوم کسی نبیؑ کی کلمہ گو، تمام امتیں اسلام پر ہیں، تمام انبیاء علیہم السلام جو دین لائے وہ اُس وقت کا اسلام ہے اور نبی برحق ﷺ جو لائے وہ کمالِ اسلام ہے۔ اس کے احکام حتمی ہیں، پہلوں کے صرف احکام بدلتے رہے لیکن کلمہ نہیں بدلا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تمام ادیان کا بنیادی کلمہ رہا۔ تو اس میثاق کی پہلی بات یہ تھی کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرو گے۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ کلمہ پڑھنے کے بعد کوئی کسی کو سجدہ تو نہیں کرتا' کسی کے لئے باوضو ہو کر اور اُس کے سامنے سر رکھ کر اُس کی نماز تو نہیں پڑھتا۔ پھر اللہ کریم کیسے فرماتے ہیں کہ تم اُن کی عبادت کرتے تھے، اللہ کے علاوہ دوسروں کی عبادت کرتے تھے۔

ہوتا یہ ہے کہ عبادت بلا شرط اطاعت ہوتی ہے۔ اگر کوئی اطاعت، اللہ کے حکم کے خلاف ہو، نفع کی اُمید پر

یا نقصان کے لالچ میں کہ میں اس کی بات مانوں گا تو مجھے بہت نفع ہوگا یا میں نے اس کی بات نہ مانی تو میرا نقصان ہو گا۔ اگر ایسی صورتِ حال میں اللہ کے حکم کے خلاف کسی دوسرے کی بات کوئی مانتا ہے تو سمجھنا چاہیے وہ اُس کی عبادت کررہا ہے۔ مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "خدام الدین" میں لکھا کہ ایسے لوگ جو بازاروں میں دکانوں پہ تجارت میں لگے رہتے ہیں اور اللہ کی عبادت کے لئے مساجد نہیں جاتے، اللہ کی عبادت چھوڑ دیتے ہیں اور دکان سے نہیں اُٹھتے کہ کہیں روزی میں خلل نہ آئے، فرمایا ان کا رب ان کی دکان ہے۔ یہ اللہ کو رب نہیں مان رہے، انہوں نے اُسی دکان کو رب مان لیا ہے، یہ اُسی کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔

بنی اسرائیل میں بھی یہ وبا پھیل گئی تھی کہ جاہل لوگ پیر اور عامل بن گئے اور وہ تعویذ دھاگے دیتے کہ یہ مشکل یوں دور ہو جائے گی، تمہاری اولاد ہو جائے گی، تمہیں پیسے مل جائیں گے، تمہیں صحت ملے گی اور پھر وہ خلاف دین لکھتے، ان میں کفریہ کلمات لکھتے اور اُنہیں جو طریقے بتاتے وہ اللہ کے دین کے خلاف ہوتے۔ ان سے شریعت کے نام پر غیر شرعی کام کرواتے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ تو فرمایا تمہیں یاد ہوگا کہ اے بنی اسرائیل! ہم نے تو تم سے وعدہ لیا تھا کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرو گے۔

والدین سے حسن سلوک:

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا والدین جو تمہیں دنیا میں لانے کا سبب بنے ہیں، اُن کے ساتھ احسان کے ساتھ پیش آؤ، محبت سے پیش آؤ، اُن کی خدمت بجالاؤ۔ والدین کی عظمت بحیثیت والدین اپنی جگہ ہے۔ اگر وہ خدانخواستہ نیک نہیں ہیں یا بعض اوقات ایک بندہ اچھا مومن ہے اور اُس کے والد یا والدین مومن نہیں ہیں تو بطور والدین ان کا بھی احترام واجب ہے۔ اللہ کے حکم کے خلاف اُن کی بات نہیں مانی جائے گی، بات اللہ کی مانی جائے گی لیکن بات نہ ماننا اور بات ہے اور اُن سے توہین آمیز، ہتک آمیز سلوک یا سخت رویہ اور بات ہے۔

میدانِ بدر میں جب افواج مقابل ہوئیں تو مکہ کی طرف سے مبارزت کے لئے جو آدمی باہر نکلا، اُس کا بیٹا نبی کریم ﷺ کے ہم رکاب تھا۔ اس نے پیش ہو کر اجازت چاہی، یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے، میرا والد ہے، اس کے مقابلے کے لئے میں جاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! وہ تمہیں دنیا میں لانے کا سبب بنا ہے، تم اُسے دنیا سے مٹانے کا سبب نہ بنو۔ آپ ﷺ نے اجازت نہیں فرمائی۔ دوسرا صحابی آپ ﷺ نے مقابلے پہ روانہ فرمایا لیکن بیٹے کو اجازت نہیں دی اب اس سے بڑا جرم کیا تھا کہ آدمی مشرک بھی ہو اور نبی اکرم ﷺ کے مقابل تلوار لے کر کھڑا ہو۔ فرمایا! جرم تو اُس کا بہت بڑا ہے لیکن اُس کے مقابلے کے لئے دوسرے لوگ ہیں، تمہیں زیب نہیں دیتا کہ اُس کے مقابل جاؤ۔

حضرت ابو بکر اور حضرت عبدالرحمن رضوان اللہ تعالیٰ علیہما اکٹھے بیٹھے تھے۔ حضرت عبدالرحمنؓ بدر کے بعد اسلام لائے تھے۔ باتوں باتوں میں بدر کی بات آ گئی تو انہوں نے عرض کیا، ابا جی! بدر کے روز آپ میری زد پہ آ گئے تھے۔ اگر میں چاہتا تو آپ کو قتل کر دیتا لیکن میں نے والد جان کر اپنا ہاتھ روک لیا۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم اگر تم میری زد پہ آ جاتے تو میں تمہارے پرخچے اُڑا دیتا۔ وہ کہنے لگے کہ آپ کو خیال نہ آتا کہ میرا بیٹا ہے۔ فرمایا وہ کیسا بیٹا جو رسول اللہ ﷺ کے مقابل آئے، اُس کے ساتھ ہمارا کیا رشتہ! یہ تو وہ کیفیات ہیں جو لوگوں کے دلوں میں تھیں لیکن اس کے باوجود والدین کا احترام اپنی جگہ پر موجود ہے۔ قرآن میں حکم ہے کہ اگر اللہ کے حکم کے خلاف وہ حکم دیں فَلَا تُطِعْهُمَا اُن کی بات مت مانو، اللہ کی بات مانو لیکن: فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ (بنی اسرائیل: 23) اُن سے سخت بات نہ کرو، اُن سے نفرت نہ کرو، اُنہیں جھڑکو نہیں اور ہمیشہ اُن سے اچھی بات کرو، محبت بھری بات کرو۔ بزرگ کہتے ہیں کہ کسی بندے سے اگر تم تعلق بنانا چاہتے ہو تو پہلا معیار تو یہ ہے کہ اُس کا تعلق اللہ کریم سے کیسا ہے۔ اگر وہ اپنے خالق سے وفا نہیں کرتا تو تم کس برتے پہ دوستی کرنے چلے ہو کہ وہ تم سے وفا کرے گا۔ اگر دنیا میں دیکھنا چاہو تو یہ دیکھو کہ اُس کا تعلق اپنے والدین سے کیسا ہے؟ اگر اُن کا احترام نہیں کرتا، اُن کی بات نہیں مانتا تو تم کونسی دوستی کرنے چلے ہو کہ وہ تم سے وفا کرے گا۔

وَّذِي الْقُرْبٰى اور اقرباء، رشتہ داروں کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آؤ، احسان سے پیش آؤ، نیکی سے پیش آؤ، قطع رحمی نہ کرو، صلہ رحمی کرو۔ رشتہ داروں کو اپنے ساتھ رکھو، اُن سے بگاڑو نہیں۔ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ اور ایسے لوگ جو دنیوی آسروں سے بے سہارا ہو جاتے ہیں، جن میں یتیم ہوتے ہیں یا مسکین لوگ ہوتے ہیں اُن کا خیال رکھو۔ یتیموں کی نگہداشت کرو، کمزوروں، بے کسوں، غریبوں پر رحم کھاؤ اور اُن کی مدد کرو۔ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا اور عموماً انسانوں سے اچھی بات کرو۔ ہر انسان سے اچھی بات کرنے کی کوشش کرو۔ لوگوں کو طعنے مت دو، توہین آمیز کلمات نہ کہو بلکہ اچھی باتیں کرو ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فرمایا تم اس بات سے پھر گئے، تم نے غیر اللہ کی عبادت شروع کر دی، اور تم نے والدین کی نافرمانی شروع کر دی، یتیموں، مسکینوں کا مال کھانے لگ گئے اور عامۃ الناس سے تمہارا رویہ اُس میثاق کے خلاف ہو گیا۔

تمہارا رویہ معاندانہ اور دشمنی کا ہو گیا۔ تو اللہ کریم نے ہر دین میں انسانی معاشرے کی اصلاح کا حکم

اُسی طرح دیا جس طرح اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اور انسانوں سے حسن سلوک اور تعلقات کو بہتر رکھنے کی ہمیشہ تاکید فرمائی ہے۔

بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے ایک میثاق لیا جس کا تذکرہ گزر چکا وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ لَا تَسۡفِكُوۡنَ دِمَآءَكُمۡ وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ۝ لیکن وہ اس عہد کی مسلسل خلاف ورزی کرتے رہے۔ قرآن کو قصے کہانیوں یا تاریخ سے دلچسپی نہیں ہے۔ قرآنِ حکیم کتابِ ہدایت ہے اور قرآن کا سارا موضوع انسانی معاشرے کے ایمان وعمل اور تہذیب واخلاق کی اصلاح ہے۔ جہاں تاریخی واقعات آتے ہیں تو قرآن نے کوئی تاریخی واقعہ بھی مسلسل بیان نہیں فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہی لے لیں تو آپ کو متعدد جگہوں پر اس کے مختلف حصے ملیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو حصہ جس موقع کی مناسبت سے موزوں مثال بنتا ہے، وہ بیان کر دیا جاتا ہے۔

بنی اسرائیل کی وعدہ خلافی:

ارشاد ہوتا ہے کہ وہ زمانہ یاد کرو۔ جب ہم نے تم سے وعدہ لیا تھا اپنوں کا خون نہ بہاؤ گے لَا تَسۡفِكُوۡنَ دِمَآءَكُمۡ ظاہر ہے اپنے لوگوں کا خون کرنا اپنا ہی خون ہوتا ہے۔ بات وہی چل رہی ہے جب ان سے اللہ نے عہد لیا تھا کہ غیر اللہ کی عبادت نہ کرنا' والدین' غرباء، مساکین، یتیموں سے احسان کرنا، اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ لیکن اکثریت نے روگردانی کی پھر وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے تم سے وعدہ لیا تھا وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ اور اپنے لوگوں کو اپنے ملک سے نکلنے پہ مجبور نہیں کرو گے، اتنا تنگ نہیں کرو گے کہ وہ علاقہ یا ملک چھوڑنے پہ مجبور ہو جائیں۔ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ۝ تم نے ان چیزوں کو قبول کیا، وعدہ کیا اور تم خود اس پر گواہ ہو ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ اس کے بعد تم اپنے لوگوں کا قتل کرنے لگے وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِيۡقًا مِّنۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِهِمۡ اور اپنے میں سے کچھ لوگوں کو جو کمزور ہوتے، ملک چھوڑنے پہ مجبور کر دیتے ہو۔

تَظٰهَرُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ بنی اسرائیل میں ایک عجیب بات یہ تھی کہ چوری کرتے، ڈاکہ ڈالتے پھر اُس میں سے خیرات بھی دیتے۔ لوگوں پر ظلم کرتے، لوگوں کو قتل کرتے، لوٹ لیتے، گھروں سے نکلنے پہ مجبور کر دیتے اور جب اُنہیں کوئی قیدی بنا لیتا تو خرید کر آزاد کرتے اور سمجھتے کہ نیکی کما رہے ہیں۔ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ تم پر تو انہیں گھر سے نکالنا حرام تھا۔ تم عجیب نیکیاں کماتے

ہو کہ پہلے انہی لوگوں کو قتل کیا، انہیں مجبور کیا تو وہ گھروں سے بھاگ گئے اور جب کسی نے پکڑ کر غلام بنا لیے تو پھر تمہیں خیرات کرنے کی سوجھتی ہے۔

یہاں قرآن کریم تاریخ کو اس لئے دہرا رہا ہے کہ بنی اسرائیل نے یہ کام کیے اور اس پر یہ نتیجہ مرتب ہوا۔ اگر خدانخواستہ تم لوگ یہ کام کرو گے تو نتیجہ یہی مرتب ہوگا۔ اگر ایک بندے نے زہر کھایا اور وہ مر گیا تو وہی زہر اگر کوئی اور کھائے گا تو وہ بھی تباہ ہو جائے گا۔ فرمایا: انہوں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہیں بہائیں گے لیکن وعدہ خلافی کی۔ وہ تو شاید کچھ کم کرتے ہوں لیکن آج کے عہد کے مسلمان کے پاس کیا جواز ہے کہ ہم گلیوں میں بم چلاتے ہیں، گاڑیاں تباہ کر دیتے ہیں، مسجدوں میں گولی چلاتے ہیں، بم رکھ دیتے ہیں اور نہ مارنے والا جانتا ہے کہ کون مرا، کہاں کا تھا، اس کا نام کیا تھا، قوم کیا تھی اور نہ مرنے والے کو پتہ ہے کہ مجھے کس نے مار دیا۔ بنی اسرائیل تو شاید جائیداد چھیننے کے لئے یا کوئی دنیوی فائدہ حاصل کرنے کے لئے قتل کرتے ہوں لیکن یہاں تو رواجاً قتل ہو رہے ہیں۔ فرمایا: اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ اللہ کی کتاب میں سے اپنی پسند کی باتیں مانتے ہو، جو پسند نہیں آتیں، وہ نہیں مانتے۔ تو اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تم اللہ کی کتاب پر تو ایمان رکھتے ہو لیکن جو حصے تمہاری منشا کے خلاف ہیں ان کو نہیں مانتے۔ مسلمانوں کا بھی یہی طرزِ عمل ہے، ڈاکے ڈالیں، دیگیں پکائیں اور خیرات کر دیں۔ سود اکٹھا کریں اور کہیں کہ میں تو غریبوں کو کھلا رہا ہوں۔ جب اس کا لینا ہی حرام ہے تو لے کر کھلانے کا تکلف کرنے کیا ضرورت تھی!

حرام کو حلال بنانے کے خودساختہ حیلے:

ہمارے ہاں بھی یہی صورت حال ہے کہ اللہ کی کتاب کے کچھ حصوں کو تو مانتے ہیں اور کچھ حصوں کو جو ہماری خواہشات سے متصادم ہوں، اپنی زندگی کے پروگرام سے نکال دیتے ہیں۔ لاکھوں روپے بنک میں ہیں، اتنا فکسڈ ڈیپازٹ میں ہے اور اس پہ جو سود آتا ہے اس سے کام چل رہے ہیں! یہ طرزِ عمل ان لوگوں کا ہے جنہیں اللہ نے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ حلال کمایا لیکن اب اس میں سود ملا رہے ہو! کہتے ہیں، ہم سود گھر تو نہیں لے جاتے، غریبوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ یعنی ان کا خیال ہے کہ یہ گویا غریب پروری ہے نیکی کما رہے ہیں۔ حق بات یہ ہے کہ ایک جرم تو سود لینے کا الگ ہے اور دوسرا جرم کسی مسلمان کو بغیر بتائے سود کھلانے کا ہے۔ جیسے آپ کسی مسلمان کو خنزیر کھلا دیں لیکن اسے بتائیں نہیں۔ کھانے والا تو شاید معافی کا مستحق ہو

جائے، اسے پتہ نہیں ہے لیکن کیا کھلانے والے کے لئے معافی ہوگی؟ آپ غریبوں کو دیتے ہیں لیکن آپ کو تو پتہ ہے یہ حرام کا پیسہ ہے گویا آپ برائی کو نیکی سمجھ رہے ہیں۔ دوسرا بڑا جرم یہ ہے کہ ایک مسلمان کو آپ جان بوجھ کر حرام کھلا رہے ہیں۔ یا پھر اسے بتائیں کہ مجھے یہ سود کے پیسے ملے تھے، میں تو نہیں کھاتا، سود حرام ہے لیکن تم کھالو۔ کوئی ہے جو کھانے پہ تیار ہوگا! یہ تو ایسی نیکی ہے جیسے آپ گھر بکرے کا گوشت لے جارہے ہوں اور کسی غریب کو خنزیر کا گوشت خیرات کردیں۔

سود ہر صورت میں حرام ہے:

ہمارے ملک میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو دین کا علم بھی رکھتے ہیں اور بے تکلفی سے سود بھی کھا رہے ہیں۔ رقم بینک کے فکسڈ ڈپازٹ میں ہے اور وہ کھا لیتے ہیں یعنی کتنی دیدہ دلیری ہے۔ کچھ کہا جائے تو جواب ملتا ہے کہ اور کوئی ذریعہ آمدن نہیں ہے۔ سود اگر مجبوری میں حلال ہوتا تو شاید مجبوری کا بہانہ کیا جاسکتا تھا لیکن قرآن میں سود کے بارے میں مجبوری کا بھی کوئی ذکر نہیں جبکہ خنزیر اور مردار کو انتہائی مجبوری کی صورت، جس قدر جان بچانے کے لئے ضروری ہو، بااکراہ کھانے کی گنجائش ہے۔ سود تو خنزیر اور مردار سے بھی بدتر ہے، جس کے لئے ایسی کوئی گنجائش نہیں ملتی۔ جس کی آمدن کروڑوں میں ہوتی ہے وہ بھی مقروض ہوجاتا ہے۔ پھر حکومتیں اور حکمران بھی قرضے لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس طرح مجبوری کی آڑ میں تو سود سب کے لئے حلال ہوجاتا۔

نبی کریم ﷺ نے بھی حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا تھا کہ جہالت کے تمام خون میرے قدموں کے نیچے ہیں، کوئی جہالت کے عہد کے خون کا بدلہ نہیں لے گا۔ آج سے پہلے کا سارا سود معاف کیا جاتا ہے اور سب سے پہلے، آپ ﷺ نے فرمایا، میں اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سارا سود معاف کرتا ہوں۔ مومن کی عزت اور اس کے سارے حقوق، جان، مال، آبرو، حرام ہے اس کا احترام کیا جائے۔ آج ہم اپنے آپ کو دیکھیں، اپنی سوچوں کو کریدیں اپنے ارادوں کو دیکھیں تو کوئی شخص خود قتل کرتا ہے یا نہیں، ایسا لگتا ہے کہ ہر بندہ دوسرے کو مارنے کے لئے تیار بیٹھا ہے۔ اس سے کچھ ہوتا ہے یا نہیں لیکن ارادے بھلے نظر نہیں آتے۔ فرمایا:

فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ لیکن یاد رکھو! تم میں سے جو کوئی بھی اس طرح کا عمل کرے گا اُس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ سوائے اس کے کوئی دوسرا نتیجہ نہیں ہے کہ اسے دنیا کی زندگی میں ذلت نصیب ہو، وہ ٹھوکریں کھاتا پھرے اور محتاج و غلام بن کر وقت گزارے اور قیامت کے دن

شدید عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ۝ اس بات سے بے فکر نہ ہو جاؤ کہ اللہ کو کیا پتہ ! تم جو کرتے ہو، جو سوچتے ہو، جو ارادہ کرتے ہو، جو عمل کرتے ہو، اللہ ہر چیز سے آگاہ ہے۔ برائی، ظلم، اور زیادتی کی جائے اور پھر اس میں نیکی کے پہلو بھی تلاش کیے جائیں! جب وہ برائی ہی حرام ہے، تو ازخود اسے نیکی قرار دینا ایک اور ظلم ہے۔ وہی نیکی ہے جسے محمد رسول اللہ ﷺ نے نیکی متعین کر دیا اور وہ برائی ہے جسے حضور ﷺ نے برائی قرار دے دیا، وہ مباح ہے جسے حضور اکرم ﷺ نے مباح قرار دے دیا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ۝ انسانی مزاج کا ایک خاصہ۔ یہاں بیان ہو رہا ہے کہ اللہ کریم نے انسان کو جو شعور اور عقل بخشی ہے اس سے کام لیتے ہوئے ہر شخص بہتری کا سودا کرتا ہے۔ کوئی ایسا سودا نہیں کرنا چاہتا جو اسے نہ صرف منافع سے محروم کر دے بلکہ اس کی ساری اصل بھی ضائع ہو جائے۔ اتنا گھاٹا کون اٹھائے گا! فرمایا جو لوگ دنیا کے لئے آخرت کو چھوڑ دیتے ہیں وہ ایسا ہی سودا کرتے ہیں۔ فرمایا اللہ کریم کا یہ اصول یاد رکھ لو! ایسے لوگ جو اقتدار کے لئے، حصول زر کے لئے، اپنی شہرت کمانے کے لئے، دنیوی فوائد کے لئے آخرت کی پرواہ نہیں کرتے، انہوں نے ایک سودا کر لیا، آخرت چھوڑ دی اور دنیا خرید لی۔ جو لوگ حلال حرام، جائز ناجائز کی پروا کیے بغیر صرف دنیوی مفاد چاہتے ہیں، فرمایا وہ ایسے لوگ ہیں کہ انہوں نے آخرت کو بطور قیمت دے کر اس کے بدلے دنیا خرید لی۔ ان پر جو عذاب مسلط کیا جائے گا اس میں کبھی تخفیف نہیں ہوگی۔ یہاں تخفیف نہ ہونے کا حکم ہے، یہ حکم نہیں کہ وہ بڑھایا نہیں جائے گا۔ یعنی بڑھ سکتا ہے۔ جس عذاب میں وہ مبتلا ہوں گے وہ بڑھ تو سکتا ہے لیکن کم نہیں ہو سکتا۔

وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ۝ اور ان کی کبھی بھی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ ایسے محروم ہونگے کہ کسی نیک آدمی کی دعا، کسی بھلے آدمی کی آرزو، انبیاء علیہم السلام کی شفاعت، سب سے محروم کر دیے جائیں گے۔ کوئی ان کے حق میں دست دعا بھی نہیں اُٹھائے گا، کوئی ان کی مدد کو نہیں آئے گا یعنی اس قدر محروم القسمت ہوں گے کہ آخرت میں کوئی بھی ان کا بھلا چاہنے والا موجود نہ ہوگا، کوئی ان کی مدد کر سکے گا نہ کسی کو اجازت ہوگی، یہ اتنا بڑا جرم ہے۔ گناہ کا ہو جانا محال نہیں ہے، گناہ کسی سے بھی ہو سکتا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام محفوظ عن الخطا ہوتے ہیں اس کے باوجود صحابیؓ سے بھی خطا ہو سکتی ہے، ولی اللہ سے بھی خطا ہو سکتی ہے۔ خطا کا ہو جانا منافی ولایت بھی نہیں ہے۔ صدورِ ذنب منافی ولایت نہیں ہے لیکن اصرار علی الذنب، منافی ولایت ہے۔ گناہ وظیفہ بنا لینا اور مسلسل کرتے جانا یہ بہت بڑا جرم بن جاتا ہے۔

سورۃ البقرہ رکوع 11 آیات 87 تا 96

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى
ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ
بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِيْقًا
تَقْتُلُوْنَ ﴿٨٧﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا
يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ
وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا
عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ
اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ
يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ
مُّهِيْنٌ ﴿٩٠﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا
وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ
اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى
بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا
مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ
قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ

بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩٣﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ
الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٩٤﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٩٥﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰي حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ
اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ
الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾

اور یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی اور ان کے بعد مسلسل انبیاءؑ کو بھیجتے رہے اور ہم نے عیسیٰ (علیہ السلام) مریم (علیہا السلام) کے بیٹے کو (نبوت کے) واضح دلائل عطا فرمائے اور روح القدس (پاک روح) سے ان کی مدد کی تو جب کبھی تمہارے پاس نبی آیا اور تمہاری ذاتی خواہشات کے خلاف بات ہوئی تو تم نے تکبر کیا اور بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو قتل کر دیتے ہو ﴿۸۷﴾ اور کہتے ہیں ہمارے دل محفوظ ہیں بلکہ ان پر ان کے کفر کے باعث اللہ نے لعنت کی سو وہ بہت کم ایمان لاتے ہیں ﴿۸۸﴾ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے جو ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرنے والی کتاب آئی اور حالانکہ پہلے (اسی کے سبب) کافروں پر فتح کی دعا کیا کرتے تھے پھر جب ان کے پاس (کتاب) آئی تو اس کا انکار کر دیا۔ حالانکہ وہ اسے پہچانتے تھے پس اللہ کی لعنت ہو ایسے کافروں پر ﴿۸۹﴾ انہوں نے اپنے آپ کو بہت بری چیز کے بدلے بیچا ہے کہ جو (نعمت، نبوت، کتاب) اللہ نے اپنی مہربانی سے اپنے جس بندے پر چاہی نازل فرمائی اس کا بغاوت کرتے ہوئے انکار کر دیا سو وہ غضب بالائے غضب کے مستحق ہوئے اور کافروں کے لئے ذلت والا عذاب ہوگا ﴿۹۰﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے اللہ نے جو نازل کیا اس پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے علاوہ سب کا انکار کرتے ہیں اور حالانکہ وہ (کتاب) بھی حق ہے

اور جو ان کے پاس ہے اس (کتاب) کی تصدیق (کرتی) ہے۔ ان سے کہیے پھر پہلے اللہ کے نبیوں کو تم نے کیوں قتل کیا اگر تم (تورات پر) ایمان رکھنے والے تھے ﴿۹۱﴾ اور یقینا تمہارے پاس موسیٰ (علیہ السلام) واضح دلیلوں کے ساتھ تشریف لائے پھر تم نے ان (کے طور پر جانے) کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا اور تم بہت غلط کار ہو ﴿۹۲﴾ اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر طور (پہاڑ) کو معلق کر دیا جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اسے مضبوطی سے تھامو اور (غور سے) سنو (تو) کہنے لگے ہم نے سن لیا اور مانا نہیں اور ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت پیوست ہو گئی۔ فرما دیجئے اگر تم ایمان رکھتے ہو تو تمہارا ایمان تمہیں بہت برا (کام کرنے کا) حکم دیتا ہے ﴿۹۳﴾ (ان سے) فرمائیے کہ اگر دوسروں کے علاوہ آخرت کا گھر (جنت) اللہ کے نزدیک صرف تمہارے لئے ہے تو اگر (اس دعوے میں) سچے ہو تو موت کی دعا (آرزو) کرو ﴿۹۴﴾ اور انہوں نے اپنے ہاتھوں جو آگے بھیجا ہے (یعنی اعمال) ان کے باعث ہرگز آرزو نہ کریں گے اور اللہ ظلم کرنے والوں کو جانتے ہیں ﴿۹۵﴾ اور آپ ان کو سب سے زیادہ زندگی کا حریص پائیں گے اور شرک کرنے والوں میں سے بھی ہر ایک ان میں چاہتا ہے کہ کاش اس کی زندگی ہزار برس ہو اور اس کو اتنی عمر دے بھی دی جائے تو اس کو عذاب سے نہیں بچا سکتی اور اللہ ان کے اعمال کو دیکھ رہے ہیں ﴿۹۶﴾

خلاصہ تفسیر و معارف

فرمایا: ہم نے تم لوگوں پہ کیا کیا احسانات کئے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ہم نے موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کتاب عطا فرمائی۔ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ : اور پھر اس کے بعد مسلسل بنی اسرائیل ہی میں رسول بھیجتے رہے یعنی تمہیں باقی انسانیت سے یہ فضیلت دی کہ جو نبیؑ، جو رسول آیا وہ بنی اسرائیل میں سے تھا۔ یہ اعزاز کتنا عظیم تھا کہ تم اقوام عالم کی رہبری اور رہنمائی کے اعزاز سے نوازے گئے۔ تمہیں تو چاہیے تھا کہ اللہ کی دوسری مخلوق کو بھی گمراہی سے بچانے کے لئے محنت کرتے، چہ جائیکہ تم خود گمراہ ہو گئے۔ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو واضح واضح احکام دیے اور روح القدس سے ان کی مدد فرمائی اور ایسے عجیب معجزات عطا فرمائے کہ مادرزاد اندھے دیکھنے لگتے، کوڑھی صحت مند ہو جاتے، مٹی کا پرندہ یا جانور بناتے اور اس پر دم کرتے تو وہ زندہ ہو جاتا تھا، مُردے کو حکم دیتے تو وہ زندہ ہو جاتا تھا۔ یعنی ایسے ایسے واضح اور روشن دلائل دیے پھر تم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا! ان کی کونسی بات مانی! اسی طرح اللہ کریم نے امت محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حق میں فرمایا۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ (آل عمران:110) تم امتوں میں سے بہترین امت ہو۔ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تمہیں دوسروں کی بھلائی اور رہنمائی کا فریضہ قیامِ قیامت تک سونپ دیا گیا، تمہیں بزرگی، رہبری، رہنمائی اور عالم انسانی کی قیادت سونپ دی گئی کہ خود بھی اللہ پر یقین کامل رکھو، بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔ لیکن جسے رہنمائی کے اعزاز سے نوازا جائے اور وہی برائی خود شروع کر دے تو یہ کتنی بڑی گستاخی ہوگی، کتنا بڑا جرم ہوگا!

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ؗ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝ جب کسی رسول نے مبعوث ہو کر تمہاری خواہشات کے خلاف بات کی تو تم اکڑ گئے اور اس حد تک اکڑے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی۔ بات نہیں مانی اور بعض کو ناحق شہید کر دیا اور تم نے کہا: وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ ہمارے دل تو پردوں میں لپٹے ہوئے تھے، ان پر کسی کی بات کا اثر نہیں ہوتا تم سمجھے بیٹھے ہو کہ تمہارے دل بڑے محفوظ ہیں اور بڑے پردوں میں لپٹے ہیں لیکن اللہ ان پر لعنت فرماتا ہے اس لئے کہ ان سب پردوں میں غلاظتیں لپٹی ہوئی ہیں اور کفر چھپا ہوا ہے۔ جو پردے تعلیمات انبیاء علیہم السلام کو دل پر اثر انداز نہیں ہونے دیتے، وہ پردے کفر کے ہیں، غلاظتوں کے ہیں، گناہ کے ہیں اور اللہ کی اُن پر لعنت ہے۔ فرمایا:

بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ تمہارا کفر اتنا بڑھ گیا ہے کہ اللہ نے تمہیں راندۂ درگاہ بنا دیا۔ لعنت اللہ کی بارگاہ سے دوری کا نام ہے، رحمت قربِ الٰہی کا نام ہے، وصال الٰہی کا نام ہے، اللہ کی حضوری کا نام ہے۔ اسی طرح لعنت بارگاہِ الٰہی سے روکے جانے کا نام ہے۔ فرمایا: تمہارے اس کردار کے سبب تم پر لعنت پڑ گئی، تمہیں اللہ کی بارگاہ سے دور کر دیا گیا اور بہت کم لوگ رہ گئے جن کے دلوں میں ایمان قبول کرنے کی صلاحیت باقی بچی۔ سب سے بڑا سودا یہ ہے کہ کوئی دنیا کے لئے، حصولِ دولت کے لئے یا خواہشات نفس کے لئے یا اپنی شہرت کے لئے آخرت کو چھوڑ دے اور ایسے کام کر گزرے جن سے ایمان تباہ ہو جائے اور وہ کفر اختیار کر لے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾

فرمایا بنی اسرائیل کا حال دیکھیے، ان کے پاس جتنی کتابیں آئیں ان میں آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کا ذکر خیر موجود تھا' بشارت موجود تھی کہ نبی آخرالزمان اور خاتم الانبیاء ﷺ مبعوث ہوں گے، ان پہ ایمان لانا، ان کی اطاعت کرنا۔ اور جب اللہ کی طرف سے وہ کتاب یعنی قرآن کریم نازل ہوا۔ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ جو ان کی کتابوں میں حق تھا اس کی تصدیق کرنے والی کتاب، ان کی کتابوں میں بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تھا اس میں بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہی کا تذکرہ ہے ان کی کتابوں میں بھی آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق تھی۔

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ جب مشرکین اور کفار کے ساتھ ان کا مقابلہ آتا تو یہ اللہ سے آرزو کرتے کہ اے اللہ! اس نبیؐ کے طفیل جو آخر میں مبعوث ہوگا، اس کتاب کے طفیل جو تیری سب سے آخری کتاب ہوگی' ہمیں ان کافروں پر فتح نصیب فرما۔ یعنی کتاب کے آنے تک' نبی کریم ﷺ کے مبعوث ہونے تک تو ان کا ایمان یہ تھا کہ کتاب برحق بھی آئے گی اور رسول برحق ﷺ مبعوث ہوں گے۔ جب مصیبت میں ہوتے تو آپ ﷺ کے حوالے سے دعا مانگتے۔ میدانِ کارزار میں، جنگ میں یہ ہاتھ اُٹھا کر کھڑے ہو جاتے کہ اے اللہ! اُس آنے والی سچی کتاب اور آنے والے سچے رسول ﷺ کے طفیل' ہمیں فتح نصیب فرما' اور انہیں فتح بھی ہوتی۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ جب وہ رسول ﷺ تشریف لے آئے مَّا عَرَفُوْا جنہیں یہ اچھی طرح جانتے تھے تو كَفَرُوْا بِهٖ ۚ انہوں نے انکار کر دیا۔ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ فرمایا لعنت ہے اللہ کی کافروں پر۔

نبوت اور ولایت وراثت نہیں:

کیسی عجیب بات ہے کہ اب ان کے انکار کا ایک بڑا سبب یہ بھی بنا کہ یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آج تک تمام انبیاء بنی اسرائیل میں آئے لیکن یہ آخری نبی ﷺ بنی اسمٰعیل میں کیوں مبعوث ہو گئے! حضور اکرم ﷺ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہیں، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں لہٰذا ہم نہیں مانتے۔ انہوں نے سمجھا تھا کہ نبوت ہماری وراثت ہے، یہ تو اس کی عطا ہے۔ اگر وہ صد ہا صد برس تمہیں نوازتا رہا تو اس کی مرضی۔ آج اُس نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بنی اسمٰعیل علیہ السلام سے مبعوث فرمایا تو اس کی مرضی۔ یہ تو اس کی عطا ہے تم کون ہوتے ہو یہ تخصیص کرنے والے!

یہی حال ہمارا بھی ہے۔ پہلے تو صرف ولایت میں ہمارا یہ حال تھا، اب سیاست میں بھی

ہے۔ ولایت میں بھی یہ ہوتا تھا کہ جہاں کسی ولی اللہ کا وصال ہوتا تو اس کا بیٹا گدی نشین ہو جاتا۔ اگر بیٹا نیک ہے اور اس نے باپ سے تربیت حاصل کی اور لوگوں کی تربیت کرتا ہے، لوگوں کو ہدایت نصیب ہوتی ہے تو باپ کے بعد بیٹے کی تقرری منع نہیں ہے۔ لیکن ہمارے ہاں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ جو کمال باپ میں تھا، وہ بیٹے میں بھی ہے کہ نہیں۔ باپ ساری رات جائے نماز پہ گزارتا تھا، بیٹا تارک صلوٰۃ ہے۔ اب یہی اصول سیاست میں بھی آ گیا۔ اسی طرح مولوی کا بیٹا مولوی ہو گیا اور ولی کا بیٹا ولی ہو گیا۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۗ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾ انہوں نے بغاوت کر کے بہت بڑا جرم کیا کیونکہ اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ جو کرم اللہ چاہے، اپنے جس بندے پہ چاہے کر دے، یہ کسی کی وراثت نہیں ہے۔ اب اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو نبی اور خاتم الانبیاء مبعوث کر دیا تو یہ اُس کی پسند ہے، تم کون ہوتے ہو اعتراض کرنے والے؟ یہ عزت و عظمت اور دو عالم کی سرداری اگر اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو دے دی تو اس میں خفا ہونے کی کیا ضرورت لیکن تم نے اس وجہ سے بغاوت کا راستہ اختیار کیا۔

غضب الٰہی، برکات سے محرومی:

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۗ اور تم نے ایک غضب نہیں، اللہ کے غضب پر کئی غضبوں کو دعوت دی۔ جانتے تھے، انکار کیا ایک غضب، مانتے تھے، انکار کیا دوسرا غضب، آپ ﷺ کے طفیل دعائیں مانگ کر فتح حاصل کرتے تھے لیکن جب سامنے آئے انکار کر دیا اور پھر اللہ کے غضب کو دعوت دی۔ پھر سب سے بڑا غضب یہ کہ تم ان تمام برکات سے محروم ہو گئے جو اللہ کی اس کتاب میں ہیں۔ جو اللہ کے اس رسول ﷺ کے دامن میں ہیں۔ تم نے تو کئی طرح سے غضب الٰہی کو دعوت دی۔

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾ اور یاد رکھو! کفر کرنے والوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔ عذاب تو گنہگار مسلمان کو بھی ہو سکتا ہے، اللہ معاف فرما دے تو اس کا کرم ہے، سب کو معاف کر دے لیکن ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کا ایمان پر خاتمہ ہو لیکن کچھ خطائیں ایسی ہوں جن کی وجہ سے عذاب بھی ہو جائے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، انه لا يرب لحمٌ نبت من سحتٍ الا كانت النار اولى به او كما قال رسول اللہ ﷺ (ترمذی) تو اس کا علاج دوزخ ہے۔ ایک آدمی نے نیکی بھی کی، ایمان بھی اس کا ٹھیک

تھا لیکن رزق میں کوئی ذریعہ حرام کا بھی تھا، اس کے بدن میں حرام رزق سے بننے والے گوشت کی بھی آمیزش ہوگی۔ فرمایا، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ اس گوشت کو جہنم میں جلنا ہوگا۔ وہ دوزخ میں جل جائے گا اور اللہ اس کی جگہ نیا گوشت عطا کریں گے اور اسے جنت میں بھیج دیں گے۔ اگر کسی مسلمان کے لئے عذاب ضروری بھی ہوا کہ اسے پاک کیا جائے تو اسے رسوا نہیں کیا جائے گا۔ معاملہ بندے اور اللہ کے درمیان ہوگا۔ ساری مخلوق وہاں ہوگی، اسے مخلوق میں رسوا نہیں کیا جائے گا لیکن کافروں کو جو عذاب ہوگا، وہ صرف عذاب ہی نہیں ہوگا، اس کے ساتھ انہیں ذلیل ورسوا بھی کیا جائے گا۔

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٩٠﴾ اور کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

اللہ کریم ہمیشہ دامان رحمت عالی ﷺ سے وابستہ رکھے، یاد رکھو! اللہ کی کتاب جس کو حلال کہتی ہے وہی حلال ہے اور جسے حرام کہتی ہے وہ ہماری روحانی موت کا سبب ہے۔ پوری دیانت داری سے کوشش کی جائے کہ بندہ حلال کھائے، وقت پر نماز ادا کرے۔ اخلاق وعادات کو شریعت کے مطابق رکھے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی کا حق ادا کرتا رہے۔ پھر کمی بیشی ہو جائے تو وہ غفور رحیم ہے لیکن حصولِ دنیا کے لئے اگر بغاوت کر دے تو یہ بہت بڑی تباہی ہے، اللہ پاک اس تباہی سے تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ جب بنی اسرائیل سے کہا جائے کہ اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے اس پر ایمان لاؤ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا تو وہ کہتے ہیں آقائے نامدار ﷺ سے پہلے بھی ہم پر کئی کتابیں نازل ہوئی تھیں، بنی اسرائیل پر جو احکام نازل ہوئے تھے، ہم انہیں تو مانتے ہیں۔ وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ اور اس کے علاوہ جو ہے، اس کا انکار کرتے ہیں۔ ہماری اپنی قوم میں بے شمار نبی مبعوث ہوئے اور ان پر کتابیں بھی نازل ہوئی ہیں، ان کو ہم مانتے ہیں۔ اب غیر قوم میں نبی مبعوث ہو تو اسے ہم کیوں مانیں!

اقوام وقبائل:

قومیں اور قبیلے، یہ نام محض انسانوں کی شناخت کے لئے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم نے انسانوں کو قبائل اور شعوب میں اس لئے تقسیم فرمایا۔ لِتَعَارَفُوْا آدمی کی پہچان ہو جائے کہ کون، کون ہے لیکن اس سے یہ فرق نہیں پڑتا کہ کوئی قبیلہ بہت اعلیٰ ہو گیا اور کوئی بہت ادنیٰ۔ ساری مخلوق اللہ کی ہے اور نبوت اللہ کریم کا ذاتی احسان ہے، اس کے لئے وہ جسے چاہے چُن لے۔ اللہ کسی کے فلاں قبیلے یا خاندان سے تعلق کا

پابند نہیں ہے۔ سنتِ الٰہی یہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو ہمیشہ اعلیٰ خاندانوں سے ہی منتخب فرماتا رہا ہے۔ کسی بھی قبیلے سے اگر نبیؑ مبعوث ہو تو وہ قبیلہ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے دوسروں سے افضل اور ممتاز ہو گیا۔ نبیؑ ہمیشہ اعلیٰ نسب سے اور اچھے قبائل سے تشریف لائے اور پھر نبی آخر الزمان ﷺ جس قبیلے سے مبعوث ہوئے اس کی مثال نہ گذشتہ امتوں میں ملتی ہے، نہ حال میں اور نہ آئندہ کوئی اس کا ثانی ہو سکتا ہے۔ مکان کی عظمت مکین سے ہوتی ہے۔ اگر کسی کچے گھر میں بھی بادشاہ رہتا ہو تو وہ محل کہلاتا ہے اور کسی محل میں جوا خانے بنے ہوئے ہوں تو اس کی وہ عزت نہیں ہوتی۔

اسی طرح قبیلے کی عزت بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بالا صفات کی محتاج ہے لیکن بنی اسرائیل کا یہ انوکھا اصول ہے کہ ہم اپنے قبائل میں جو نبیؑ مبعوث ہوئے ان کو تو مانتے ہیں لیکن اب دوسرے قبیلے میں نبیؑ مبعوث ہو گیا، اس کو ہم کیوں مانیں؟ وہ جانے اور اس کا قبیلہ جانے! حالانکہ اصل بات یہ ہے: وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۚ یہ قرآن اس چیز کی بھی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہے یعنی وہ کتب جو بنی اسرائیل پر نازل ہوئیں۔ آپ ﷺ کی بعثت ایسا حق ہے کہ جس کی تصدیق وہ ساری کتابیں بھی کرتی ہیں جو پہلے نبیوں پہ نازل ہوئیں۔ ہر کتاب نے آپ ﷺ کی آمد کی خبر دی۔ آپ ﷺ کے آخری نبیؐ ہونے کی خبر دی۔ آپ ﷺ کے امام الانبیاءؑ ہونے کی خبر دی اور آپ ﷺ کی اطاعت اور فرماں برداری کا حکم دیا۔ تم کہتے ہو کہ اپنے نبیوںؑ پر جو کتابیں نازل ہوئیں ان کو مانتے ہو لیکن ان کتابوں میں بھی نبیؐ کریم ﷺ کا ذکر خیر موجود ہے۔ اگر واقعی تم ان کو مانتے ہو تو پھر تمہیں نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا چاہئے تھا اور دوسرا تمہارا یہ کہنا کہ جو انبیاء علیہم السلام بنی اسرائیل سے ہیں ان کو تو ہم مانتے ہیں لیکن تم نے کتنے انبیاء کو ظلماً شہید کیا۔ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٩١ اگر تم ایمان والے تھے تو تمہارے اپنے قبیلے بنی اسرائیل سے مبعوث ہونے والے انبیاء علیہم السلام کو تم نے کیوں قتل کیا؟ تم دعویٰ کرتے ہو کہ ہم مانتے ہیں لیکن تمہارا کردار اس کی شہادت نہیں دیتا، تمہارا عمل اس بات سے انکار کرتا ہے۔

یہاں قرآن کریم نے دو دلیلیں ارشاد فرمائیں: تم کہتے ہو کہ ہمارے قبیلوں سے جو نبیؐ تھے اور ان پر جو کتابیں نازل ہوئیں ہم ان کو مانتے ہیں تو وہ کتابیں بھی آقائے نامدار ﷺ کی بعثت کی خبر دیتی ہیں۔ اگر تم ان کتابوں کو مانتے تو تمہیں حضور نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا چاہئے تھا۔ لہٰذا اگر حضور ﷺ پر ایمان نہیں لاتے ہو تو تم پہلی کتابوں کے بھی منکر ہو اور کافر ہو۔ دوسری دلیل یہ ارشاد فرمائی کہ بنی اسرائیل سے مبعوث ہو

نے والے کتنے انبیاء کو تم نے ظلماً شہید کر دیا۔

وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ موسیٰ علیہ السلام واضح معجزات کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے۔ دنیا میں فرعون ایک بہت بڑی طاقت تھی۔ یہ اپنے آپ کو خدا کہلواتا اور لوگوں سے اپنی پوجا کرواتا تھا۔ تمہیں اس نے غلام بنا رکھا تھا۔ جسے چاہتا قتل کرتا، جسے چاہتا چھوڑ دیتا تھا۔ تمہارے بیٹوں کے قتل کا حکم دے دیا اور بیٹیوں کو چھوڑ دیا تو کوئی تمہاری طرف سے فریاد کرنے والا بھی نہیں تھا' تم میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی۔ اس سے اگر کسی نے روبرو ٹکر لی تو موسیٰ علیہ السلام نے لی۔ پھر تمہیں اس کے چُنگل سے چھڑوایا اور تمہارے سامنے اسی سمندر نے، جس نے تمہارے لئے راستے چھوڑ دیے تھے، فرعون کو اس کے پورے لشکر سمیت نگل لیا۔ اس کا ملک، اس کی سلطنت، آلِ فرعون کے محلات' ان کی جاگیریں سب تمہارے قبضے میں دے دیں اور وہ تباہ و برباد ہو گئے۔

تم وہ لوگ ہو کہ چند دنوں کے لئے موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام طور پر تشریف لے گئے تو: ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ﴿۹۲﴾ تم ایک بچھڑا بنا کر اس کی پوجا کرنے لگ گئے، تم ایسے ظالم ہو! تم ایسے عجیب لوگ ہو کہ اتنا کچھ دیکھنے کے بعد، معجزات دیکھنے کے بعد، واقعات دیکھنے کے بعد، فرعون جیسی طاقت کی تباہی دیکھنے کے بعد اور غلامی سے آزاد ہونے کے بعد بھی تمہیں یہ خیال نہ رہا کہ موسیٰ علیہ السلام نے تو ہمیں معبودِ برحق کی عبادت کا حکم دیا تھا لیکن تم ان کی چند روزہ غیر حاضری میں ایک بچھڑا پوجنے لگ گئے۔ پھر اللہ ایسا کریم ہے کہ کوئی غلط راستے پہ چلتا ہے اور اپنی عاقبت برباد کرتا ہے تو اسے متنبہ کرتا ہے، اس کے بندے اس تک اس کی بات پہنچاتے ہیں لیکن ماننے نہ ماننے کا اختیار بندے کو دے دیتا ہے۔ تم پر تو اس نے یہ مہربانی فرمائی کہ تم پر کوہ طور کو اٹھا کر معلق کر دیا ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ﴿۹۲﴾ اور تمہیں حکم دیا کہ جو کچھ میں نے عطا کیا اسے مضبوطی سے پکڑو اور غور سے سنو۔ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۚ تم نے کہا، ہم نے بڑے غور سے سنا لیکن عمل کی باری آئی تو تم نے اس کے خلاف کیا، یعنی سنا تو ہے مانیں گے نہیں، تم سے اللہ نے اضطراری اطاعت کروائی لیکن تم نے اختیاری طور پر نہیں کی، اپنی مرضی سے نہیں کی اور وہ ایسا بے نیاز ہے، اس کو کسی کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اس سے زبردستی اپنی اطاعت کروائے۔

لوگ پیدا اس کے حکم پہ ہوتے ہیں، مرتے اس کے حکم پر ہیں، صحت اس کے حکم پر پاتے ہیں، بیمار اس کے حکم پہ ہوتے ہیں، شکل اس کے حکم سے بنتی ہے کوئی اپنی مرضی سے اپنی شکل نہیں بنا لیتا، عقل اس کے حکم

سے بنتی ہے۔ اگر وہ اطاعت بھی حکماً کروانا چاہتا تو کون تھا جو دم مارتا لیکن اس نے کسی سے زبردستی اطاعت نہیں کروائی بلکہ انسان کو اختیار دیا۔ اطاعت کا مزہ جب ہے کہ وہ مجھے پہچانے، مجھے مانے اور اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور پھر میرے در پہ سربسجود ہو۔ تم پر تو اس نے یہ بھی کرم فرمایا کہ تم سے اضطراراً اطاعت کروائی، زبردستی دوزخ سے بچا کر جنت کے راستے پہ ڈالا۔

ایمان و عمل:

اسلام و ایمان کی بنیاد اللہ جل شانہٗ کے احکام کی تعمیل و تکمیل ہے۔ ایمان اطاعت کا نام ہے۔ اگر کوئی سن کر کہہ بھی دیتا ہے، میں نے مان لیا لیکن اس پر عمل نہیں کرتا تو اکثر ائمہ کرامؒ کے نزدیک اسے ایمان شمار نہیں کیا جاتا بلکہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد ہے کہ ایمان نام ہی اعمال کا ہے اور اصول بھی یہ ہے کہ نتیجہ ہمیشہ عمل پر مرتب ہوتا ہے۔ اگر کوئی آدمی یہ کہتا ہے کہ میں نے کھانا کھا لیا، میں نے کھانا کھالیا اور وہ کھاتا نہیں ہے تو ایسا کہنے سے اس کا پیٹ نہیں بھرے گا' نتیجہ عمل ہی پر مرتب ہوگا۔ اب جب تم نے نہ مانا تو اس نہ ماننے کی سزا یہ ہوئی وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۚ جب تم نے کفر کیا تو اللہ نے اپنی بجائے بچھڑے کی محبت تمہارے دلوں میں ڈال دی۔ تم بچھڑے کو پوجنے لگے اور اپنی امیدیں اسی سے وابستہ کر لیں۔ کفر کی اقسام کو آپ دیکھتے جائیے۔ جو بھی اللہ کو وحدہٗ لاشریک نہیں مانتے، اللہ کی کتاب کو نہیں مانتے اللہ کے رسول ﷺ کو نہیں مانتے تو ایسے بھٹکتے ہیں کہ بندروں اور خنزیروں کی پوجا کرنے لگتے ہیں۔ ہاتھی، گائے اور جانور پوجے جا رہے ہیں، سانپوں کی پوجا ہو رہی ہے، آگ کی پرستش ہو رہی ہے، سورج کو پوجا جا رہا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ آدمی ایسا بھٹکتا ہے کہ انسانیت سے گر کر ذلیل جانوروں کی پوجا کرنے پہ لگ جاتا ہے۔ تم نے جب گناہ کیا تو اس گناہ کی سزا میں تمہارے دل اللہ کی محبت سے خالی ہو گئے۔

قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٩٣﴾ اگر اسے تم ایمان کہتے ہو کہ تم بچھڑے کی پوجا کرو، نبی کریم ﷺ کی نبوت کا انکار کرو، اللہ کے قرآن کا انکار کرو، موسیٰ علیہ السلام کے احکام کو چھوڑ دو اور بت پرستی کی تمنا کرو۔ اگر اسے تم ایمان کہتے ہو تو پھر یہ بہت ہی برا ایمان ہے جو تمہیں بہت ہی برے کام کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یہ ایمان نہیں ہے بلکہ تم نے کفر اور گمراہی کا نام ایمان رکھا ہوا ہے۔ پھر ایک اور آزمائش ڈال دی، تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ آخرت ہمارے لئے خالص ہے' صرف یہودی ہی جنت میں جائیں گے۔ فرمایا میرے حبیب ﷺ ان سے فرمایئے: قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ

خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ آخرت باقی سب کو چھوڑ کر صرف تمہارے لئے ہے تو فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ پھر موت کی آرزو کرو، تمہیں اس دنیا سے کیا لینا ہے جب جنت تمہاری ہے، آخرت تمہاری ہے یہ دنیا اس کے عشر عشیر کے برابر بھی نہیں ہو سکتی تو امتحاناً ہی سہی، تم یہ آرزو تو کرو کہ ہمیں موت آ جائے۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ذرا یہ دعا کر کے دیکھو! ساتھ ہی بتا دیا۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ کہ اے میرے حبیب ﷺ! یہ کبھی موت کی آرزو نہیں کریں گے۔ کیوں نہیں کریں گے؟ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے! ان کا کردار ایسا ہے جو ظلم انہوں نے کیے ہیں، جو گناہ انہوں نے کیے ہیں اور آخرت کو جس طرح انہوں نے برباد کیا ہے۔ یہ آخرت کی تمنا ہی نہیں کریں گے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ اللہ ایسے ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

یہ ایک الگ سوال ہے کہ موت کی تمنا کرنا چاہئے یا نہیں یا کن حالات میں موت کی آرزو کی جا سکتی ہے؟ یہ ایک الگ بحث ہے، یہاں اس بحث کو نہیں لایا گیا۔ یہاں امتحاناً یہودیوں کو کہا گیا ہے جب تمہیں سو فیصد یقین ہے کہ سوائے یہود کے جنت میں کوئی نہیں جائے گا اور جنت تمہارے لئے پکی ہے تو پھر موت کی تمنا کرو۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ اگر موت کی آرزو کرتے تو ان کا اپنا لعاب دہن ہی ان کے لئے زہر بن جاتا اور یہ دم گھٹ کر مر جاتے اور دنیا میں یہودیوں کا وجود نہ رہتا۔ اللہ کریم نے فرمایا یہ ایسی دعا ہی نہیں کریں گے۔ اس لئے نہیں کریں گے کہ ان کے دلوں میں دنیا کی محبت ہے، ان کے دلوں میں گناہ کی محبت ہے، ان کے دلوں میں اپنی بڑائی کی محبت ہے۔ موت کی آرزو تو ایک الگ بات ہے، یہ تو زیادہ سے زیادہ عرصہ زندہ رہنے کی آرزو کریں گے' موت سے بھاگنا چاہیں گے۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا کبھی بھی موت کی آرزو نہیں کریں گے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار کرنا چاہتے ہیں یا قرآن کی بات کا انکار کرنا چاہتے ہیں۔ جب قرآن کہہ رہا تھا کہ یہ آرزو نہیں کریں گے تو یہ کر کے دیکھ لیتے، تا کہ یہ ثبوت پیش کر سکتے کہ جو کچھ قرآن نے کہا وہ صحیح نہیں ہے لیکن انہیں جرأت نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ انہیں اپنے کرتوتوں کا پتہ ہے۔ ہر شخص کو اپنے کردار کا پتہ ہوتا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ وہ آخرت کے لئے کیا بھیج رہا ہے۔ اگر آخرت کے لئے وہ اسی طرح برائیاں بھیج رہا ہے' گناہ بھیج رہا ہے اور کفر بھیج رہا ہے تو آخرت کا خوف اس پر سوار ہو جاتا ہے۔

انجانا خوف:

مغرب کی دنیا بہت ترقی کر گئی ہے لیکن ایک عجیب بات ہے، جس کا میں نے خود بھی مشاہدہ کیا ہے اور وہ لوگ جو وہاں سے آتے ہیں، ان کے علم میں بھی ہوگا اور جو جا کر دیکھنا چاہے وہ بھی آزمالے، وہاں سے آنے والوں سے پوچھ لے، پورے مغرب میں، خواہ وہ یورپ ہو یا امریکہ ہو یا کوئی اور جگہ، ایک عجیب بیماری ہے اور وہ ہے خوف، ڈر! بھئی کس سے ڈرتے ہو؟ یہ پتہ نہیں کس سے ڈرتے ہیں، لیکن ہر بندہ ڈرتا ہے، ہر بندہ خوف زدہ ہے۔ کس بات سے ڈرتے ہیں، یہ کوئی پتہ نہیں۔ آج کل مغرب میں ماہرین نفسیات کی سب سے زیادہ آمدن ہے کیونکہ لوگ جاتے ہی ان کے پاس ہیں۔ میں نے اَسی اَسی سالہ خواتین کو دیکھا ہے کہ وہ رات دروازہ بند کر کے سامنے کرسی لگا کر بیٹھی رہتی ہیں، سورج نکلتا ہے تو سوتی ہیں۔ کیا ہوا؟ ساری رات ڈر لگتا ہے! کس سے؟ پتہ نہیں! اس بیماری کا نام ہی ڈاکٹروں نے رکھ دیا ہے Fear of the Unknown انجانا خوف، قرآن کریم اسے انجانا خوف نہیں کہتا، وہ کہتا ہے یہ اچھی طرح جانتے ہیں بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۚ انہیں اپنے کرتوتوں کا پتہ ہے کہ انہوں نے آخرت میں کیا بھیجا ہے۔ اب اپنے اس کردار کا خوف ان پر مسلط ہے کہ آخرت میں جانا تو ہے، یہ تو یقین ہے، دنیا کو جاتے ہوئے دیکھ رہے ہیں' وہاں جائیں گے تو کیا ہوگا!

یہاں میرے پاس سویڈن سے ایک آدمی کے خط آتے تھے، تھا تو وہ امریکی لیکن سویڈن کے کسی سکول میں پڑھاتا تھا، میرے ساتھ خط و کتابت کرتا اور اسلام کے بارے پوچھتا رہتا۔ امریکہ جانا ہوا تو میں نے اسے اپنا پروگرام لکھ بھیجا تو وہ نیویارک میں ملنے آ گیا اور دن رات ساتھ رہا۔ اگلی صبح ہمیں کہیں باہر جانا تھا تو اسے اپنی قیام گاہ پر چھوڑا۔ تھوڑی دور جا کر احساس ہوا کہ گاڑی میں پٹرول کم ہے۔ جہاں ٹھہرے ہوئے تھے وہاں سے کوئی سوگز دور پٹرول پمپ بھی تھا چنانچہ پٹرول لینے کے لئے واپس لوٹے تو دیکھا کہ وہ شخص اپنا بیگ بغل میں دبائے فٹ پاتھ پر بھاگا جا رہا تھا۔ گاڑی روکی اور اس سے پوچھا بھئی کیا ہے؟ کہنے لگا مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ میں نے کہا ہمارے ساتھ گاڑی میں بیٹھ جاؤ، یہاں کوئی ڈر نہیں۔ یہ عجیب مرض ہے۔ وہ کوئی پاگل تو نہیں تھا، اچھا بھلا سمجھدار، پڑھا لکھا آدمی تھا لیکن ایک انجانے خوف میں مبتلا، دولت ایمانی سے خالی، اس معاشرے میں ہر آدمی کے اعصاب پر یہ خوف سوار ہے۔

فرمایا، یہی خوف ان یہودیوں کے دلوں پر سوار ہے بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۚ انہیں پتہ ہے کہ

آخرت کے لئے کیا کمائی کی وَلَنۡ یَّتَمَنَّوۡهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡهِمۡ ط کبھی موت کی آرزو نہیں کریں گے، انہیں پتہ ہے ہم نے آخرت کے لئے کیا بھیجا ہے۔ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ ﴿۹۵﴾ اور اللہ ایسے ظالموں کو خوب جانتا ہے، اس سے چھپ نہیں سکیں گے۔

یاد رکھو! اس دنیا میں سب سے بڑی نعمت اللہ کے ارشادات، اللہ کی کتاب، اللہ کے حبیب ﷺ اور آپ ﷺ کے احکام پر ایمان لانا اور عمل کرنا ہے۔ ایمان عمل کا نام ہے۔ اگر چھوٹی سے چھوٹی سنت بھی چھوٹ جائے تو یاد رکھیں وہ دوبارہ ادا نہیں ہوگی۔ دوبارہ موقع آیا تو دوبارہ ایک سنت سامنے ہوگی۔ جو چھوٹ گئی وہ چھوٹ گئی جیسے کسی کی بہت بڑی دولت چھن جائے۔ آپ ﷺ کی ایک ایک ادا دین ہے اور اللہ کو دین اسلام ہی پسند ہے۔ اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ ﴿ آل عمران: 19)

سورۃ بقرہ میں بنی اسرائیل کے اس دعویٰ کا ذکر ہوا ہے کہ آخرت صرف ہمارے لئے ہے اور جنت میں صرف ہم ہی داخل ہوں گے، دوسرا کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا، اے میرے حبیب ﷺ! ان سے فرمایئے، اگر آخرت صرف تمہارے لئے ہے تو پھر تم موت کی تمنا کرو۔ جب تمہیں یقین ہے کہ تمہیں جنت ہی میں جانا ہے، تمہیں نہ ایمان کی ضرورت ہے نہ اعمال کی، نہ کردار کی بلکہ جس یقین اور عمل پر تم ہو وہ جنت ہی کا راستہ ہے تو پھر یہاں دنیا میں کیوں دُکھ اُٹھا رہے ہو! فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۹۴﴾ اگر تم سچے ہو تو پھر دنیا کی تکلیفوں، بھوک پیاس، صحت بیماری، لین دین کے جھمیلوں سے جان چھڑاؤ۔ ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا: وَلَنۡ یَّتَمَنَّوۡهُ اَبَدًۢا یہ کبھی بھی ایسی تمنا نہیں کریں گے۔ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡهِمۡ ط انہیں اپنے کردار کا پتہ ہے جو یہ کام کرتے ہیں، جو اعمال کرتے ہیں، انہیں پتہ ہے کہ ان کا انجام کیا ہوگا اور اللہ ظلم کرنے والوں کو جانتا ہے۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے:

وَلَتَجِدَنَّهُمۡ اَحۡرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوةٍ بلکہ آپ ان کو دوسرے تمام انسانوں کی نسبت زندگی کے معاملے میں زیادہ حریص پائیں گے۔ انسان کی زندگی درحقیقت آخرت کی تیاری ہے۔ دنیا ایک کمرۂ امتحان ہے، آزمائش گاہ ہے۔ انسان دنیا میں آتا ہے تو اُسے اللہ کی طرف سے نیکی کی تلقین ہوتی ہے، اللہ کے نبی، اللہ کے رسول نیکی کی طرف بلاتے ہیں، اللہ کی کتابیں نیکی کی طرف بلاتی ہیں اور پھر نبی آخرالزمان ﷺ کی بعثت کے بعد اتنا واضح پیغام پہنچا دیا گیا کہ کسی نئی نبوت کی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ اب جب تک دنیا قائم ہے تب تک نبوت آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کی ہے اور تب تک اللہ کی کتاب محفوظ ہے۔

ہدایت کے راستے واضح ہیں، کھلے ہیں اور جسے اللہ توفیق دے وہ ہدایت اختیار کر سکتا ہے۔ ساتھ ہی شیطان اور بدی کی طاقتیں بھی ہیں جو انسان کو بُرائی کی طرف بلاتی ہیں۔ انسان کا اپنا نفس بھی ہے، اُسے عارضی اور فوری لذت نظر آتی ہے تو اُس کا اسیر ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لذت نیکی میں ہے وہ بُرائی میں ہے ہی نہیں لیکن نیکی کے لئے دو شرطیں بڑی ضروری ہیں۔ ایک تو نیکی رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ہو، کسی کی گھڑی ہوئی نہ ہو۔ عمل وہ ہو جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہو، اُسے کرنے کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ پورے خلوص سے اور اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے۔ نیکی میں بھی نیت، ارادے اور خلوص کی وجہ سے فرق آجاتا ہے۔ جو شخص لمبی لمبی نمازیں پڑھے لیکن اس لئے نہیں کہ اللہ اُس کے سجدے اور اُس کا قیام قبول فرمائے، اس پر راضی ہو اور اس کے گناہ معاف فرما دے بلکہ اُس کا ارادہ یہ ہو کہ لوگ مجھے پارسا مانیں تو قلبی کیفیت کے بدل جانے سے اُس کا اثر بدل جائے گا۔ بظاہر جو دیکھے گا وہ تو یہی سمجھے گا کہ نیکی کر رہا ہے لیکن اللہ تو دلوں کے حال جانتا ہے۔ وہ نیکی نہیں ہوگی بلکہ ریا کاری ہوگی جو بہت بڑا جرم ہے کہ یہ نیکی اللہ کی اطاعت رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کے لئے نہیں، اپنی بڑائی کے لئے ہے۔ تو اگر اللہ توفیق دے، ایمان اور عقیدہ بھی وہ ہو جو نبی کریم ﷺ نے بتایا اور عمل بھی خلوص دل سے حضور ﷺ کی اتباع میں کرے تو اُس کے لئے نہ موت کا ڈر رہتا ہے، نہ آخرت کا ڈر بلکہ آخرت کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ دنیا میں وہ وقت اس لئے گزارتا ہے کہ اُسے پتہ ہے کہ ایک معین وقت تک کے لئے اللہ نے مجھے دنیا میں رکھنا ہے لیکن وہ آخرت سے ڈرتا نہیں بلکہ آخرت کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے، موت کا انتظار کرتا ہے کہ کب ان جھمیلوں سے جان چھوٹے اور میں اللہ کی بارگاہ میں سُرخرو ہو کر حاضر ہوں۔

یہ ایک فطری اور طبعی چیز ہے مگر اس کے لئے ہے جسے یہ یقین ہو جائے کہ اگلی دنیا کی تیاری کے لئے اللہ نے مجھے توفیق دی ہے، الحمد للہ! میرا سرمایہ اگلی دنیا میں جمع ہے۔ موت سے وہ ڈرتا نہیں کہ موت ہی وہ راستہ ہے جس سے گزر کر اسے آگے جانا ہے۔ آگے میرا اپنا گھر ہے، مجھے گھر میں جانا ہے۔ اس کے برعکس اگر کردار درست نہ ہو، رات دن گناہ میں غرق ہو اور پھر ایمان بھی نہ ہو تو کافر کبھی موت کی تمنا نہیں کر سکتا، اس لئے کہ اُس کے لاشعور میں، اُس کے دل کی گہرائی میں یہ بات ثبت ہو جاتی ہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں، اپنے لئے بگاڑ پیدا کر رہا ہوں۔

اسی اصول کے تحت یہاں فرمایا: میرے حبیب ﷺ ان سے کہیے جب یہود یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ

جنت تو صرف ہماری ہے کوئی غیر یہودی جنت میں نہیں جائے گا تو آپ ﷺ ان سے فرما دیجئے کہ ذرا موت کی تمنا تو کرو۔ جب تمہیں جانا ہی جنت میں ہے تو کیا مشکل ہے اور ساتھ ہی فرما دیا کہ موت کی تمنا یہ کبھی نہیں کریں گے۔ اور آپ اندازہ کیجئے کہ یہود تو حضور اکرم ﷺ کی صداقت کا انکار کیے بیٹھے تھے اور آپ ﷺ کو معاذ اللہ غلط ثابت کرنا چاہتے تھے، یہ موقع تھا کہ ہاتھ اُٹھا کے دعا کر لیتے تا کہ ان کے متعلق قرآن کے اس دعویٰ کی تکذیب ہو جاتی۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ اُنہیں یہ یقین تھا کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے نبی اور رسول ہیں اور اگر ہم دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائیں گے تو واقعی ہمیں موت آ جائے گی۔ اس لئے کسی نے دعا نہیں کی اور فرمایا اس لئے نہیں کریں گے کہ یہ اپنے کرتوتوں سے واقف ہیں۔

مومن کی دنیا بھی دین ہے:

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ انہیں اپنے کرتوتوں کی خبر ہے جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا ہے اُس سے ڈرتے ہیں۔ اللہ کریم معاف فرمائے ہم جو ڈرتے ہیں تو یہ وجہ نہیں کہ موت سے ڈرتے ہیں۔ سب کو یقینی طور پر پتہ ہے کہ موت نے آنا ہے، ہم ڈرتے ہیں اپنی خطاؤں سے، اپنے گناہوں سے، عدم تیاری سے۔ اگر کسی کے پاس ایک دن کا خرچ بھی نہیں اور آپ اُسے کسی دوسرے ملک میں جا کر چھوڑ آئیں تو وہ ڈرے گا تو سہی، نہ اُس کی وہاں واقفیت، نہ اُس کے پاس سرمایہ، نہ اُس کا وہاں کوئی ٹھکانہ۔ تو آخرت کو جب ہم نے اس طرح چھوڑ رکھا ہے تو ہمیں ڈر تو لگے گا۔ لیکن اللہ کے وہ بندے جو رات دن دنیا کا کام بھی آخرت کے لئے کرتے ہیں، ان کے متعلق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ مومن کی دنیا بھی دین ہے، عبادت ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا: مومن رزق حلال کماتا ہے، یہ بھی عبادت ہے۔ وہ اپنے بچوں کو رزق کھلاتا ہے تو عبادت ہے، صدقہ شمار ہوتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! بچوں کا نان نفقہ تو اُس پر واجب ہے اُس کے ذمے ہے۔ اگر یہ بچوں کو کھلائے گا تو یہ کون سا صدقہ یا کون سا ثواب کا کام ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کام اللہ کی طرف سے کسی کے ذمے ہے اُسے پورا کرنا ہی عبادت ہے۔ جو ذمہ داری اللہ کریم کسی کو دیتا ہے، اُسے اسی غرض سے پورا کرنا کہ اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ نے میری ذمہ داری لگائی ہے، میں پورا کروں، تو یہی عبادت ہے۔ مومن کی دنیا بھی دین بن جاتی ہے، جب وہ دنیا کا ہر کام اللہ کی رضا اور اللہ کے حبیب ﷺ کی غلامی اور اطاعت میں کرتا ہے۔ بحیثیت انسان اُس سے غلطی بھی ہو جاتی ہے لیکن اُس کے لئے اللہ کی رحمت کافی ہے، وہ

معاف فرما دیتا ہے بلکہ اگر کوئی غلطیاں کرنے کے بعد توبہ کرے تو وہ فرماتا ہے یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ اللہ کریم فرماتے ہیں' میں اُن کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہوں۔ وہ ایسا کریم ہے کہ غلطیوں پہ بھی ثواب دے دیتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اُس کے دامانِ رحمت سے وابستہ رہا جائے۔ غلطی ہو تو توبہ کی جائے، اللہ سے مغفرت طلب کی جائے، پھر نہ موت کا ڈر رہتا ہے اور نہ آخرت میں بندہ ڈرتا ہے لیکن جو لوگ آگے بُرائی بھیجتے ہیں، فرمایا ان کے پاس تو ایمان ہی نہیں ہے۔ ان کا کردار بھی نہیں ہے اس لئے یہ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے۔

یہ مت بھولیں کہ دنیا میں زیادہ عرصہ رہیں گے تو شاید اعمال مٹ جائیں گے۔ ایسی بات نہیں۔ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ﴿۹۵﴾ اللہ کریم ظالموں کے ہر طور طریقے سے واقف ہے۔ اُسے ان کے کردار کا بھی پتہ ہے، ان کے ارادوں کا بھی پتہ ہے اور ان کی آخرت بھی اُس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وَلَتَجِدَنَّہُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوۃٍ ان کو تو آپ دوسرے لوگوں کی نسبت سب سے زیادہ دنیوی زندگی پہ حریص پائیں گے۔ یہ تو چاہیں گے کہ موت کبھی نہ آئے لیکن ایسے بے وقوف ہیں کہ یہ بات نہیں سمجھتے کہ موت سے فرار ممکن نہیں۔

بشرط ایمان وعمل طوالتِ عمر بلندیٔ درجات کا ذریعہ ہے:

وَمَا ھُوَ بِمُزَحْزِحِہٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ اگر انہیں لمبی زندگی مل بھی گئی تو اللہ کے عذاب سے چھڑا تو نہیں سکے گی۔ ایک کافر بھی ہے اور بدکار بھی تو جتنا زیادہ جیئے گا اتنی ہی برائی کرتا چلا جائے گا اور اس کی سزائیں بڑھتی چلی جائیں گی، چہ جائیکہ زیادہ عرصہ جینے سے انہیں کوئی فائدہ ہو۔ لمبی عمر کا فائدہ اسی کو ہو گا جسے ایمان اور توفیقِ عمل نصیب ہو گی۔

مدینہ منورہ میں دو لوگ ایسے تھے جو ایمان لانے کے بعد حضور ﷺ کے پاس اکٹھے رہتے تھے۔ اپنے قبیلے اپنے خاندان سے الگ ہو کر آ گئے۔ اُن میں سے ایک بیمار ہوا اور فوت ہو گیا۔ کچھ عرصہ گزرا تو دوسرا بھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ دونوں مومن تھے، دونوں آپ ﷺ کے غلام تھے، اطاعت گزار تھے دونوں کا ایمان اور عمل درست تھا لیکن ان میں سے فضلیت کس کو ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو بعد میں فوت ہوا۔ ظاہر ہے کہ وہ جتنا عرصہ زندہ

رہا، مزید نمازیں ادا کرتا رہا، اطاعت الٰہی کرتا رہا، مزید نیکیاں کرتا رہا تو درجہ اُسی کا بلند ہوگا جس کے اعمال زیادہ ہیں۔ جو فوت ہو گیا تو اُس کا عمل ختم ہو گیا لیکن جو بعد میں زندہ رہا اُسے توفیق عمل نصیب رہی اور اُس نے عبادت بھی کی، عمل بھی کیا۔ جس کا ایمان بھی درست ہو اور توفیق عمل بھی ہو اُس کے لئے تو زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے کہ ہر لمحے اللہ کو یاد کرتا ہے، ہر لمحے درود شریف پڑھتا ہے، کسی لمحے رزقِ حلال کی تلاش میں محنت اور مزدوری کرتا ہے، تو یہ ساری عبادت ہے۔ کسی لمحے بچوں کی پرورش کی فکر میں ہے۔ کسی لمحے بچوں کی حفاظت کی فکر میں ہے، کسی لمحے نوع انسانی کی بھلائی کی فکر میں ہے، دوسروں کے کام آنے کی فکر میں ہے۔ اگر یہ فکر نصیب ہے تو پھر زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اور اُس کے لئے ترقی درجات کا سبب ہے۔ لیکن جسے ایمان بھی نصیب نہیں اور کردار بھی بُرا ہے فرمایا: یہ ہزاروں سال بھی جئیں گے تو ان کے لئے مصیبتیں بڑھتی ہی چلی جائیں گی، عذاب میں کمی نہیں ہوگی اور پھر اللہ خود دیکھ رہا ہے۔

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ۝٩٦ جو کچھ یہ کرتے ہیں اُسے اللہ کریم دیکھ رہا ہے۔ قرآن حکیم میں تیس پارے ہیں، ساڑھے چھ ہزار سے زیادہ آیات مبارکہ ہیں لیکن قرآن کی ہر آیت پوری پوری ہدایت ہے۔ اگر صرف ایک آیت نازل ہو جاتی اور کچھ بھی نہ ہوتا تو انسانی ہدایت کے لئے کافی تھا۔ ہر آیت کا یہ مقام ہے کہ پوری زندگی کا نصاب اُس میں ہے۔ اب اسی ایک آیت کو دیکھ لیجئے۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ۝٩٦ جو کچھ بھی لوگ کرتے ہیں اللہ کریم خود اُسے دیکھ رہا ہے۔ اب اس آیت پہ ایمان ہو، یقین ہو، تو بندہ جھوٹ بولے گا! چوری کرے گا! قتل کرے گا! بُرائی کرے گا؟

گناہ کا ہر کام ہم چھپ کر کرتے ہیں لیکن جب یہ ایمان ہو کہ میرا اللہ میرے پاس ہے اور وہ دیکھ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ سے کیسے چھپے گا؟ کوئی مال میں آمیزش کرتا ہے، اصل کے ساتھ نقل ملا کر بیچتا ہے۔ کوئی بھی سڑک پر بیٹھ کر اُس میں آمیزش نہیں کرتا کہ اچھا یا بُرا مال ملا رہا ہو۔ چھپ کے کرتا ہے، کوئی غلط کام، جو بھی کرنا چاہتا ہے، وہ بھی چھپ کے کرتا ہے لیکن اگر اس آیت کریمہ پہ اُسے اللہ یقین دے دے کہ میں جہاں بھی ہوں، جو بھی کر رہا ہوں، میرا اللہ دیکھ رہا ہے تو پھر گناہ کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ پھر غلطی سے ہو جائے تو اُسی وقت چیخ اُٹھتا ہے کہ میں نے کتنا بڑا ظلم کیا! میں نے تو اللہ کے روبرو اس کی نافرمانی کی!

سورۃ البقرہ رکوع 12 آیات 97 تا 103

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ
وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ
اِلَيْكَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿٩٩﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا
نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ
كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا
الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ
كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ
هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا
تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ
بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا
يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۗ
وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا
وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٣﴾

آپ کہہ دیجئے کہ جو کوئی جبرائیل (علیہ السلام) سے دشمنی رکھے تو یقیناً اس جبرائیل (علیہ السلام) نے آپ کے قلب (اطہر) پر اللہ کے حکم سے اس (قرآن) کو پہنچایا جو تصدیق کرتا ہے اپنے سے پہلی (کتابوں) کی اور راہنمائی کرتا ہے اور ایمان والوں کو خوشخبری دیتا ہے ﴿۹۷﴾ جس کسی نے دشمنی کی اللہ سے اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں سے اور جبرائیل اور میکائیل (علیہما السلام) سے تو یقیناً اللہ (ایسے) کافروں کا دشمن ہے ﴿۹۸﴾ اور یقیناً ہم نے آپ پر واضح دلائل نازل فرمائے اور ان کا انکار صرف بدکار ہی کرتے ہیں ﴿۹۹﴾ کیا ایسا نہیں ہوتا رہا کہ جب کبھی انہوں نے کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک طبقے نے اس کو توڑ دیا بلکہ ان میں سے اکثر تو (اس عہد پر) یقین ہی نہیں رکھتے ﴿۱۰۰﴾ اور جب کبھی اللہ کی طرف سے ان کے پاس کوئی رسول آیا (حالانکہ وہ) جو ان کے پاس (کتاب) ہے اس کی تصدیق کرتا تھا تو ان اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے ان کا انکار کر دیا اللہ کی کتاب کو بھی قابلِ اعتناء نہ سمجھا (پیٹھ پیچھے کر دیا) جیسا کہ وہ جانتے ہی نہ ہوں ﴿۱۰۱﴾ اور انہوں نے ایسی چیز کا اتباع کیا جو سلیمان (علیہ السلام) کے زمانے میں شیاطین (جن اور انسان) پڑھا کرتے تھے اور سلیمان (علیہ السلام) نے کفر نہیں کیا مگر ہاں شیاطین کفر کیا کرتے تھے لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے تھے اور جو کچھ بابل (شہر) میں ہاروت اور ماروت (دو فرشتوں) پہ نازل کیا گیا اور وہ بھی جب تک کہہ نہ دیتے کہ ہمارا وجود بھی ایک امتحان ہے سو کفر میں نہ جا پڑنا سو وہ کسی کو نہیں سکھاتے تھے تو یہ ان سے (ایسا سحر) سیکھنا چاہتے تھے جس سے میاں اور اس کی بیوی میں جدائی ڈال دیں مگر یہ (جادوگر) اس سے اللہ کے حکم کے علاوہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور ایسی چیز (سحر) سیکھتے جو ان کو نقصان تو پہنچائے اور انہیں نفع نہ دے۔ اور یہ بھی جانتے تھے کہ جس نے اس چیز کو اختیار کیا اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہے اور وہ بہت برا ہے جس کے پیچھے انہوں نے اپنی جان لگا دی کاش یہ جانتے ہوتے ﴿۱۰۲﴾ اور اگر

یہ ایمان لاتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو اللہ کے ہاں اس کا معاوضہ بہتر
تھا کاش ان کو اتنی عقل ہوتی ﴿۱۰۳﴾

خلاصہ تفسیر ومعارف

یہود کی یہ منطق بھی نرالی تھی کہ اگر کوئی اور فرشتہ وحی لاتا تو ہم مان لیتے لیکن جبرائیل امین علیہ السلام نے تو بار ہا ہماری بستیوں کو غرق کیا اور ہم پر عذاب لائے لہٰذا ایسی وحی جو جبرائیل امین علیہ السلام لاتے ہیں اُسے ہم نہیں مانیں گے، اس کے جواب میں اللہ کریم نے فرمایا: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ انہیں کہیے، جس کو جبرائیل امین علیہ السلام سے دشمنی ہے وہ یہ بات اچھی طرح سن لے! فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ جبرائیل امین علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اللہ کا سچا قرآن، آپ ﷺ کے قلب اطہر پہ اُتارا۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ اُس سے پہلے جو اللہ کے وعدے یا جو اللہ کا کلام تھا یہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں صحیح رہنمائی کرتا ہے۔ وَهُدًى وَّبُشْرٰى اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری سناتا ہے۔ یعنی جبرائیل امین علیہ السلام نے قصور کیا کیا؟ کہ جو کام بھی کیا ہے اللہ کے حکم سے کیا ہے۔ اگر تمہاری بستی کی طرف تباہی لانے کا سبب بنے تو اُس میں قصوروار جبرائیل امین علیہ السلام نہیں تھے' تم لوگ خود تھے۔ تم نے بُرائیاں کیں اور اللہ نے اُنہیں حکم دیا تو اُنہوں نے تمہیں سزا دی۔ وہ سزا تو اللہ کی طرف سے تھی اور وہی جبرائیل امین علیہ السلام ہیں جو بعثت آقائے نامدار ﷺ سے قبل نورِ ہدایت لائے، تمام ایمان لانے والوں کے لئے خوشخبری لا رہے ہیں۔

قرآن کی تین صفات ہیں جو حق پہلے نازل ہوا اُس کی تائید فرماتا ہے۔ زندگی کے ہر کام میں صحیح رہنمائی فرماتا ہے، وَهُدًى کا معنی ہوتا ہے کسی بھی کام کو کرنے کا صحیح طریقہ، قرآن کی دوسری بڑی صفت یہ ہے کہ یہ وَهُدًى ہے، یہ زندگی کے ہر کام کو صحیح طریقے سے انجام دینے کا طریقہ بتاتا ہے۔ تیسری صفت یہ ہے کہ ایمان والوں کے لئے خوشخبری ہے، انہیں بشارت دیتا ہے کہ یہ زندگی تو ایک عارضی شے ہے، تمہیں تو اللہ کے حضور جانا ہے۔ وہاں تمہارے لئے بے شمار نعمتیں ہیں، قربِ الٰہی ہے، وصالِ محمدی ﷺ ہے۔

مہبطِ وحی:

نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ آپ ﷺ کے قلب اطہر پہ نازل فرمایا، اس کا مطلب ہے کہ مہبطِ وحی قلب

ہے۔ انسان کے وجود میں دماغ ہے جو سب سمجھتا ہے، محسوس کرتا ہے، فیصلے کرتا ہے۔ جو فیصلہ دماغ کرتا ہے اعضاء و جوارح ہاتھ پاؤں اُس پہ عمل کرتے ہیں لیکن یاد رہے! دماغ کو فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ دماغ جو کچھ سمجھتا ہے، قلب پر پیش کرتا ہے لیکن فیصلہ قلب ہی کرتا ہے۔ دماغ کو قلب کے بعض فیصلوں سے اختلاف بھی ہوتا ہے۔ بعض اوقات چوری کرنے والے کو اُس کا اپنا دماغ بھی کہتا ہے کہ تو برائی کر رہا ہے لیکن اُس کا دل کہتا ہے کہ کرو اور وہ کرتا ہے۔ جوا کھیلنے والے کو بھی اس کا دماغ سمجھاتا ہے، اُسے بھی سوچ آتی ہے، کہ میں کیوں پیسے برباد کروں لیکن اُس کا دل چاہتا ہے تو وہ کرتا ہے۔ گویا اصل حکمران دل ہے۔ دل ایک گوشت کا لوتھڑا ہے، پمپنگ مشین ہے جو سارے جسم میں خون پہنچاتا ہے لیکن اس کے اندر اللہ نے عالم امر کا ایک لطیفۂ ربانی رکھ دیا ہے جو حقیقی قلب ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اذا صلحت صلح الجسد کلہ اگر وہ ٹھیک ہو جائے تو سارا بدن ٹھیک ہو جاتا ہے اذا فسدت اور اگر اُس میں فساد پیدا ہو جائے فسد الجسدُ کُلہ تو سارے وجود میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔

تو دماغ عالی جو تھا نبی کریم ﷺ کا، وہ بھی مخلوق میں یکتا تھا۔ نبی کریم ﷺ کا وجودِ اطہر، ذاتِ اطہر ﷺ، ایک ایک چیز کائنات میں افضل ترین، آپ ﷺ کی نظر، آپ ﷺ کا نطق، آپ ﷺ کی زبان، آپ ﷺ کی بات، آپ ﷺ کا لباس، ہر ہر ادا میں آپ ﷺ کی مثال نہیں۔ اسی طرح دماغ عالی ﷺ بھی بے مثال تھا اور قلبِ اطہر ﷺ بھی جو لطیفۂ ربانی ہے، مہبطِ وحی ہے، وہ مقام ہے جس پر اللہ کا کلام نازل ہوا، اللہ کی وحی نازل ہوئی۔

ذکرِ خفی:

اسی لئے قرآن حکیم نے ذکرِ خفی قلبی پہ سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ (آل عمران: 191) وہ لوگ جو کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ہر حال میں ذکر قلب ہی کر سکتا ہے۔ سو جائیں گے تو زبان رُک جائے گی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نورِ ایمان اور تجلیات ایمانی کی خصوصیت قرآن حکیم ان الفاظ میں بتاتا ہے: ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ (الزمر: 23) کھال سے لیکر نہاں خانہ دل تک اُن کے بدن کا ہر ہر ذرہ ذاکر ہو گیا۔ جب قلب ذاکر ہوتا ہے تو وجود کے گوشے گوشے، کونے کونے میں اللہ کا نور پہنچا دیتا ہے۔ سارا خون واپس دل میں آتا ہے۔ دل میں آ کر، صاف ہو کر دوبارہ سارے بدن میں جاتا ہے، جلد تک، انگلیوں

کے پوروں تک، وہ انگ انگ میں، نس نس میں پہنچ جاتا ہے۔ اسی لئے اصل حاکم دل ہے اور مہبطِ وحی الٰہی بھی دل ہے، نزولِ وحی کا مقام قلبِ اطہر ﷺ ہے۔

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ جبرائیل امین علیہ السلام نے تو قرآن آپ ﷺ کے قلب اطہر پر اللہ کے حکم سے نازل کیا، جو تصدیق کرتا ہے پہلی کتابوں کی، رہنمائی کرتا ہے زندگی کے ہر کام میں اور صحیح رہنمائی کرتا ہے۔ وَبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾ اور ایمان والوں کو خوشخبری سناتا ہے۔

حزب اللہ اور حزب الشیطان:

کائنات میں مخلوقِ مکلف کی دو ہی پارٹیاں، دو ہی جماعتیں، دو ہی گروہ ہیں۔ ایک جماعت ہے اللہ کی، حزبُ اللہ! اللہ کے سارے فرشتے، سارے انبیاء و رُسل اُسی جماعت میں ہیں، اللہ کے ایماندار بندے اور اللہ کو ماننے والے، اللہ کی اطاعت کرنے والے، سارے لوگ درجہ بدرجہ اُسی ایک جماعت میں ہیں۔ دوسری ہے حزبُ الشیطان، شیطان کی پارٹی، شیطان کا گروہ، شیطان کی جماعت! اُس میں شیاطین، شیاطین کے پیروکار، اللہ کی عظمت کا انکار کرنے والے، اُس کی ذات اور صفات کے منکر، انبیاء علیہم السلام کے منکر، اللہ کی کتابوں کے منکر اور ہر وہ شخص جو کسی وجہ سے بھی کافر ہوا، وہ حزب الشیطان میں شامل ہے۔ کفر کی کوئی ایک وجہ تو نہیں ہے، کوئی اللہ کی ذات میں شرک کرتا ہے، کافر ہو گیا، کوئی سرے سے اللہ کو مانتا ہی نہیں، کافر ہو گیا۔ کوئی اللہ کی کتاب کا انکار کرتا ہے، کافر ہو گیا۔ کوئی اللہ کے نبی ﷺ کا انکار کرتا ہے، اللہ کی شان میں یا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں کفریہ کلمات بکتا ہے۔ بے شمار وجوہات ہیں جن سے کافر بن جاتا ہے۔ فرمایا: جب کفر میں چلا جاتا ہے تو ایک جماعت میں چلا جاتا ہے اور سارے کفار ایک ہی جماعت ہیں الکفر ملة واحدة۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ کفر ایک ملت ہے، ایک قوم ہے۔ کافر مشرق کا ہو یا مغرب کا، کافر شمال کا ہو یا جنوب کا، گورا ہو یا کالا، سب کافروں کی سوچ ایک سی ہے۔ ایک ملت ہیں اور اپنی جمعیت کو قائم رکھنے اور اپنے آپ کو غالب رکھنے کے لئے سب مل کر کوشش کرتے ہیں۔ اللہ کی جماعت، ایک جماعت ہے۔ اب اُس میں سے کوئی کہتا ہے کہ فلاں فرشتے سے ہماری دشمنی ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ ایک فرشتے سے نہیں، اس پوری جماعت سے دشمنی ہے بلکہ خود اللہ سے دشمنی ہے۔

ایک اصول ہے، ہم نبی کریم ﷺ کی اُمت ہیں الحمد للہ! ہم پر اللہ کریم کا یہ احسان ہے لیکن تمام انبیاء کو نبی ماننے کے مکلف ہیں۔ ہم کسی نبیؑ کی نبوت کا انکار نہیں کر سکتے اور کوئی کرے گا تو جماعت سے خارج ہو جائے گا۔ اسی طرح جن حقائق کا ماننا شریعت نے لازمی قرار دیا، اُن سب کو ماننا پڑے گا۔ اُن میں سے کسی

ایک کا انکار بھی اُس جماعت سے خارج کر دے گا۔ دوسری جماعت شیطان کی ہے تو ارشاد فرمایا: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ جو جبرائیل علیہ السلام کا دشمن ہے اسلام کا دشمن ہے۔ اب جو بندہ یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کو بھی مانتا ہوں، پہلے انبیاء اور اپنی کتاب کو بھی مانتا ہوں حضور نبی کریم ﷺ کو بھی مان لیتا ہوں لیکن ہماری جبرائیل امین علیہ السلام سے نہیں بنتی۔ جبرائیل امین علیہ السلام جو وحی لائے ہیں ہم اسے نہیں مانتے۔ جبرائیل امین علیہ السلام تو اللہ کے حکم کے تحت اللہ کا کلام حضور ﷺ کے قلب اطہر پہ لائے اور وہ کلام ایسا ہے جس نے پہلے کلام کی اور پہلے نبیوں کی بھی تصدیق کی، جو ساری انسانیت کے لئے ہدایت اور بشارت دیتا ہے۔

ایمان والوں سے ارشاد فرمایا: مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ جو اللہ سے دشمنی کرتا ہے وَمَلَائِكَتِهِ اور اُس کے فرشتوں سے دشمنی کرتا ہے، وَرُسُلِهِ اور اس کے رسولوں سے دشمنی کرتا ہے۔ اب یہ ضروری نہیں ان سب کے ساتھ دشمنی ہو۔ جبرائیل امین علیہ السلام سے دشمنی کرتا ہے یا میکائیل علیہ السلام سے دشمنی کرتا ہے تو فرمایا: فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ ﴿٩٨﴾ اللہ یقیناً کافروں کا دشمن ہے اللہ کی دشمنی سے کیا ہوتا ہے؟ کیا وہ کافر کی روزی بند کر دیتا ہے؟ کیا وہ کافر کی صحت خراب کر دیتا ہے؟ کافر کا مکان گرا دیتا ہے؟ نہیں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔

دنیا ایک امتحان گاہ ہے:

دنیا ایک امتحان گاہ ہے اور اس میں آنے جانے کا وقت معین ہے، صحت و بیماری کا وقت معین ہے، مفلسی اور امیری غریبی کا وقت معین ہے، حالات متعین ہیں۔ اُس کے اپنے فیصلے ہیں اور وہ مختلف حالات سے مختلف بندوں کو گزارتا ہے۔ فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ○ (الفجر:15) کسی کی آزمائش اس طرح کرتا ہے کہ اُس پر اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے، اُسے دولت مند بنا دیتا ہے، اُسے دنیا میں معزز کر دیتا ہے اور دیکھتا ہے کہ یہ امیر ہو کر، دولت مند ہو کر، صاحب اقتدار ہو کر کیا کرتا ہے۔

وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ○ (الفجر:16) اور کسی کو اس طرح آزماتا ہے کہ اُس پر رزق کی تنگی بھیج دیتا ہے، مفلس کر دیتا ہے، کاروبار میں نقصان ہو جاتا ہے، صحت خراب ہو جاتی ہے، مکان گر جاتا ہے، مصیبتیں آ جاتی ہیں لیکن مصیبتوں میں بھی وہ یہ دیکھتا ہے کہ بندہ میری ذات سے وابستہ رہتا ہے یا نہیں، مجھ پہ بھروسہ کرتا ہے یا نہیں، مصیبت میں بھی مجھے پکارتا ہے یا نہیں؟

اللہ کی دشمنی توبہ کی توفیق سلب کر دیتی ہے:

فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ اس دشمنی سے اس کا کیا بگڑتا ہے؟ سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اللہ جس سے دشمنی کر لیتا ہے اُسے اپنے کرم سے دور کرتا جاتا ہے۔ لمحہ بہ لمحہ، ساعت بہ ساعت وہ کفر کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے، گناہوں میں غرق ہوتا چلا جاتا ہے، اللہ کی مغفرت اور اس کے کرم سے دور ہوتا چلا جاتا ہے' محروم ہوتا چلا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُسی گمراہی میں موت کا شکار ہو کر اپنی ابدی زندگی تباہ کر کے آگے چلا جاتا ہے۔ اللہ کی دشمنی سے مراد یہ نہیں ہے کہ اللہ کریم لاٹھی لے کر اس کا سر پھوڑ دیں گے یا اللہ اس کا مکان گرادیں گے۔ یہ ساری چیزیں، حادثاتِ دنیا تو اس نظام کا حصہ ہیں۔ اس میں سے نیک بھی گزرتے ہیں، بدکار بھی گزرتے ہیں، انبیاءؑ و رسلؑ بھی گزرتے ہیں۔ اللہ کے کتنے مقرب بندے، اللہ کے کتنے پیارے انبیاء علیہم السلام ظلماً شہید کیے گئے، کتنوں کو گھروں سے نکالا گیا اور کتنی قوموں پر بوجہ ان کے کفر عذاب الٰہی نازل ہوا۔ ہماری دشمنی تو یہ ہے کہ ہم کسی کا نقصان کرنے کو دوڑتے ہیں لیکن اللہ تو سب کا مالک ہے اور اُسے پتہ ہے سب نے لوٹ کر میری بارگاہ میں آنا ہے۔ لہٰذا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ جب واپس اللہ کے حضور جائے تو غضب الٰہی کا مستحق ہو اور رحمت کی کوئی کرن اُس پر متوجہ نہ ہو۔ اللہ کی دشمنی یہ ہوتی ہے کہ وہ کافر تو پہلے ہی تھا لیکن مزید گناہوں میں مبتلا ہو کر اپنے کفر کی سیاہی کو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ اور جس پہ اللہ راضی ہو جاتا ہے اگر وہ کسی وجہ سے کفر میں غرق ہو تو بھی توبہ کی توفیق اور ایمان کی توفیق عطا کر دیتا ہے یعنی اللہ کی رضامندی اس بات میں ہے کہ نورِ ایمان عطا کر دے توفیق عمل عطا کر دے اور اللہ کی دشمنی یہ ہے کہ توفیق ایمان سلب کر لے، توفیق عمل سلب کر لے اور انسان مسلسل گناہوں میں دھنستا چلا جائے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں:

قرآن حکیم کا عطا کردہ نظامِ حیات ایک معجزہ ہے:

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ ہم نے آپ ﷺ پر واضح دلائل کے ساتھ نشانیاں نازل فرمائیں۔ آپ ﷺ پر جو کلام مجید نازل ہوا، اُس کی ایک ایک آیت ایک معجزہ ہے۔ یہ کلام جن حقائق پہ بات کرتا ہے اُن میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کتاب نے ایک ایسا نظام حیات دیا جو روئے زمین پر بسنے والی ساری مخلوق کے لئے بیک وقت نہ صرف قابل عمل ہے بلکہ اُس کی بھلائی اور اُس کے منافع کا بھی ضامن ہے جو نزول قرآن سے پہلے ممکن نہ ہوا۔ نبی اکرم ﷺ سے پہلے بھی انبیاء و رسل مبعوث ہوئے لیکن وہ

اپنی اپنی اقوام کی طرف مبعوث ہوئے جن کا ایک خاص ماحول، مزاج، موسم، خوراک، لباس اور اپنی اپنی روایات تھیں۔ انہی کی اصلاح کے لئے وہ انبیاء مبعوث ہوئے، مخصوص علاقوں کے لئے ہوئے، مخصوص اوقات کے لئے ہوئے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت روئے زمین پر بسنے والی تمام مکلف مخلوق کے لئے، نوعِ انسانی کے لئے، قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے جو نصابِ زندگی دیا وہ بیک وقت روئے زمین کے ہر خطے میں قابلِ عمل بھی ہے اور مفید بھی۔ یہ خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔

فقہ کی تدوینِ نو:

ہمارے آج کے بعض دانشوروں کا یہ خیال ہے کہ قرآن حکیم سے جو احکام اخذ کیے گئے، جو احکام نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائے اور جو علماءِ حق نے فقہ مرتب کی وہ اُس زمانے کی بات تھی۔ وہ عہد اور تھا، اُس کی ضروریات مختلف تھیں اور وہ عہد بیت گیا' وہ زمانہ بیت گیا۔ اب نیا زمانہ ہے، نئے زمانے کے لئے نئی فقہ مرتب کی جانی چاہیے۔ بظاہر تو یہ ایک چھوٹی سی بات ہے' کیا فرق پڑتا ہے! قرآن و حدیث کی بات نہیں، بات تو فقہ کی ہے، فقہ تو احکام اور اوامر و نواہی کا نام ہے لیکن دراصل یہ بات چھوٹی نہیں ہے۔ پرانی فقہ، اللہ کی کتاب اور حدیث پاک سے مرتب کی گئی ہے۔ پہلے قرآن نازل ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے جو اس کا مفہوم فرمایا اور اس پر جس طرح عمل کیا، وہ حدیث پاک قرار پائی' سنت قرار پائی۔ قرآن و سنت ہی کے احکام کو یکجا کر کے فقہ ترتیب دی گئی۔

اب اگر آپ نئی فقہ مرتب کرنا چاہتے ہیں تو کہاں سے کریں گے؟ اللہ کی کتاب اور سنت نبوی ﷺ سے تلاش کریں گے تو وہی احکام ملیں گے جو فقہ میں ہیں، وہی پرانی فقہ، وہی احکام ملیں گے۔ تو کیا ارشاداتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو آپ پرانا کہیں گے! بات تو مختصر سی ہے کہ نئی فقہ مرتب ہونی چاہیے لیکن نئی فقہ کی ترتیب کے لئے نئی کتاب کی ضرورت پیش آئے گی، نئی نبوت کی ضرورت پیش آئے گی لیکن اسلام کا تو بنیادی عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت یوم بعثت سے لے کر قیامت تک کے لئے تمام انسانوں کے لئے یکساں ہے۔ آپ ﷺ کا اتباع سب کے لئے یکساں اہمیت رکھتا ہے۔ آپ ﷺ ہر عہد، ہر دور کیلئے نبی ہیں۔ ایک ہی کلمہ رہے گا، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ۔ اب اس میں یہ دانش لڑانا کہ نئے عہد کے لئے نئی فقہ ہو۔ نئے عہد میں کیا بات نئی ہے؟ کیا انسانوں نے انسانی غذا چھوڑ کر چارہ کھانا شروع کر دیا ہے؟ کیا نئے زمانے میں انسان روزی نہیں کماتے' بچے نہیں پالتے؟ کچھ بھی نہیں بدلا۔ وہی انسان

ہے، وہی اس کی ضروریات ہیں البتہ ضروریات کو پورا کرنے کے طریقے بدلے ہیں۔ انسان گھوڑے پر سفر کرتا تھا، فقہ میں احکام موجود ہیں۔ مسافر ہے، اُس کے پاس فرصت نہیں یا اسے ڈاکوؤں، چوروں کا ڈر ہے یا دشمنوں کا ڈر ہے، رات پڑ جانے کا اندیشہ ہے، وہ سواری پہ نماز پڑھ لے۔ اب یہ حکم صرف گھوڑے پر تو نہیں ہے، حکم تو سواری پر ہے۔ اس دور میں سواری بدل گئی۔ آج آپ کے پاس گاڑی ہے تو آپ گاڑی میں پڑھ سکتے ہیں' آپ بس میں ہیں تو بس میں پڑھ سکتے ہیں، ٹرین میں ہیں تو ٹرین میں پڑھ سکتے ہیں بلکہ اگر آپ جہاز میں ہیں، سمندری جہاز میں یا ہوائی جہاز میں، تو وہاں بھی پڑھ سکتے ہیں۔

ہوائی جہاز میں نماز کی ادائیگی:

یہ بات بہت عرصہ علماء کے درمیان رہی کہ ہوائی جہاز پہ نماز ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ سمندری جہاز کا بھی رابطہ زمین سے ہے، ریل کار، گاڑی، موٹر، جس چیز پہ بھی کوئی نماز ادا کرتا ہے، اُس کا رابطہ زمین سے ہے لیکن ہوائی جہاز کا رابطہ زمین سے نہیں ہوتا کیونکہ وہ ہوا میں معلق ہوتا ہے۔ اب فقہاء کی رائے ہے کہ چونکہ تحت الثریٰ سے لیکر عرش معلیٰ تک بیت اللہ ہی ہے اور اس کے انوارات عرش عظیم سے لے کر تحت الثریٰ تک جاتے ہیں لہٰذا اگر کوئی مجبوری ہے اور وہ ہوائی جہاز میں ہے تو بجائے قضا کرنے کے جہاز میں ہی بیت اللہ شریف کی طرف رخ کر کے اپنی نماز کی نیت کر لے۔ پھر سواری جدھر مڑتی ہے مڑتی جائے لیکن نیت کرتے وقت رُخ بیت اللہ کی طرف ہو اور اگر کوئی ایسی جگہ ہے رُخ کا پتہ نہیں چلتا تو اندازہ کر لے اور اُس پہ نیت کر لے۔

فَاَيۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ کسی طرف بھی رُخ ہو جائے تو اللہ موجود ہے۔ ہم بیت اللہ شریف کی طرف رُخ کرنے کے مکلف ہیں، کوشش کریں کہ رُخ قبلہ کی طرف ہو اور اگر غلط بھی ہو تو اللہ قبول فرمالے گا۔

اب اس حکم کو جدید کرنے کی ضرورت کیوں پیش آ رہی ہے؟ کیا بدلا ہے اس میں! نماز کے فرائض یا اوقات بدل گئے۔ آپ کیا جدید کریں گے؟ اوقات بدل دیں گے، تعداد بدل دیں گے، رکعتیں بدل دیں گے، کیا کریں گے؟ کچھ بھی تو نہیں بدلے گا۔ اسی طرح شریعت کا اعجاز یہی ہے کہ یہ وقت کے ساتھ پرانی نہیں ہوتی۔ احکام الٰہی اور سنت محمد رسول اللہ ﷺ کا کمال یہی ہے کہ یہ قیام قیامت تک سارے زمانوں کے لئے ہے۔ انسانوں کی ضروریات نہیں بدلتیں اور اسی نے ضروریات کی تکمیل کے اُصول بتائے ہیں، جائز و ناجائز کے اصول بتائے ہیں، وقت کے ساتھ ساتھ وسائل بدلے ہیں۔ اُس وقت اُونٹ، گھوڑا سفر کا وسیلہ تھا اب

گاڑی اور جہاز ہے۔ اُس وقت آپ شمع دان جلاتے تھے، اب بجلی جلا لیتے ہیں۔ ہاتھوں سے کپڑے سیتے تھے اب مشینوں سے سی لیتے ہیں، کارخانوں سے بناتے ہیں۔ کیا ستر عورت کے احکام بدل جائیں گے؟ بدن کا جو حصہ ڈھانپنا فرض ہے، وہ ڈھانپنا فرض ہی رہے گا؟ وہ حکم تو نہیں بدلے گا، وہ تو پرانا نہیں ہوا، نہ انسان پرانا ہوا، نہ وہ حکم پرانا ہوگا۔ لباس کی قسمیں اگر بدل گئیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ ہم نے آپ ﷺ پر روشن آیات، روشن دلیلیں اور واضح باتیں نازل فرمائی ہیں۔ اب اگر ان سے کوئی بھی انکار کرتا ہے، فرمایا: وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿٩٩﴾ تو اس سے انکار فاسق ہی کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی اصطلاح ہے، کتاب اللہ نے انکار کرنے والے کو فاسق کہا حالانکہ انکار کرنے والا تو کافر ہوتا ہے۔ فاسق گنہگار کو کہتے ہیں، نافرمان کو کہتے ہیں اور کافر انکار کرنے والے کو۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ فرمایا اس سے بدکار، نافرمان ہی انکار کرے گا اور وہ کافر ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکم عدولی رفتہ رفتہ کفر کی طرف لے جاتی ہے۔

گناہِ صغیرہ کا تسلسل بھی تباہی کا سبب بنتا ہے:

علمائے حق نے گناہوں کی اقسام بیان فرمائی ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے فلاں فلاں گناہِ کبیرہ ہے، فلاں فلاں گناہِ صغیرہ ہے۔ اپنے حجم کے اعتبار سے کوئی صغیرہ ہوسکتا ہے، کوئی نافرمانی کم بھی ہوسکتی ہے۔ لیکن ایک رُخ اس بات کا اور بھی ہے۔ اگر یہ دیکھا جائے کہ نافرمانی کس کی ہے، نافرمانی تو نافرمانی ہے، گناہ تو گناہ ہے، جرم تو جرم ہے اگر آپ کسی کشتی میں دس بیس من کا پتھر ڈال دیتے ہیں وہ اسے لے کے ڈوب جاتا ہے تو فرق یہ ہوگا کہ وہ جو آپ نے بہت بڑا پتھر ڈالا وہ اُسے فوراً لے ڈوبا۔ لیکن اگر آپ اس میں ایک ایک کنکر رکھتے جاتے ہیں تو ایک دن اُن کی مقدار بھی اتنی ہی بن جائے گی کہ وہ کشتی کو ڈبو دے گی۔ بظاہر اُس کنکر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ آپ چھوٹے چھوٹے کنکر اُس میں رکھتے رہتے ہیں، پانچ سات روز رکھ دیتے ہیں، تھوڑا سا وقت لگ جائے گا لیکن نتیجہ ایک ہی ہوگا۔ صغیرہ اور کبیرہ میں فرق یہ ہے کہ گناہِ کبیرہ فوراً کشتی ڈبونے کا سبب بنتا ہے جبکہ گناہِ صغیرہ کا تسلسل بھی غرق کرنے میں پیچھے نہیں رہتا۔

قرآنِ حکیم نے یہاں کفر کی وجہ نافرمانی کو اور عدم اطاعت کو قرار دیا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ بندہ جب غلطی کرتا ہے، گناہ کرتا ہے لیکن اُسے احساس ہو جائے اور وہ توبہ کرلے تو اللہ غفور الرحیم ہے لیکن توبہ نہ کرے اور مسلسل گناہ کرتا جائے تو ہر گناہ ایک ظلمت پیدا کرتا جاتا ہے۔ دل پر سیاہی بڑھتی جاتی ہے اور یہ عمل مسلسل

رہے تو نتیجہ کفر تک جا پہنچتا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ گناہ کرنے سے اوراد و وظائف، اذکار و معمولات میں کمی آجاتی ہے۔ بندہ توبہ نہ کرے تو نوافل چھوٹنے لگتے ہیں۔ اس پر بھی توبہ نہ کرے تو سنتوں سے محروم ہونے لگتا ہے۔ اس پر بھی توبہ نہ کرے، اُسے احساس نہ ہو تو فرائض سے بیگانہ ہو جاتا ہے، فرائض چھوٹ جاتے ہیں۔ اس پر بھی اسے احساس نہ ہو تو زندگی کے دوسرے کاموں میں بھی نافرمانیاں داخل ہونے لگتی ہیں، رزق سے حلال حرام کی پروا اُٹھ جاتی ہے، کام کرنے میں جائز و ناجائز کی تمیز اٹھ جاتی ہے غرض یہ کہ ہر گناہ ایک وزن ہے جو اس کی ٹانگ سے بندھ جاتا ہے اور اُسے غرق کرتا چلا جاتا ہے۔ اگر کسی لمحے بھی اللہ توفیق دے دے اور احساس پیدا ہو جائے، خلوصِ دل سے توبہ کر لے تو ایک توبہ ساری مصیبتوں کا واحد حل ہے۔

ارشاد عالی ہے: التائب من الذنب کمن لاذنب لهٗ او کما قال رسول اللہ ﷺ (ابن ماجہ) گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔ لیکن یاد رکھیں یہ احساس بھی اس کی عطا ہے۔ کوئی عمل اسے منظور ہو جائے، کوئی چھوٹی سی نیکی اسے پسند آجائے، کوئی جملہ ایسا منہ سے نکل جائے جو اس کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت پالے تو وہ توبہ کی توفیق ارزاں کر دیتا ہے۔ ہر آدمی کو اپنے آپ کو تلاش کرتے رہنا چاہئے کہ میں کہاں ہوں۔ کیا میں حصول رزق میں حلال و حرام کا فرق دیکھ رہا ہوں؟ کیا اللہ کی عبادات کی توفیق ہے اور سجدہ ریز ہو رہا ہوں؟ کیا بات کرنے میں حدودِ شرعی، سچ اور جھوٹ کا لحاظ رکھتا ہوں؟ اپنے آپ کو تلاش کرتے رہنا چاہیئے۔ ایک قول ہے:

من عرف نفسه فقد عرف ربه جس نے اپنے آپ کو تلاش کیا اس نے اپنے پروردگار کو تلاش کر لیا۔ جو بندہ اپنے آپ کو تلاش کر لے کہ میں کہاں ہوں اور میں کیا کر رہا ہوں، اور روزانہ اپنا محاسبہ کرتا رہے، اپنے آپ کو اصلاح پہ لے آئے تو اللہ کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہے۔ فرمایا: قرآن حکیم جو نازل ہوا اس میں کسی شک وشبہے کی گنجائش نہیں اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس کے لئے بڑا دانشور ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ یہ تو عام آدمی کے لئے ہے، ہر ایک کے لئے ہے، اس کی باتیں بڑی کھلی کھلی ہیں، ہر آدمی کے لئے ہیں، پڑھے ہوؤں کے لئے ہیں، ان پڑھوں کے لئے بھی یہی ہیں، دکانداروں کے لئے بھی یہی ہیں اور خریداروں کے لئے بھی یہی ہیں، حکمرانوں کے لئے بھی یہی ہیں اور رعیت کے لئے بھی یہی ہیں اور اس میں سب کے لئے بڑی واضح اور کھلی باتیں ہیں، ایسی نہیں جو کسی کی سمجھ میں نہ آئیں۔ پھر اس کا انکار کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا:

گناہوں کے سبب دلوں کی سیاہی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ نورِ ایمان نصیب نہیں ہوتا اور پھر کردار یہ ہو جاتا ہے ۔ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ جب بھی کوئی معاہدہ کرتے ہیں، اللہ سے وعدہ کرتے ہیں، اللہ کے نبیؐ سے وعدہ کرتے ہیں تو اُسے توڑ دیتے ہیں ۔ کلمے کی تکرار لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ کیا یہ وعدہ نہیں ہے! ہم جب بھی کلمہ پڑھتے ہیں تو کیا یہ ایک تجدید عہد نہیں ہے! ہم جب بھی اذان کہتے ہیں، اذان سنتے ہیں تو کیا یہ تجدید عہد نہیں ہے! مؤذن شروع ہی یہاں سے کرتا ہے، اللہ اکبر اور ختم کرتا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر ۔ بڑائی صرف اللہ کے لئے ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، درمیان میں ہے کہ آجاؤ اللہ کی اطاعت کی طرف ۔ اُس کی بڑائی پہ گواہی دیتا ہے، اُس کی وحدانیت پہ گواہی دیتا ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پہ گواہی دیتا ہے ۔ ہم سُن کر آمین کہتے ہیں، دعا پڑھتے ہیں یا کلمہ پڑھتے ہیں ۔ کیا یہ عہد نہیں ہے! یہ سارا کچھ کرنے کے بعد ہم عمل کتنا کرتے ہیں؟ یہی بات یہاں دہرائی جارہی ہے، فرمایا:

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ جب بھی کوئی وعدہ کرتے ہیں ان میں سے آدھے اُسی وقت وعدہ توڑ دیتے ہیں بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ یہ صرف وعدہ نہیں توڑتے بلکہ ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جن کا ایمان ہی نہیں ۔ دنیا داری کے لئے، دنیا کو نبھانے کے لئے وعدہ کر لیتے ہیں اور جب دنیا کی بات ختم ہو جاتی ہے تو دل میں نورِ ایمان تو ہوتا نہیں، دنیاوی فائدے کے لئے سب کچھ کرتے ہیں ۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ جب یہ یہود کہتے ہیں کہ ہم اپنی کتاب کو مانتے ہیں تو جب اللہ کا ایسا نبی آتا ہے جس کی تصدیق ان کی کتاب نے کی ہے تو انکار کیوں کرتے ہیں؟ یہ آپ ﷺ کو نہ مان کر اپنی کتاب کا بھی انکار کر رہے ہیں کہ اُس نے تو واضح طور پر آپ ﷺ کی بعثت عالی کی نوید اور خبر سنائی ۔ تو جب اللہ کا ایسا رسول مبعوث ہوا ہے ۔ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ اُن حقائق کی بھی تصدیق کرتا ہے جو پہلے ان کے پاس ہیں نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ تو وہ لوگ جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی اُن میں سے ایسی جماعتیں کھڑی ہو جاتی ہیں جو انکار کر دیتی ہیں ۔ فرمایا:

كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ اللہ کی کتاب کو اس طرح پس پشت ڈال دیتے ہیں جیسے وہ کچھ جانتے ہی نہیں ۔ اللہ کریم نے فاسقین کے بارے میں ارشاد فرمایا، گناہ اور نافرمانی کرنے والے جب گناہوں اور نافرمانی کی وجہ سے بڑھتے بڑھتے اس حد تک چلے جاتے ہیں کہ اللہ کی کتاب

کا بھی انکار کر بیٹھتے ہیں اور جس کو زبانی مانتے ہیں عملاً اسی کا انکار کر رہے ہوتے ہیں۔ اب یہ یہود اپنی کتاب کو تو مانتے تھے لیکن فرمایا، ان کا عمل یہ ہے کہ گویا کتابِ الٰہی کو انہوں نے پسِ پشت ڈال دیا اور اسی طرح پس پشت ڈالتے رہے كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ جیسے انہیں تو اس بات کی کوئی خبر ہی نہیں۔ جب نوبت یہاں تک پہنچتی ہے تو گمراہی اپنا رنگ دکھاتی ہے اور مزید گہری ہو جاتی ہے۔

جادو اور شیطانی عملیات:

شیطانوں نے لوگوں کو کفر سکھایا اور وہ کفر کیا تھا۔ يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ لوگوں کو جادو سکھایا۔ سلیمان علیہ السلام کی حکومت انسانوں، جانوروں، پرندوں، جنوں، ہواؤں اور بے شمار اشیاء پر تھی اور سارے اُن کے ارشادات کی تعمیل کرتے، اُن کی بات سمجھتے اور اپنی بات اُن کی بارگاہ میں عرض کرتے۔ شیطان نے لوگوں میں بھی ایک شوق پیدا کر دیا کہ سلیمان علیہ السلام کی طرح ہمارے پاس بھی کچھ کمالات ہونے چاہئیں۔ اس کے لئے شیطانوں نے جادو کے نام پر لوگوں کو کفریہ کلمات سکھائے۔ جادو کے پیچھے بھی شیاطین ہی ہوتے ہیں، جنہیں ''حاضرات'' کہتے ہیں کبھی ''مؤکل'' کہتے ہیں، کبھی اُن کا نام کوئی اور رکھ لیتے ہیں۔ جادوگر یہ سمجھتا ہے کہ یہ میرے تابع ہیں لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ ہوتا یہ ہے کہ جادوگر شیاطین کے تابع ہو جاتے ہیں۔ وہ شیاطین، جو کچھ اُن کے بس میں ہے، وہ بھی اس لئے کرتے ہیں کہ جو منتر وہ سکھاتے ہیں اُن میں کفر ہوتا ہے۔ جادو منتر وغیرہ میں بہت سی قدیم زبانوں کے ایسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جن کا خود جادوگر کو بھی مفہوم معلوم نہیں ہوتا لیکن وہ کفریہ الفاظ ہوتے ہیں۔

افسوس تو یہ ہے کہ یار لوگوں نے قرآن حکیم کو بھی معاف نہیں رکھا اور قرآن کی آیات جو ہدایت کا سبب تھیں، اور دلوں کے لئے بھی اور وجود کے لئے بھی شفا تھیں، انہیں بھی کافرانہ عمل کے ساتھ جادو کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ کسی آیت کو الٹا لکھیں گے کہ یہ جادو ہو جائے گا، فلاں سورت کو الٹا لکھیں، اُس کے اعداد نکال کر انہیں پیشاب سے لکھیں، مرغ ذبح کریں اور فلاں آیت کو اُس کے خون سے لکھیں۔ پیشاب سے لکھنا یا دم مسفوح سے لکھنا گستاخی ہے کہ وہ خون جو وقت ذبح نکلتا ہے حرام بھی ہے، ناپاک بھی ہے۔ نزول قرآن کے بعد جادوگروں نے قرآن حکیم کے ساتھ بھی وہی توہین آمیز سلوک کیا جو پہلی کتابوں کے ساتھ شیطانوں نے کیا تھا لیکن اللہ کریم فرماتے ہیں! وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ سلیمان علیہ السلام تو اللہ کے نبیؑ تھے، وہ تو کفر نہیں سکھا سکتے تھے، انہوں نے تو کفر کی تعلیم نہیں دی وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا شیطانوں نے کفریہ

کلمات سکھائے اور وہ کفریہ کلمات کیا تھے؟

یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۖ لوگوں کو انہوں نے جادو سکھایا۔ بُرائی کرتے کرتے انسان ایک ایسے درجے پہ پہنچ جاتا ہے کہ جب شیطان اُس سے ہم کلام ہوتے ہیں وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِھِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں باتیں ڈالتے رہتے ہیں، اُن سے باتیں کرتے ہیں، انہیں ترغیب دیتے ہیں اور کفر کا راستہ دکھاتے ہیں۔ جب یہ بات عام ہوئی اور شیطانوں نے لوگوں کو جادو سکھانا شروع کر دیا تو اُس عہد میں بابل شہر میں اللہ کریم نے دو فرشتے نازل فرمائے وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ بِبَابِلَ ھَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۖ ہاروت اور ماروت اللہ کے دو فرشتے تھے، انہیں نازل فرمادیا کہ وہ جادو کی تشریح لوگوں کو بتائیں۔

یہ بات بڑی عجیب لگتی ہے کہ جب اللہ کا نبی موجود ہے اور لوگوں کی ہدایت کا کام بھی کر رہا ہے تو پھر فرشتے کیوں مقرر فرمائے گئے۔ لوگ جب اُس جادو کے اسیر ہونے لگے اور لوگوں کو اُس کا بڑا شوق چڑھا اور گمراہ ہونے لگے تو اللہ نے اپنے کرم اور اپنی رحمت سے دو فرشتے اس لئے مامور فرمادیئے کہ نبیؑ کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ بُرائی کی تفصیلات بتائے۔ مثلاً نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جوا حرام ہے'' اب یہ بات تو ہوگئی لیکن اگر حضور اکرم ﷺ جوئے کے سارے طریقے بھی سمجھاتے کہ یہ تاش سے اس طرح کھیلا جاتا ہے، کوڑیوں سے اس طرح کھیلا جاتا ہے، فلاں کام کرنے سے ہار جاتا ہے یا جیت جاتا ہے تو اس کا مطلب تھا کہ جوئے کی تعلیم بھی دی جارہی ہے۔ اللہ کا نبیؑ اگر یہ تفصیلات بتاتا تو گمراہ لوگ وہاں سے سیکھ کر وہی کام شروع کر دیتے جس سے اللہ کا نبیؑ منع فرمار ہا ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے برائی سے منع تو فرمایا لیکن برائی کے طریقوں پر بحث نہیں فرمائی۔ یہ اُن کی شان سے بعید تھا۔ اس دور میں چونکہ لوگ جادو میں کثرت سے مبتلا ہو رہے تھے، اللہ کریم نے دو فرشتے نازل فرمادیئے جو اُس جادو کی تفصیلات بتاتے تھے کہ یہ کرو گے تو یہ ہوگا، وہ کرو گے تو وہ ہوگا۔ وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ لیکن کوئی ایک بندہ بھی ایسا نہیں تھا جسے جادو کے متعلق بتانے سے پہلے وہ یہ نہیں بتاتے تھے حَتّٰی یَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَکْفُرْ ۖ کہ ہمارا نازل ہونا بھی تمہارے لئے ایک آزمائش ہے، ہم تمہیں جادو بتائیں گے تو سہی لیکن کفر مت کرو اور ان طریقوں میں مت پڑو، یہ کفر ہے اگر اختیار کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے! اس تنبیہ کے باوجود لوگوں کو شوق چڑھا ہوا تھا اور شوق بھی

اس طرح کی باتیں سیکھنے کا تھا:

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ کہ دوسروں کی بیویوں کو گمراہ کر سکیں اور دوسروں کی عورتوں کو اپنی طرف راغب کر سکیں۔ ایسے منتر لوگ زیادہ سیکھتے تھے۔

ضمناً یہ بات آ گئی۔ ہمارے ساتھ ایک مولوی صاحب ذکر میں شامل ہوئے، اچھے آدمی تھے لیکن کسی عورت کے جال میں پھنس گئے۔ اسے اپنی طرف راغب کرنا چاہتے تھے۔ چونکہ یہ غیر شرعی کام تھا شیخ سے کیسے کہتے! جب زیادہ گھبرائے تو شیطان نے دل میں یہ خیال ڈالا کہ یہ کام تو میرے کرنے کا ہے اور تم ایک ولی اللہ کے پیچھے لگے ہوئے ہو۔ انہوں نے کوئی شیطانی عمل کرنا شروع کر دیا تو وہ عورت اُن کی طرف مائل ہو گئی لیکن دین سارے کا سارا چھوٹ گیا۔ وہ نہ صرف سلسلہ چھوڑ گئے بلکہ نماز روزہ سے بھی گئے۔ اُن دنوں کسی شخص نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف کتابچہ لکھا، کوئی علمی دلائل نہیں تھے لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پر کیچڑ اُچھالا گیا کہ یہ ایسے ہیں، ویسے ہیں، فلاں فتویٰ غلط دیا وغیرہ۔ مولوی صاحب کو دکھایا تو وہ چھپوانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اللہ کی شان پریس والوں سے ملنے پنڈی گئے تو دونوں آنکھوں کی بینائی بند ہو گئی۔ ڈاکٹر چیک کرتے تو کہتے کوئی خرابی نہیں ہے' نظر آنا چاہئے۔ مولانا کو خیال آیا کہ یہ جو کتاب چھپوانے چلا ہوں، اس وجہ سے تو نہیں ہے! توبہ کی تو اللہ کی شان، نظر ٹھیک ہو گئی۔ گھر آئے تو خیال آیا اتفاقاً ایسا ہو گیا ہو گا، کتاب چھپوانے کا ارادہ کیا لیکن جب شہر پہنچے تو دوسری دفعہ بھی نظر جاتی رہی۔ اللہ بھی بڑا بے نیاز ہے، مولانا نے دوبارہ توبہ کی تو اللہ نے پھر نظر دے دی۔ اس کے بعد مولانا نے وہ مسودہ پھاڑ دیا اور وہ کتابچہ کبھی نہ چھپا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس کے باوجود بھی انہیں توبہ کی توفیق نہیں ہوئی۔ جادو، ٹونوں اور ٹوٹکوں میں جو لوگ ایک مرتبہ شیاطین کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں، ان کا بچنا محال ہوتا ہے۔

جادوگر کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے:

یہ محض وہم ہے کہ جادوگر ہمارا کچھ بگاڑ لیں گے، کوئی جادوگر کسی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا سوائے اس کے کہ خود کفر میں مبتلا ہو جائے۔ کسی کا کچھ بگڑتا بھی ہے تو جادو کی وجہ سے نہیں بگڑتا، اُس کی اپنی کمزوریوں اور خطاؤں کی وجہ سے اُس پر اثر ہو جاتا ہے۔ آگے قرآن حکیم اس کی وضاحت کرتا ہے کہ وہ فرشتے ہر ایک کو بتاتے تھے کہ جادو کی تفصیل تو ہم تمہیں بتاتے ہیں لیکن یہ کفر اور تمہاری آزمائش ہے، خدا کے لئے کفر میں مت پڑو لیکن کثرت سے لوگوں کا رجحان ہی اس طرف تھا کہ ایسا کوئی علم مل جائے جس سے دوسروں کی بیویاں

ہماری طرف راغب ہو جائیں، میاں بیوی میں تفریق ہو جائے۔ قرآن کریم فرماتا ہے وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ وہ اُس جادو سے کسی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے، نہ شیطان کسی کا کچھ بگاڑ سکتا ہے، نہ جادوگر کسی کا کچھ بگاڑ سکتا ہے اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ہاں یہ ہوتا ہے کہ جس شخص سے، جس جگہ سے، جس کام سے حفاظت الٰہیہ اٹھ جائے، وہاں وہ اثر کرتا ہے۔

حفاظتِ الٰہیہ:

ہر بندے کو، ہر بندۂ مومن کو، ہر کلمہ گو کو حفاظتِ الٰہیہ نصیب ہے۔ بعض خطائیں ایسی ہوتی ہیں، بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے بعض مرتبہ اُس کی حفاظت ختم ہو جاتی ہے۔ اُس گناہ کا قدرتی نتیجہ ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی غلط چیز کھائیں تو بدہضمی ہو جاتی ہے جو اس کھانے کا ایک فطری نتیجہ ہے۔ ایک گلا سڑا پھل تھا، آپ نے کھایا، ہیضہ ہو گیا۔ اسی طرح بعض خطائیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر وہ ہو جائیں تو کسی نہ کسی جگہ سے حفاظت الٰہیہ اٹھ جاتی ہے، کاروبار سے اٹھ گئی، صحت سے اٹھ گئی، خانگی امور سے حفاظت الٰہی اٹھ گئی، جہاں سے اللہ کی حفاظت اٹھ جائے، وہاں شیطان بھی اثر کرتا ہے اور شیطانی کلمات بھی اثر کرتے ہیں۔ مقصود یہ ہوا کہ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ مجھ پہ کوئی جادو کر رہا ہے تو اُسے اپنے آپ کو تلاش کرنا چاہئے کہ مجھ پر جادو کیوں اثر کر رہا ہے۔ کوئی خطا سمجھ میں آئے تو اُس سے توبہ کرے، رجوع کرے۔ سمجھ میں نہ آئے تو بھی وہ ارحم الراحمین ہے، اُس سے دعا کرے کہ تو جانتا ہے میں کس خطا میں مبتلا ہوں، میں اُس سے توبہ کرتا ہوں، مجھے اُس سے بچنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے اُس سے محفوظ فرما۔ وہ کریم ہے، وہ محفوظ فرما دیتا ہے۔ بعض اوقات ہمیں اپنی خطاؤں کا پتہ بھی نہیں چلتا کہ ہم کیا ظلم کئے جا رہے ہیں۔ معمولی جانتے ہوئے ایک کام کرتے رہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ایک ارشاد ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی ساری عمر نیکی کرتا رہتا ہے لیکن کوئی ایک جملہ ایسا کہہ دیتا ہے جو ساری نیکیوں کو برباد کر کے اُسے دوزخ کا مستحق بنا دیتا ہے' ایک آدمی ساری عمر گناہ میں اور بُرائی میں گزارتا ہے لیکن کبھی کوئی ایک جملہ ایسا کہہ دیتا ہے کہ اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور وہ جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

بعض دفعہ ہم بے شعوری میں، بے خیالی میں، نہ جانتے ہوئے بھی کوئی ایسا جملہ کہہ دیتے ہیں جو اللہ کی بارگاہ میں بہت بڑا جرم ہوتا ہے اور اُس کی وجہ سے حفاظت الٰہیہ اٹھ جاتی ہے۔ جادو کیا ہے؟ شیطانی کلمات کیا ہیں؟ کفریہ کلمات ہیں۔ شیطان کوشش کرتا ہے کہ جو شخص وہ کفریہ کلمات ادا کر رہا ہے، اُس کی جو مدد

کر سکتا ہے، کرے۔ لوگ سمجھتے ہیں یا عامل سمجھتے ہیں کہ یہ جنات یا یہ حاضرات یا یہ مؤکل ہمارے تابع ہیں۔ دراصل شیطان نے انہیں اپنے تابع کر رکھا ہوتا ہے اور شعبدے دکھا کر، انہیں سامنے لا کر، اُن کی وجہ سے دوسروں کا دین تباہ کرتا ہے، دوسروں کے عقائد تباہ کرتا ہے، دوسروں کی عزتیں تباہ کرتا ہے، دوسروں کا سرمایہ تباہ کرتا ہے اور پیسے اُن کو دلواتا ہے۔ واقعتاً ہوتا یہ ہے کہ وہ شیاطین یا مؤکل اُن کے تابع نہیں ہوتے، انہوں نے ان عاملوں کو اپنے تابع کر رکھا ہوتا ہے جو دو چار شعبدے دکھا کر لوگوں کو گناہ میں، برائی میں مبتلا کرتے اور لوگوں کے عقائد برباد کرتے ہیں۔

بندشِ رزق اور جادو:

کہنے کو تو یہ ایک چھوٹا سا جملہ ہے، میری روزی کسی جادوگر نے باندھ دی ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں یہ شکایت عام سننے میں آئی ہے۔ اب اگر کسی کا یہی عقیدہ بن جائے تو یہ رب کریم کے اس فرمان سے متصادم ہے، جو ساری کائنات کا رب ہے۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ھود:6) روئے زمین پر جو کوئی بھی ذی روح ہے، اُس کی روزی اللہ کے ذمہ ہے۔ اب قادرِ مطلق تو اپنے ذمے لیتا ہے اور ایک شخص کا عقیدہ یہ ہے کہ اس کا رزق جادوگر نے روک دیا۔ جملہ تو چھوٹا سا ہے لیکن اس میں کتنا بڑا کفر چھپا ہوا ہے کہ اللہ تو دینا چاہتا ہے لیکن جادوگر اُسے دینے نہیں دے رہا۔ ہم نے کبھی اس کے مفہوم پہ غور نہیں کیا۔ ہم آرام سے کہہ دیتے ہیں کہ میری دکان فلاں نے بند کر دی۔ میرا رشتہ فلاں نے روک دیا۔ فلاں، یا جادوگر کیسے بند کر سکتا ہے! جو کام اللہ نے کرنے ہیں وہ کوئی روک سکتا ہے! مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۔ اگر اللہ کسی کا نقصان کرنا چاہتا ہے تو کون ہے جو اُسے نفع پہنچائے گا اور اگر اللہ کسی کا نفع کرنا چاہتا ہے تو کون ہے جو اُسے روکے گا! کوئی نہیں روک سکتا۔

نفع نقصان صرف اللہ کی طرف سے ہے:

جادوگر نہ کسی کا بگاڑ سکتے ہیں نہ کسی کا سنوار سکتے ہیں اور یہاں فرمایا وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ ا اپنے جادو سے کسی کا رائی برابر بھی نقصان نہیں کر سکتے إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۔ ہاں جہاں اللہ ہی اجازت دے دے۔ اللہ اپنی حفاظت اٹھالے کہ یہاں اس کا نقصان ہوتا ہے تو ہوتا رہے۔ حتیٰ کہ علمائے حق فرماتے ہیں کہ جسمانی صحت بھی جب خراب ہوتی ہے تو وہاں جو مامور فرشتہ ہے اُسے من جانب اللہ حکم ہوتا ہے کہ یہاں سے حفاظت اٹھا دو، پھر صحت خراب ہو جاتی ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بھی مصیبتیں آتی ہیں، اولیاء اللہ پر بھی آتی ہیں لیکن وہ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کی مصیبتیں ترقی درجات کا سبب بنتی ہیں۔ آسان

سی مثال ہے کہ شہادت کے لئے قتل ہونا پڑتا ہے۔ شہادت اللہ کے قرب کی ایک منزل ہے، قربِ الٰہی کا ایک مقام ہے لیکن وہ رتبہ پانے کے لئے قتل ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح قربِ الٰہی کے دوسرے منازل ہیں، کسی میں بیماری آجاتی ہے، کسی میں کاروبار کا نقصان آجاتا ہے، کسی میں اور کوئی دنیوی تکلیف بڑھ جاتی ہے۔ اسے اصطلاح میں ''مجاہدۂ اضطراری'' کہتے ہیں، ایسا مجاہدہ جو اللہ کسی سے جبراً کرواتے ہیں۔ یہ نیک لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ماوشما کا یہ ہوتا ہے کہ تلافی مافات ہوجاتی ہے۔ اگر ایمان سلامت ہو اور کوئی مصیبت آجائے تو جو گناہ ہوئے ہیں وہ اُس کے صدقے معاف ہوجاتے ہیں۔

جادو حقیقت نہیں سراب ہے:

خوب سمجھ لو! جادو میں یہ خصوصیت نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کی ماہیت بدل دے۔ وہ شہد کو زہر اور زہر کو شہد نہیں بنا سکتا، ہاں دھوکا دے سکتا ہے۔ سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ (الاعراف:116) جادوگروں نے نگاہوں پہ جادو کر دیا۔ رسیاں تھیں لیکن سانپ نظر آنے لگیں۔ جس بندے کو اللہ ایمان کامل دے دے اس طرح کے شعبدے اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، نہ اُسے متاثر کرتے ہیں، نہ وہ اُن سے اثر پذیر ہوتا ہے، نہ اُس کا اُن سے کچھ بگڑتا ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر ہمیں یہ وہم ہو کہ جادوگر میرا کوئی نقصان کر رہا ہے تو اُس کا آسان سا علاج توبہ ہے۔ پتہ چل جائے تو وہ خطا چھوڑ دے اور اگر نہ پتہ چلے تو وہ عالم الغیب والشہادۃ سب جانتا ہے، اُس کے علم میں ہے، اُس کے سامنے دست دراز کرو، بارالہا! مجھے معاف فرما، توبہ کی توفیق عطا فرما اور کوئی ایسا گناہ جو میں نہ جانتے ہوئے کر رہا ہوں، اُس سے مجھے بچا لے اور مجھے اپنی حفاظت میں رکھ، مجھے شیطانوں کے رحم و کرم پر نہ چھوڑ۔ اللہ کریم ہے وہ معاف فرما دیتا ہے۔ حفاظت الٰہیہ بھی حاصل ہوجاتی ہے۔

جادو اور آخرت:

فرمایا: جو لوگ جادو پہ یقین رکھتے ہیں، جادو کرتے ہیں اور دوسروں کو ایذاء پہنچانے، دوسروں کا مال یا دوسروں کی خواتین چھیننے کے پیچھے لگے رہتے ہیں وَلَقَدْ عَلِمُوْا وہ یہ خوب جانتے ہیں لَمَنِ اشْتَرٰىهُ کہ انہوں نے جو یہ سودا کیا ہے کہ دین کو چھوڑ کر جادو کے پیچھے لگ پڑے، شیطانی عملیات کے پیچھے لگ پڑے ہیں، مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ اُن کا آخرت میں کوئی ذرہ برابر حصہ نہیں۔ یعنی انہوں نے دنیا کے شعبدے تو حاصل کر لئے لیکن اُس کے بدلے کتنا بڑا نقصان ہوا کہ آخرت گئی۔ فرمایا:

وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٢﴾ کاش یہ جان سکتے کہ ان کے نفس نے

انہیں کتنے بڑے دھوکے میں اور کتنے بُرے سودے میں پھنسا دیا ہے۔حق تو یہ تھا وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ کاش وہ ایمان لاتے، اور اللہ کی اطاعت اختیار کرتے، تقویٰ اختیار کرتے، محمد رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پہ چلتے۔

جادو سے نہیں، گناہوں سے ڈریں:

لہٰذا جادوگروں سے اور شیطان سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں اپنے آپ سے، اپنے کردار سے، اپنے گناہوں سے ڈرنا چاہئے اور ہر وقت اللہ کریم سے معافی طلب کرنا چاہیے۔ کچھ بھی نہ ہوتو بندہ کم ازکم دن میں ایک تسبیح تو استغفار کی ضرور پڑھے۔ تسبیح بھی نہیں پڑھ سکتا تو پانچ نمازیں پڑھتا ہے، ہر نماز کے ساتھ بیس دفعہ پڑھ لے تو بھی ایک تسبیح ہو جائے گی، انگلی پہ گن کر پڑھ لے لیکن استغفار ضرور پڑھے۔ ایمان کی مضبوطی کا نسخہ بڑا آسان اور بڑا سہل ہے کہ کثرت سے درود شریف پڑھا جائے۔ درود ایسی دعا ہے جو کبھی رد نہیں ہوتی، منظور ہوتی ہے۔ علمائے حق فرماتے ہیں کہ کوئی دعا بھی مانگیں تو اُس کے اول آخر درود شریف ضرور پڑھا کریں کہ درود شریف تو منظور ہوگا لیکن اُس کی رحمت سے بعید ہے کہ پہلی بات بھی مان لے، آخری بات بھی مان لے اور درمیان والی چھوڑ دے۔ وہ کریم ہے وہ درمیان والی بھی قبول کر لیتا ہے۔ اللہ کی پناہ میں آجاؤ۔ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۔

سورۃ البقرہ رکوع 13 آیات 104 تا 112

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ
وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١٠٤ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا
الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝١٠٥ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا
نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٠٦ اَلَمْ
تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ
وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝١٠٧ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى
مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝١٠٨ وَدَّ
كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖۚ حَسَدًا
مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى
يَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٠٩ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا
الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝١١٠ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ
تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝١١١ بَلٰى ۚ مَنْ
اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١١٢﴾

اے ایمان والو! ''راعنا'' مت کہا کرو اور 'اُنظُرنا' (ہماری طرف توجہ فرمائیے) کہا کرو اور (اچھی طرح) سن لو اور (ان) کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۱۰۴﴾ کافر اہلِ کتاب اور مشرک نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے بھلائی نازل ہو اور اللہ جسے چاہتے ہیں اپنی رحمت کے لئے خاص کر لیتے ہیں۔ اور اللہ بڑے فضل والے ہیں ﴿۱۰۵﴾ جو آیت ہم موقوف کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اس کی جگہ اس سے بہتر یا اُس جیسی لے آتے ہیں (اے معترض!) کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہیں ﴿۱۰۶﴾ کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ کے لئے ہے اور اللہ کے علاوہ کوئی تمہارا دوست ہے اور نہ مددگار ﴿۱۰۷﴾ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے ایسے سوال کرو جیسے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) سے پوچھے گئے اور جو کوئی ایمان کو کفر سے بدل ڈالے تو یقیناً وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا ﴿۱۰۸﴾ اہل کتاب میں سے اکثر یہ چاہتے ہیں کہ کاش! تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر بنا ڈالیں (محض) حسد کی وجہ سے جو ان کے دلوں میں ہے اُن پر حق واضح ہو جانے کے بعد (ایسا کرتے ہیں) پس معاف کر دو اور درگزر کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا حکم بھیج دیں یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۰۹﴾ اور نماز کو قائم رکھو (پابندی سے ادا کرو) اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو نیکی تم اپنے لئے آگے بھیجتے ہو اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے اور جو عمل تم کرتے ہو یقینا اللہ اسے دیکھ رہے ہیں ﴿۱۱۰﴾ اور یہ کہتے ہیں کہ سوائے یہودیوں اور نصاریٰ کے کوئی جنت میں ہرگز داخل نہ ہوگا یہ (محض) ان کی آرزوئیں ہیں فرمائیے اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو ﴿۱۱۱﴾ ہاں جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص (بھی) ہو تو ایسے بندے کے لئے

اللہ کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسے لوگوں کو نہ ڈر ہوگا اور نہ افسوس ﴿۱۱۲﴾

خلاصۂ تفسیر و معارف

بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قرینۂ ادب:

ایمان لانے کے بعد تمام عبادتوں کا حاصل، سب سے بڑی عبادت، سب سے ضروری کام اور ساری زندگی کرنے کا کام یہ ہے کہ کبھی کسی حال میں بھی بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی گستاخی نہ ہونے پائے۔ محبت جسے کہا جاتا ہے وہ ایک بڑا آزاد سا جذبہ ہے۔ لوگ اس میں جنون کا شکار بھی ہو جاتے ہیں اور حدود و قیود کی پروا نہیں کرتے۔ روتے ہیں، چلاتے ہیں، فریاد کرتے ہیں، کپڑے پھاڑتے ہیں اور عاشقوں کی یہ ساری ادائیں معشوق کے لئے ایذاء کا سبب بنتی ہیں لیکن اس مجبور و بے بس بندے کو، جو اسیر محبت ہو جاتا ہے ضابطوں کی قید کون بتائے! معاملہ جب بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا آ جاتا ہے تو یہاں عشق کو بھی آداب اور حدود و قیود کی احتیاط کرنا پڑتی ہے۔

ادب گاہِ ہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آیند جنید و بایزید ایں جا

میں یہ شعر تھوڑی سی تبدیلی سے پڑھا کرتا ہوں:

نفس گم کردہ می آیند ابوبکرؓ و عمرؓ ایں جا

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد ساری مخلوق سے افضل ترین بندے ہیں لیکن اس بارگاہ میں ان کی بھی مجال دم زدن نہیں۔ عرب کی لغت میں ایک لفظ رَاعِنَا تھا۔ جب کوئی بندہ بات کرتا اور سننے والے کو سمجھ نہ آتی تو بڑے احترام سے، بڑے ادب سے وہ کہتا، رَاعِنَا یعنی ہمارے ساتھ رعایت برتی جائے اور بات دوبارہ دہرائی جائے جیسے انگریزی میں کہتے ہیں Excuse me۔ برطانیہ میں، جو انگریزوں کا ملک ہے، کہا جاتا ہے Pardon me معاف کیجئے گا۔ اردو میں بھی یہ جملہ عام ہے کہ بات کی سمجھ نہ آئے تو کہا جاتا ہے معاف کیجئے گا۔ یعنی میں بات نہیں سمجھ سکا، گستاخی کی معافی چاہتا ہوں، ذرا بات دوہرا دیجئے۔ اسی طرح عربی لغت میں تھا، رَاعِنَا کہ ہمارے ساتھ تھوڑی سی رعایت برتی

جائے اور بات دوبارہ کی جائے۔

سورۃ البقرہ میں بات بنی اسرائیل کی، یہود و نصاریٰ کی چل رہی تھی، وہی بات آگے بڑھائی جا رہی ہے کہ یہ جب بارگاہ عالی ﷺ میں حاضر ہوتے تو ''رَاعِنَا'' کی ''زیر'' کو کھینچ کر آواز نکالتے ''راعینا''۔ رائی کہتے ہیں گلہ بان کو، چرواہے کو۔ بظاہر تو یہ مراد لیتے کہ جی ہم وہی لفظ کہہ رہے ہیں جو لغت عرب میں زبان زد عام ہے کہ ہم سے رعایت فرمائی جائے لیکن در پردہ ان کے دل میں یہ بات ہوتی کہ ہم تو بڑے عالم و فاضل لوگ ہیں، یہود کے پاس بڑے بڑے عالم ہیں، نصاریٰ کے پاس بڑے بڑے فاضل لوگ ہیں اور حضور اکرم ﷺ نے تو بکریاں ہی چرائی ہیں، پڑھا تو ہے کچھ نہیں تو در پردہ وہ یہ طنز کرتے تھے۔ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو! لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا یہ لفظ ہی لغت سے خارج کر دو اور اسے کبھی استعمال ہی نہ کرو۔ جس لفظ میں احتمال ہے کہ شانِ نبوت ﷺ میں گستاخی ہو جائے وہ لفظ ہی لغت سے خارج کر دو وَقُوْلُوا انْظُرْنَا اور اللہ کریم نے اس سے خوبصورت لفظ اس کی جگہ عطا فرمایا کہ رَاعِنَا کی بجائے انْظُرْنَا کہا کرو، ہماری طرف نظر کرم ہو۔ یعنی لفظ بھی جو عطا فرمایا وہ اپنی ادائیگی میں بھی، صوتی انداز میں بھی، لغت اور معنی کے اعتبار سے بھی اس سے کروڑوں درجہ اچھا ہے۔ عظمت رسالت ﷺ میں ادنیٰ سی گستاخی سے بچانے کے لئے رب جلیل نے لغت عرب تبدیل کر دی۔ اب آپ آگے اندازہ کر لیجئے کہ ہمارے کردار میں جہاں گستاخی ہوتی ہے، یا ہماری زبان سے پھسل کر جو لفظ گستاخی کے نکل جاتے ہیں تو اس کے نتائج کیا ہوں گے؟

سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک معرکۃ الآرا تصنیف ہے ''اکفار الملحدین'' کہ کس کس وجہ سے لوگ کافر ہو جاتے ہیں، کس کس بات سے کفر لازم آتا ہے۔ اس میں وہ رقم طراز ہیں، کوئی شخص حضور اکرم ﷺ کی شان میں ایسا جملہ کہے جس سے اس کی مراد گستاخی کرنا نہ ہو لیکن اندیشہ یہ ہو کہ سننے والا اسے گستاخی سمجھے گا تو وہ شخص کافر ہے۔ یعنی کفر کے جو اسباب ہیں اس میں یہ بات اس آیہ کریمہ کے ذیل میں فرمائی گئی ہے۔ اب تو رواج ہو گیا ہے کہ جو بات شروع ہوتی ہے وہ شروع ہی حضور اکرم ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے ہوتی ہے، نبی کریم ﷺ یہ جانتے تھے، حضور ﷺ یہ نہیں جانتے تھے۔ یہ ماوشما کی بحث نہیں ہے۔ اس میں ایک سادہ سی بات ہے کہ جتنے علوم اللہ نے بانٹے وہ سب بھی جمع کر دیئے جائیں تو جو علوم محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائے وہ سب سے زیادہ ہیں۔ بات ہی ختم ہو گئی۔ جتنا کرم فرمایا وہ رحمت الٰہی کا حصہ تھا۔ آپ ﷺ تشریف لائے، رحمت مجسم ہو کر آ گئی۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ○ (الانبیاء: 107) سارے شعبے رحمت باری کے یکجا ایک وجود ستودہ صفات میں آ گئے اور یہ یاد رہے کہ جو ادب واحترام حضور اکرم ﷺ کا روز اول تھا، دنیا میں جلوہ افروز ہوئے تو جو تقاضائے ادب تھا وہ قیامت تک باقی ہے۔ آج بھی وہی تقاضائے ادب موجود ہے حتیٰ کہ سیرت میں موجود ہے کہ وصال نبوی ﷺ کے بعد روضہ اطہر ﷺ کے باہر گلی تھی اور گلی کی دوسری طرف مکان تھا۔ اس مکان کی خاتون اپنی دیوار میں میخ ٹھونک رہی تھی اور ٹھک ٹھک کی آواز آ رہی تھی تو حبیبہ حبیب کبریا، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پیغام بھیجا اور وہ دو لفظ تھے۔ لا تو ذوا رسول اللہ ﷺ۔ نبی اکرم ﷺ کو تکلیف نہ دو، ٹھک ٹھک نہ کرو یہ جو آپ اپنے گھر میں ٹھک ٹھک کر رہی ہیں، یہ نہ کرو۔

مسجد نبوی ﷺ میں حضور اکرم ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی۔ بارش کی وجہ سے محراب عالی میں تراوت تھی، پیشانی مبارک پر ہلکا سا کیچڑ لگ گیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور ﷺ سے اجازت لے کر ساری مسجد میں کنکریوں کا فرش بچھا دیا کہ پھر کبھی ایسی حالت ہو تو کیچڑ نہ بنے۔ ایک اعرابی روضہ اطہر ﷺ کے قریب کھڑا بلند آواز سے بات کر رہا تھا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آواز دے کر نہیں بلایا بلکہ ایک کنکری اٹھا کر ماری۔ اس نے مڑ کر دیکھا، تو اشارے سے پاس بلایا اور پوچھا کہ تم کون ہو جو اتنی بلند آواز سے بات کر رہے ہو؟ جی میں بدوی ہوں، میں ایک مسئلہ پوچھ رہا تھا۔ فرمایا، تم باہر سے آئے ہو، بدوی ہو، اگر شہر کے ہوتے تو میں تمہیں درے مرواتا، روضہ اطہر ﷺ کے سامنے اور اتنی بلند آواز! اور یہ ادب قیامت تک رہے گا۔

ہمارے ہاں کسی رواج کے خلاف جب یہ کہا جائے کہ مسنون طریقہ یہ ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ ثواب تو اسی میں ہوگا لیکن ناک کٹ جائے گی، بدنامی ہوگی۔ بظاہر تو بڑا بے ضرر سا جملہ ہے لیکن اس سے نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اس عمومی رائے کا سادہ سا مطلب یہ ہوگا کہ حضور ﷺ کی پیروی تو بدنامی کا باعث ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی بدنامی کا سبب ہے تو یہ صریحاً کفر ہے۔ یہ وہ بارگاہ ہے جہاں عشق ومحبت کو بھی ادب کے تقاضے مدنظر رکھنے پڑتے ہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا عاشق بھی بارگاہِ عالی ﷺ میں بیٹھ کر بلند آواز سے آہ نہیں کھینچ سکتا۔

آپ یہیں سے اندازہ کر لیجئے کہ مومن بھی رَاعِنَا کہتے تھے لیکن نہ وہ ''زیر'' کو کھینچتے تھے اور نہ ایسی گستاخی ان کے تصور میں ہوتی تھی لیکن چونکہ یہود ونصاریٰ اس لفظ کو غلط طور پر استعمال کرتے تھے تو اللہ

کریم نے فرمایا کہ اس لفظ کو اپنی لغت سے ہی خارج کر دو لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا کبھی یہ لفظ استعمال ہی نہ کرو وَقُوْلُوا انْظُرْنَا کہا کرو، نظر کرم ہو جائے اور حق بات بھی یہی ہے وَاسْمَعُوْا ؕ ایسا موقع آئے ہی کیوں؟ فرمائیں محمد رسول اللہ ﷺ اور کوئی کہے، دوسری دفعہ مجھے بتایا جائے! یہ گستاخی کیوں ہو؟ سنتے کیوں نہیں! وَاسْمَعُوْا ؕ۔

نبی کریم ﷺ کا معجزہ یہ تھا کہ نہ حضور ﷺ بلند آواز سے بات کرتے تھے نہ بالکل دھیمی، معتدل آواز میں حضور ﷺ ارشاد فرماتے تھے اور معجزہ یہ تھا کہ لاکھوں کا مجمع بھی ہو تو جس طرح پہلی صف میں قریب کھڑا ہوا بندہ سن رہا ہوتا تھا بالکل اسی طرح جو دور لاکھوں کے پیچھے کھڑا ہوتا تھا، وہ بھی سن رہا ہوتا تھا۔ یہ معجزہ تھا آقائے نامدار ﷺ کا۔ حضور ﷺ طویل القامت نہیں تھے۔ بہت خوبصورت قد تھا نبی کریم ﷺ کا لیکن جتنا بھی ہجوم ہوتا اس میں طویل القامت نظر آتے۔ یہ معجزات نبوی ﷺ ہیں جو جابجا ستاروں کی طرح روشن ہیں۔ ایمان والوں کے لئے رہنمائی کا سبب بن گئے، تو اعجاز نبوی ﷺ یہ تھا کہ جب آپ ﷺ خطاب فرماتے، اور جن لوگوں سے فرماتے تھے، جہاں تک آپ ﷺ کا ارادہ مبارک ہوتا تھا، آواز وہاں تک اسی طرح جاتی تھی۔ لہٰذا ارشاد فرمایا گیا:

وَاسْمَعُوْا ؕ سنانے میں کوئی کمی نہیں ہے اگر کوئی سن نہ پایا تو معذرت کے ساتھ عرض کرنا پڑے گا کہ دوبارہ ارشاد فرمایئے لیکن یہ سننے والے کی خطا ہوگی لہٰذا وَاسْمَعُوْا ؕ پوری توجہ سے سنو۔ یہ نوبت ہی کیوں آئے۔ چونکہ یہ تو کوئی احتمال نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں تو آپ ﷺ کے ارشاد فرمانے میں کہیں کوئی کمی بیشی ہو یا آواز میں یا صوتی اثرات میں کسی تک پہنچتے پہنچتے کوئی کمی آ جائے، وہ تو ممکن نہیں ہے۔

بارگاہِ رسالت ﷺ کا جو ادب ہے وہ سب سے مقدم ہے۔

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

دیکھ لیجئے! اللہ کریم نے صدیوں سے عرب میں جو لغت آ رہی تھی، تبدیل کر دی کہ اس میں گستاخی کا احتمال ہے۔ اگر کہنے والے کا ارادہ نہ بھی ہو تو کوئی سمجھنے والا سوچ سکتا ہے کہ یہ گستاخی کر رہا ہے اور اس بات کو سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے کفر لکھا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ آپ یہ لفظ رَاعِنَا چھوڑ دیجئے اور اس کی بجائے کہیں انْظُرْنَا ہم پر نظر کرم ہو جائے۔ رہے کافر،

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ جہنم جانے کے لئے تو ان کا کفر ہی کافی تھا، سزا پانے کے لئے تو اور برائیاں کافی تھیں لیکن جو گستاخی بارگاہِ عالی ﷺ میں کرتے ہیں، اس کا عذاب بڑا دردناک ہوگا۔ عذاب تو سارے ہی بڑے بھیانک ہوں گے، بڑے دردناک ہوں گے لیکن گستاخی کا عذاب بالخصوص بہت دردناک ہوگا۔

پھر یہ چاہتے ہیں مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ کوئی بھی کافر ہو، وہ اہل کتاب میں سے ہو یا مشرکین سے، دنیا کا کوئی بھی کافر ہو، وہ چاہتا یہ ہے کہ اللہ کی رحمت تم پر کیوں نازل ہو! تم سے کوئی نہ کوئی بے ادبی، کوئی نہ کوئی گستاخی، کوئی نہ کوئی کام ایسا کروایا جائے کہ تم اللہ کی رحمت سے محروم رہو۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ لیکن اللہ جسے چاہے اپنی رحمت کے لئے مخصوص کر لیتا ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں ہے اور اس کے سب سے پہلے مخاطب صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں، پھر ان کی وساطت سے قیامت تک کے مسلمان اس کے مخاطب ہیں۔ یہ تم پر اللہ کا کرم ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے تمہیں دامانِ رسالت ﷺ سے وابستہ کر دیا یہ تو اس کی رحمت کا ایک کرشمہ ہے۔ کافروں نے الفاظ کے ہیر پھیر میں الجھانا چاہا کہ تم سے نادانستگی میں ہی گستاخی ہو جائے۔ رب کریم نے تمہیں اس سے بچانے کے لئے لغت ہی تبدیل کر دی۔

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ اور وہ بڑے رحم والا اور بڑے فضل والا ہے۔ تب سے لے کر اب تک کفار و مشرکین کی وہ کوششیں جاری و ساری ہیں۔ وہ آج بھی ذرائع ابلاغ پر ایسے پروگرام چلائیں گے جن میں بے حیائی ہوگی۔ بے حیائی کیا ہے؟ مومن کے لئے تو گستاخی ہے۔ جس سے حضورِ اکرم ﷺ نے منع فرما دیا، وہ کام کیوں کرے۔ آپ ان کا کوئی پروگرام دیکھیں، بے حیائی کے مناظر جگہ جگہ ہوں گے۔ اس لئے نہیں کہ وہ خود اسے انجوائے کرنا چاہتے ہیں، ان کے ہاں تو سر بازار یہی ہو رہا ہے۔ وہ میرے، آپ کے، ہماری اولادوں کے لئے ہے کہ انہیں بھی بے حیائی کا عادی بناؤ۔ چیزیں بنائیں گے تو ان میں حرام اجزاء شامل کر دیں گے۔

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کافر ہرگز یہ نہیں چاہتے، وہ اہل کتاب ہوں یا مشرک ہوں کہ تم پر اللہ کی رحمت اور اللہ کی طرف سے خیر اور برکات نازل ہوں، یہ ہرگز انہیں پسند نہیں، یہ نہیں چاہتے۔ اس لئے الفاظ کے ہیر پھیر میں، باتوں کے ہیر پھیر میں، چیزوں کے ہیر پھیر میں گستاخی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں لیکن جن میں خلوص ہے اللہ ان کی حفاظت فرماتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے مختص کر لیتا ہے۔

شیطان، کفار اور مشرکین مل کر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اس لئے کہ اللہ بہت عظیم فضل کا مالک ہے اور یاد رکھیں! انسان کے بچنے کا پہلا اور آخری سبب اللہ کا فضل ہے۔ کسی نیکی پر گھمنڈ مت کیجئے۔ ہم نے نیکی کی، اس کی توفیق سے۔ ہم نے جو غلطیاں کیں، وہ شیطان کی بات مان کر، نفس کی بات مانی اور ہمیں ہر برائی کا پتہ ہے کہ برائی صادر ہوئی اور نیکی کی ہمارے پاس رسید نہیں ہے۔ ہمیں جن سجدوں پر ناز ہے، وہاں قبول بھی ہوئے یا نہیں، کسی کے پاس رسید نہیں ہے۔ اس لئے ہر سجدے، ہر ذکر، ہر درود پر جذبہ تشکر سے دل لبریز ہونا چاہیے۔ اپنی بڑائی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ بڑائی اللہ کے لئے ہے، عظمت اللہ کے لیے ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ کا ادب سب سے ضروری کام ہے۔ اور یاد رکھیں! ایمان کی بنیاد اس پر ہے کہ کام کرتے وقت بھی یاد رہے، بات کرتے وقت بھی یاد رہے کہ کہیں اس بارگاہِ عالی ﷺ میں گستاخی نہ ہو جائے۔

کافر اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکوں میں سے، نہیں چاہتے کہ تم پر اللہ کی طرف سے خیر نازل ہو، اور رحمت نازل ہو۔ وہ ایسے حیلے، ایسی باتیں، ایسے مکر اس لئے کرتے ہیں کہ تمہیں صراطِ مستقیم سے بھٹکا دیں یا شبہات میں ڈال دیں۔ جو اعتراضات وہ کرتے تھے ان میں سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ قرآن جب اللہ کی کتاب ہے تو پھر اس کی آیات منسوخ کیوں ہوتی ہیں؟ کیا اللہ کو پہلے سے علم نہیں تھا کہ ایک بات کہہ دی، پھر اُس کو بدل دیا۔ اس کا مطلب ہے پہلی بات صحیح نہیں ہوگی یا دونوں میں سے ایک تو صحیح نہیں ہے اس لئے تبدیل کرنا پڑی۔

منسوخ آیات:

قرآن کی بعض آیات منسوخ ہوئیں اور نسخ کے تین طریقے تھے۔ ایک طریقہ تو یہ تھا کہ وہ آیت کریمہ ذہنوں سے، دلوں سے نکال دی جاتی، حتیٰ کہ حضورِ اکرم ﷺ بھی فراموش فرما دیتے۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ آیت کی تلاوت ختم کر دی جاتی لیکن اُس کا حکم باقی رہتا جیسے رجم کی آیات ختم کر دی گئیں لیکن رجم کا حکم باقی رکھا گیا۔ تیسرا طریقہ یہ تھا کہ آیت باقی رہتی لیکن حکم ختم کر دیا جاتا جیسے مرنے والے پر وصیت فرض تھی اور وہ آیات اب بھی قرآن کریم میں موجود ہیں لیکن جب وراثت کے احکام آ گئے تو وہ فرضیت ختم ہوگئی، حکم تو ختم ہو گیا لیکن آیت قرآن کریم میں موجود ہے۔ یہ اعتراض کہ پہلی غلط تھی یا دوسری، یہ بے بنیاد ہے کیونکہ یہ

آیات احکام کے متعلق ہیں اور احکام اپنے وقت پر سارے درست ہوتے ہیں۔ جب پہلا حکم تھا تو اُس وقت کے لئے وہ صحیح تھا۔ اُسے منسوخ کر کے جب دوسرا حکم آیا تو اپنے وقت کے لئے وہ صحیح تھا۔ اپنے اپنے وقت پر دونوں درست تھے۔ اللہ عالم الغیب والشہادۃ ہے، اُسے پتہ تھا کہ پہلے یہ حکم دینا ہے اور اس کے بعد اس کی صورت اس طرح تبدیل ہو جائے گی۔ احکام تبدیل ہوتے رہے، اخبار میں تبدیلی کوئی نہیں ہوئی۔ احکام میں جو تبدیلی ہے، وہ حالات کے مطابق ہوتی ہے لیکن یہ دلوں میں وسوسے ڈالنے کے لئے کہتے: اللہ کی کتاب ہوتی تو آیتیں منسوخ کیوں ہوتیں، فرمایا: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اللہ کسی آیت کو منسوخ فرماتے ہیں یا اُسے ذہنوں سے خارج کر دیتے ہیں تو اُس سے بہتر حکم' بہتر آیت نازل فرما دیتے ہیں۔ اللہ کے ماننے والے زیر تربیت تھے، اسلام کی آمد آمد تھی، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانثاروں کی تربیت لحہ بہ لحہ ہو رہی تھی۔ اس لئے زیادہ تبدیلی نہیں آئی، بہت تھوڑی سی آیات ایسی ہیں جو تبدیل کی گئیں لیکن فرمایا، اُس سے بہتر حکم عطا کر دیا گیا۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٦﴾ اے مخاطب! کیا تو اللہ کو بے بس سمجھتا ہے کہ اگر ایک حکم دے چکا ہے تو اب وہ مجبور ہے کہ اُسی حکم کا پابند ہو گیا ہے؟ نہیں، وہ قادر ہے، وہ مالک ہے، وہی تو حقیقی سلطان ہے اور وہی حقیقی اولوالامر ہے۔ یہ اُس کی پسند کہ کس وقت کیا حکم دیتا ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے، وہ تو ہر چیز پہ قادر ہے اور تجھے یہ خبر بھی نہیں۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١٠٧﴾ کائنات کی سلطنت وریاست صرف اُس کی ہے۔ تُو چھوٹے چھوٹے بادشاہوں کو تو خود مختار مانتا ہے مگر جو ساری کائنات کا ہمیشہ سے اور حقیقی حاکم ہے اُس پر پابندیاں لگانا چاہتا ہے۔ تم یہ بھی یاد رکھو! کہ اگر کوئی شخص اللہ کو چھوڑ بیٹھے گا تو پھر اُس کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار اور کوئی دوست نہیں ہوتا، وہ ایسی ذات ہے۔

بیٹھنے کون دے ہے پھر اُس کو
جو تیرے آستاں سے اٹھتا ہے

اُس کی بارگاہ سے جو اُٹھ گیا پھر اسے دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں کوئی سہارا دینے والا نہیں ہوگا اور یاد رکھو! ان کے فضول اعتراضات اور ان کی بودی باتوں میں آ کر کبھی رسول اللہ ﷺ پر کوئی ایسا سوال

مت کرنا! اَمۡ تُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَكُمۡ كَمَا سُئِلَ مُوۡسٰى مِنۡ قَبۡلُ ؕ - کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جس طرح بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پریشان کیا تھا، اُلٹے اُلٹے سوال کرتے تھے۔ لوگوں کو دیکھا، بتوں کی پوجا کر رہے ہیں تو سوال کر دیا، اے موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے لئے بھی کوئی اس طرح کا معبود بنا دو، ہم اُسے اٹھائے اٹھائے پھریں، اُس کی پوجا کریں۔ اس طرح کے عجیب و غریب سوالات کرتے تھے جس پر انہوں نے تنبیہ فرمائی۔ فرمایا! کیا تم ان یہودیوں کی باتوں میں آ کر یہ فضول قسم کے سوالات رسول اللہ ﷺ پر کرو گے! یہ اتنی عظیم ہستی ہے کہ تمام کائنات کے لئے اللہ کی رحمت مجسم ہیں اور اگر کسی کو حضور ﷺ کی ذات پہ اعتراض سوجھا تو مسلمان ہونے کے بعد پھر کافر ہو گیا۔ اگر کسی کو کلمہ پڑھنے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ پر کوئی اعتراض ہے تو فرمایا:

سوال سیکھنے کے لئے ہو نہ کہ اعتراض کے لئے:

وَمَنۡ يَّتَبَدَّلِ الۡكُفۡرَ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ۝١٠٨ اُس نے ایمان کو کفر سے تبدیل کر لیا اور سیدھے راستے سے گمراہ ہو گیا۔ یاد رکھیں! اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بارگاہِ نبوی ﷺ میں بڑے سوالات کئے ہیں اور یہ اُنہی سوالات کا حاصل ہے، پوری اُمت پر یہ اللہ کا کرم ہے کہ ہر حکم کی وضاحت ہو گئی اور صحابہ کرامؓ کے سوالات کی وجہ سے ساری تشریحات کھل کر سامنے آ گئیں لیکن بات کو سمجھنے کے لئے سوال کرنا عین سعادت ہے اور بات پر اعتراض کرنا بالکل مختلف چیز ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے جو حکم فرمایا اُس کی وضاحت کے لئے، اُسے جاننے کے لئے سوال کرنا سعادت ہے لیکن اعتراض کرنا بدبختی اور شقاوت ہے۔ اعتراض ایمان سلب کر لیتا ہے اور کفر میں لے جاتا ہے بلکہ حق یہ ہے کہ اگر کوئی بات موضوع بحث بھی ہو، کسی بات پہ مناظرہ بھی ہو، دونوں طرف دلائل بھی ہوں تو بھی ذاتِ اقدس رسول اللہ ﷺ کو موضوع بحث نہ بنایا جائے۔ یہ بھی ہماری بدنصیبی ہے کہ ادنیٰ سی بات ہوتی ہے تو اُس کے لئے ہم بلا تردد رسول اللہ ﷺ کا نام لیتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے والد اور دادا توحید پرست تھے:

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے ایک ضابطہ بنا دیا کہ جو سرکاری ادارے ہیں اور اُن میں جو زیادہ مؤثر مناصب ہیں، جنہیں آپ Keys job کہتے ہیں، وہاں پر اُن لوگوں کو لگایا جائے گا جن کے

والدین مسلمان ہیں، جو نئے مسلمان ہو رہے ہیں اُن کو نہیں لگایا جائے گا۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام کے خلاف سازشیں زوروں پر تھیں۔ اسلام دنیا کو تسخیر کرتا ہوا چلا جا رہا تھا اور لوگ جوق در جوق، فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے، ممالک فتح ہو رہے تھے۔ کفار اور مشرکین، یہود و نصاریٰ نے بھی سازشیں شروع کر رکھی تھیں کہ اپنے لوگوں کو برائے نام کلمہ پڑھا کر مسلمانوں میں داخل کر دیا اور کوشش کی کہ وہ کسی خاص منصب پہ پہنچ جائیں اور ہمیں وہاں کی خبریں دیتے رہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پابندی لگا دی کہ جس کا باپ مسلمان ہے اُس کو یہ جگہ دیں گے اور نئے مسلمان ہونے والے کو اس طرح کا کوئی عہدہ نہیں دیا جائے گا۔ ایک بدوی نے پیش ہو کر عرض کیا کہ حضور اکرم ﷺ کے والدین بھی تو مسلمان نہیں تھے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ہم پر کیوں پابندی لگاتے ہیں۔ اُن کا چہرہ مبارک جلال سے سرخ ہو گیا اور فرمایا، تو اتنا جاہل ہے کہ تو یہ بھی نہیں جانتا کہ حضور ﷺ کے اعلانِ نبوت فرمانے سے پہلے صرف وہی کافر تھے جو بت پوجتے تھے یا اللہ کے ساتھ شرک کرتے تھے اور جو اللہ کو وحدہٗ لاشریک مانتے تھے وہ کافر نہیں تھے۔ اعلانِ نبوت سے پہلے حضور ﷺ کی نبوت پر ایمان لانا ضروری نہیں تھا لیکن توحید باری کو ماننا ضروری تھا۔ تو والدین کی بات کر رہا ہے، حضور ﷺ کے دادا بھی اتنے کھرے مسلمان تھے کہ اللہ کو وحدہٗ لاشریک اور ہر چیز پہ قادر جانتے تھے۔ ایک ہی دلیل کافی ہے کہ جب آپ کے اونٹ ابرہہ کی فوج لے گئی تو سارے اہل مکہ شہر خالی کر گئے کہ ابرہہ کا لشکر حملہ کرنے چلا آ رہا ہے۔ حضرت عبدالمطلب اُس کے کیمپ میں تشریف لے گئے تو وہ بڑا خوش ہوا کہ یہ مکہ کا سردار آیا ہے اور یہ مجھ سے بات کرے گا۔ جب اُس نے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے اونٹ تمہارے فوجی ہانک کر لے آئے، شہر ہم نے خالی کر دیا ہے، ہماری تمہاری جنگ نہیں ہے تو پھر میرے اونٹ ہانک کر لانے کا تو کوئی مقصد نہیں تھا، آپ میرے اونٹ مجھے واپس دلوا دیں۔ اُس نے کہا میں تو سمجھا تھا کہ مکہ مکرمہ کا بہت بڑا لیڈر آیا ہے اور میرے ساتھ بیت اللہ کے بارے بات کرے گا، کعبہ کے بارے بات کرے گا، میں تو کعبہ کو ڈھانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے اونٹ دیئے ہیں، مجھے اونٹوں کا مالک بنایا ہے، میری فکر اپنے اونٹوں تک ہے لیکن جس گھر کو تو ڈھانا چاہتا ہے، اُس کا بھی ایک مالک ہے۔ اُس کی حفاظت میری ہمت سے باہر ہے لہٰذا میں اُس کی بات نہیں چھیڑتا، وہ خود اُس کی حفاظت کر سکتا ہے۔ بعثت عالی سے پہلے اس سے بڑا پختہ ایمان کسی کا دکھایئے! حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر تو نو مسلم نہ ہوتا تو میں تجھے ایسے دُرے لگاتا کہ ہمیشہ یادگار رہتی اور کوئی شخص انگلی اٹھانے کی جرأت نہ کرتا۔ چھوڑ اس لئے رہا

ہوں کہ تو تو مسلم ہے لیکن تیری دلیل درست نہیں ہے، تجھے عہدہ نہیں مل سکتا۔ وہ اتنی احتیاط فرماتے تھے کہ کوئی شخص محض جاسوسی کے لئے کلمہ پڑھ کر سرکاری دفاتر میں نہ گھس بیٹھے۔

تہذیبوں کا تصادم:

فرمایا ان کفار کی تو کوشش یہ ہے کہ کسی طرح تمہیں دین پر اعتراض سکھائیں۔ وہ تب سے اب تک لگے ہوئے ہیں، نئی حدیثیں گھڑی جا رہی ہیں یا وہ حدیثیں جنہیں علماء نے جھوٹی سمجھ کر چھوڑ دیا تھا کہ لوگوں نے از خود گھڑ لی ہیں، جنہیں ''وضعی'' کہتے ہیں، لوگوں نے وضع کر لی ہیں، اُن کا سہارا لیا جا رہا ہے۔ کہیں عورتوں کی امامت کا مسئلہ کھڑا کیا جا رہا ہے، کہیں پردے پہ اعتراض ہو رہا ہے، کہیں کسی اور بے حیائی کو روشن خیالی کا نام دے کر آگے لایا جا رہا ہے تو یہ ساری چیزیں کس طرح سے آ رہی ہیں؟ اس پر بین الاقوامی حکومتیں اور بین الاقوامی ریاستیں خوش ہو رہی ہیں اور متفق ہیں تو یہ سارے حیلے کیا ہیں؟ غذاؤں میں حرام شامل ہے، معاشی نظام کو اس طرح سود میں جکڑ دیا کہ کوئی سود سے بچ نہیں سکتا۔ جو مسلمان سود کھائے گا، اُس کا ایمان کتنا بچے گا؟ خوراک میں خنزیر کے اجزاء ملا دیں گے، دواؤں میں شراب ملا دیں گے اور یہ کافر بھی جانتا ہے کہ مسلمان حرام کھائے گا تو اُس کا ایمان خراب ہوگا، اُس طرح مضبوط نہیں رہے گا۔ اگر نہیں سمجھتا تو خود مسلمان، فکر نہیں کرتا تو خود مسلمان، ورنہ کافر بھی یہ بات سمجھتا ہے کہ مسلمان کو حرام کھلایا جائے اور پھر اُس کے اعمال میں رخنہ ڈالا جائے، تو جو کام نبی کریم ﷺ نے کرنے کا کہا ہے اُس پہ اعتراض کیا جائے، جس سے آپ ﷺ نے روکا ہے اُس کا جواز نکالا جائے تا کہ مسلمان کو گمراہ کیا جائے۔ آخر کیوں؟ مسلمان مسلمان رہے گا تو آپ کا کیا ہوگا؟ کیا سارے کافر ایک جیسے ہیں؟ کافروں کے بھی بے شمار عقیدے ہیں۔ عقائد مختلف ہیں لیکن کفر ایک ہی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: الکفر ملة واحدة۔ کفر ایک ملت ہے اُس کے رنگ کتنے ہوں، کتنے سارے کتے ہی ہوتے ہیں، اُن کے رنگ مختلف ہوں، نسلیں مختلف ہوں، قد مختلف ہوں، کوئی کاٹنے والا، کوئی شکاری ہے، کوئی چوکیداری کرنے والا ہے، کوئی محض آوارہ ہے، سب برابر ہیں۔ اس طرح کفر کی جتنی اقسام بھی ہیں، کفر ہونے میں سب برابر ہیں۔ کفر میں سب ایک ہیں۔ الکفر ملة واحدة کفر ظلمت ہے، تاریکی ہے جبکہ اسلام نری روشن خیالی ہی نہیں سراپا روشنی ہے، نور ہے۔ اب ظلمت اور نور کس طرح اکٹھے ہوں

گے، نور کے خلاف تو ظلمت سازشیں کرے گی۔ اگر روشنی پھیلے گی تو ظلمت کی موت ہے، تاریکی کی موت ہے۔ اسلام کی بقا کفر کے لئے موت ہے۔

امریکہ کے صدر نے ایک جملہ کہا تھا۔ وہ کبھی کبھی سچ بولتا ہے جیسے ایک دفعہ جنگ کے بارے کہہ دیا تھا کہ یہ صلیبی جنگ ہے پھر بعد میں کہا نہیں مجھ سے غلطی ہو گئی۔ لیکن بات تو منہ سے نکل گئی۔ اسی طرح اس کے منہ سے باتیں نکل جاتی ہیں۔ ایک دن افغانستان کی تباہی پہ تقریر کر رہا تھا تو جو جرم افغانوں کا گنوایا، وہ یہ تھا:

They were going to destroy our culture around the globe.

انہوں نے ایک ایسا معاشرہ بنا لیا تھا کہ ہماری تہذیب کو یہ روئے زمین سے مٹا دینے والے تھے۔ اُس نے لفظ تو ''کلچر'' استعمال کیا لیکن اُس کلچر میں اُن کا عقیدہ اور عمل دونوں شامل ہیں کہ جو ہمارا طرزِ زندگی، نظریات اور کردار ہے، جسے ہم تہذیب کہتے ہیں، اُسے یہ ختم کر رہے تھے اور واقعی صحیح بات تھی۔ آج تو دنیا بیدار ہے اور روئے زمین ایک ''گلوبل ولیج'' کا تصور دے رہا ہے، پوری دنیا ایک گاؤں بن گئی ہے۔ ہر جگہ کی خبر دوسری جگہ پہنچتی ہے، اتنے ذرائع ابلاغ ہیں۔ لوگ فطرتاً سکون چاہتے ہیں جو ایمان میں ہے، جو عمل صالح میں ہے، انصاف میں ہے، حق میں ہے۔ طالبان کی حکومت تباہ کرنے کے باوجود مغرب میں ہزاروں لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اس طرح کی عادلانہ حکومت جو چند روز رہی، اُس کا یہ اثر ہے کہ لوگ اسلام قبول کئے جا رہے ہیں۔ جس بے جگری سے وہ لڑے، جس طرح سے انہوں نے شہید ہونا قبول کیا، اہل مغرب کے لئے قرآن کریم کو پڑھنے کی ایک اور وجہ بن گئی ہے کہ کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ مرنے سے بھی نہیں ڈرتے، پرواہ ہی نہیں کرتے؟ آدمی سارے حیلے تو زندہ رہنے کے لئے کرتے ہیں، یہ عجیب لوگ ہیں، یہ مرنے کے لئے چل پڑتے ہیں۔ وجہ کیا ہے؟ شہداء کا قطرۂ خون بھی رائیگاں نہیں جاتا بلکہ وہ زمین میں فصل کی طرح بویا جاتا ہے اور پھر اُس سے سینکڑوں لوگ مسلمان ہوتے ہیں، پھر اُس پر ثمر لگتا ہے، پھل لگتا ہے، وہ اُگتا ہے۔ یہ میری آپ کی تقریروں سے یا ہماری کوشش سے نہیں، شہداءِ حق کے خون کی لالی ہے جو لوگوں کو نورِ ایمان بن کر نظر آ رہی ہے اور ایمان کی طرف دعوت دے رہی ہے۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر یہ اسرائیلی خود اعتراض کرتے تھے اُس طرح تم بارگاہِ محمد رسول اللہ ﷺ میں لب کشائی کرو۔ اگر کسی نے یہ جرات کی تو یہ یاد رکھو! وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ

یُّوۡحٰی○ (النجم: 3-4) آپ ﷺ کا نطق مبارک، آپ ﷺ کے لب ہائے مبارک، آپ ﷺ کی زبانِ مبارک پہ تب تک کوئی لفظ نہیں آتا جب تک اللہ کی طرف سے حکم نہیں ہوتا اس لئے اعتراض کی گنجائش وہاں نہیں ہے۔ جو فرما دیا وہ حق ہے، اُس میں شبے کی، اعتراض کی گنجائش نہیں ہے اور ایمان یہ ہے کہ صدق دل سے اُسے مانا جائے اور اُس پر عمل کرنے کے لئے جان لگا دی جائے اور اگر کوئی اعتراض کرے گا تو اُس نے ایمان کو کفر سے بدل لیا، ایمان سلب ہو گیا اور وہ کفر میں چلا گیا۔ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ﴿۱۰۸﴾ اور ہدایت کا راستہ چھوڑ کر گمراہی میں گم ہو گیا۔

وَدَّ کَثِیۡرٌ مِّنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ لَوۡ یَرُدُّوۡنَکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِکُمۡ کُفَّارًا ۚۖ اہل کتاب کی اکثریت کی تو یہی کوشش ہے کہ کسی حیلے، کسی بہانے تمہیں ایمان سے واپس کفر میں کھینچ لائیں۔ اُن کی ساری کوششیں، اُن کے ذرائع ابلاغ، اُن کے وسائل، اُن کے نظام اسی کام پر لگے ہوئے ہیں۔ ہمارے ایک حکمران نے کہا تھا کہ اسلام کی سزائیں وحشیانہ ہیں۔ اس ایک جملے کا تجزیہ کر کے دیکھ لیں کہ یہ جملہ کہنے والا فرد مسلمان ہے! اگر مسلمان تھا تو اس کے اظہار کے بعد وہ مسلمان رہا! جس نے حدود اللہ کو، قرآن حکیم کے احکام کو یا سنت رسول اللہ ﷺ اور ارشادات محمد رسول اللہ ﷺ کو ظالمانہ کہا، اس کے بعد گنجائش رہ جاتی ہے! ہم عجیب لوگ ہیں کہ ایسے ایسے لوگ ہم پر حکومت کرتے ہیں!

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ اعمالکم عمالکم۔ تمہارا کردار تم پر حکومت کرے گا۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم مسلمان نام کے تو ہیں، ہمارا کردار ایسا نہیں ہے کہ ہم پر حکمران بھی مسلمان ہوں، اچھے، نیک اور عادل ہوں، ہمارے گناہ متشکل ہو کر حکمران بن جاتے ہیں۔ جس طرح نادر شاہ ایرانی نے دہلی میں قتل عام کا حکم دیا تھا تو کسی نے اس پہ کہا تھا کہ:

شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

کہ یہ نادر شاہ دہلی ویسے نہیں آیا ہمارے گناہ مجسم ہو کر نادر شاہ بن گئے ہیں۔ ہمارا بھی یہی حال ہے کہ ہم کلمہ تو پڑھتے ہیں لیکن محمد رسول اللہ ﷺ سے وفا نہیں کرتے۔ نام نامی ﷺ آئے تو انگوٹھے چوم لیتے ہیں لیکن اطاعت نہیں کرتے، حکم نہیں مانتے۔ اسم گرامی ﷺ کو بطور تبرک، بطور سعادت اپنے نام کے ساتھ لگاتے ہیں لیکن نام کے ساتھ ''محمد'' لگا کر، محمد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرنا! یہ کتنی بڑی گستاخی ہے، کس قدر جہالت ہے، اپنے آپ کے ساتھ کتنی زیادتی ہے! ذرا سوچیں!

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ یہود و نصاریٰ کے ایجاد کردہ طرح طرح کے اعتراضات، دین میں نئی نئی اختراعات، نئے نئے رواج، کبھی ائمہ پہ اعتراض، کبھی ذکر اذکار پہ اعتراض، کبھی قرآن کی کسی تعبیر و تفسیر پہ اعتراض، کبھی کسی حدیث کے حکم پہ اعتراض، کبھی سنت پہ اعتراض، کیوں کرتے ہیں یہ؟ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ دل کی گہرائی سے چاہتے ہیں کہ تمہیں کافر بنا دیں، تمہیں مسلمان نہ رہنے دیں۔ اس لئے کہ اسلام کفر کے لئے موت ہے اور اپنی موت کون چاہتا ہے! حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ اور یہ کوئی کسی نادانی سے یا غلطی سے نہیں کر رہے۔ یہود و نصاریٰ یا کفار کسی غلط فہمی کی بنیاد پر نہیں کر رہے۔ اُن پر بھی ظاہر ہے کہ حق محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمایا ہوا ہے۔ اسلام حق ہے، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حق ہے، شریعت کے احکام حق ہیں۔ تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ اُن پر حق واضح ہو چکا ہے لیکن خود قبول کرنے کی توفیق نہیں ہوتی، خود مخالفت کر رہے ہیں اور جنہیں قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے، یہ چاہتے ہیں کہ انہیں بھی اس سعادت سے محروم کر کے اپنے ساتھ لے جائیں۔ فرمایا: فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا درگزر کرو، برداشت کرو حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۚ حتیٰ کہ اس معاملے میں اللہ کریم اپنا کوئی حکم بھیج دیں۔ تب تک جہاد فرض نہیں ہوا تھا اور کتنا مشکل کام تھا کہ ساری تکلیفیں برداشت کرو اور اُف تک نہ کرو۔ برداشت کرتے چلے جاؤ اور برسوں مسلمان برداشت کرتے چلے گئے۔ کیا عجیب لوگ تھے! آج یہ اعتراض بھی کئے جاتے ہیں کہ صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مسلمان تھے بھی یا نہیں، یہ تو وہ لوگ تھے جنہوں نے ہر دکھ کو سینے سے لگایا اور اُف تک نہیں کی۔

حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۚ تا آنکہ اللہ اپنا واضح حکم بھیج دیں۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٩﴾ کہ اللہ ہر چیز پہ قادر ہے۔ یا جہاد کا حکم آ جائے یا زندگی کے خاتمے کا حکم آ جائے، اللہ بہتر جاننے والا ہے اور وہ بہتر حساب کرنے والا ہے، وہ سب سے معاملہ طے کر لے گا۔ پھر جہاد کا حکم ہوا تو جہاد میں بھی قتل و غارت گری مطلوب نہیں ہے۔ باطل کو باطل کہنا اور حق کو حق ثابت کرنا جہاد ہے۔ جس ذریعہ سے ہو سکے، کہیں زبان سے بات کرنا جہاد ہے، کہیں قلم سے لکھنا جہاد ہے۔ سب سے بڑا جہاد اپنے کردار سے ثابت کرنا ہے اور جہاں ضرورت پڑے وہاں جان دینا اور جان لینا بھی جہاد ہے لیکن اس جہاد کا فیصلہ ہر فرد نہیں کر سکتا۔ دینی ادارہ جس کو اختیار قضا ہو، جس کے پاس حکم کا اختیار ہو اُس کا حق ہے کہ وہ فیصلہ کرے۔ ما و شما اٹھ کر ایک دوسرے کو

قتل کرنے لگ جائیں اور جسے جی چاہے کافر کہہ کر گولی ماردیں، یہ جہاد نہیں ہے۔

یہود و نصاریٰ کی سازشیں:

اس سے قبل ذکر ہوا کہ بنی اسرائیل ہر وہ حیلہ کرتے ہیں اور ہر وہ رویہ اپناتے ہیں جس سے مسلمانوں کو گمراہ کرسکیں۔ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا اہل کتاب خواہ نصاریٰ ہوں خواہ یہود، اُن کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ تمہیں ایسی چیزوں میں، ایسے امور میں، ایسی باتوں میں، کھانے پینے کے ایسے نظام میں الجھائیں کہ تم ایمان سے خارج ہو جاؤ اور وہ نہیں چاہتے کہ اللہ کی طرف سے تم پر رحمتیں نازل ہوں۔ فرمایا: ان سے اُس وقت تک درگزر کیجئے، برداشت کیجئے، جب تک اللہ کا حکم آجائے، اس لئے کہ اللہ ہر چیز پہ قادر ہے۔ اُس کے بعد جہاد کا حکم آ گیا۔ اُس وقت بھی ایک طریقہ ارشاد فرمادیا گیا جو آج بھی ویسا ہی موثر ہے جیسا اُس وقت تھا۔ یہود و نصاریٰ آج بھی ویسے ہی کوشش کر رہے ہیں۔ کبھی کھانے کی چیزوں میں حرام ملادیتے ہیں۔ اب دنیا پہ انہوں نے سودی نظام مسلط کر رکھا ہے جس میں ہم بھی پھنسے ہوئے ہیں۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ایسا زمانہ آئے گا کہ جو سود نہیں کھانا چاہتا اُس کے حلق تک بھی سود کا غبار جائے گا۔ اس وقت ہمارا عالم بھی وہی ہے کہ جو سود نہیں کھانا چاہتا وہ بھی جس معاشی نظام سے وابستہ ہے وہ سودی ہے۔ یہود و نصاریٰ کی یہ ساری کوششیں اس لئے ہیں کہ مسلمانوں کو دین برحق سے گمراہ کرسکیں۔ اب اس میں بہت سی چیزیں شامل ہیں جسے وہ تہذیب کہتے ہیں۔ آج کل ذرائع ابلاغ بہت ترقی کر گئے ہیں جن کے ذریعے، مختلف انٹرٹینمنٹ (Entertainment) کے ذریعے، تحریر و تقریر کے ذریعے، مالی معاملات کے ذریعے وہ تمہیں گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کا جواب یہ ہے کہ: وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ دو کاموں کا اہتمام کیجئے، ایک تو عبادات کو یقینی کر لیجئے کہ اللہ کے فرائض ہر قیمت پر ادا کرنے ہیں۔ فرائض میں کبھی کوتاہی نہ ہو اور جب تک حواس سلامت ہیں کسی کے لئے رخصت نہیں ہے۔ ہاں، آدمی کے حواس کھو جائیں، بے ہوش ہو جائے، وہ الگ بات ہے۔ جب تک حواس سلامت ہیں، بیماری، عذر، ہر ایک کا حل ہے۔ پانی نہیں ہے، تیمم کرلو، وضو کرنے کے لئے جانے میں خطرہ ہے، تیمم کرلو، بیماری کا ڈر ہے، کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے، بیٹھ کے پڑھو، لیٹ کے پڑھو، اشارے سے پڑھو لیکن ضرور پڑھو۔ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ۔ نماز کو قائم کرنے سے کیا ہوگا؟ یہود و نصاریٰ تو اتنے حربے کر رہے

ہیں اور ہم صرف نماز قائم کرتے رہیں۔ فرمایا: اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ (العنکبوت:45) وہ تمہیں بے حیا بنانا چاہتے ہیں، وہ تمہیں بُرائی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں لیکن جو بندہ اللہ کی عبادت باقاعدگی سے کرتا ہے اور فرائض ادا کرتا رہتا ہے تو فرائض کی ادائیگی اُسے بے حیائی اور بُرائی سے بچا لیتی ہے۔

دعا کی قبولیت:

ہمارے ہاں ایک اور بڑی غلط فہمی ہے، دین اللہ کریم کی اطاعت کا نام ہے، سودے بازی کا نام نہیں ہے کہ میں تیری نماز پڑھتا ہوں، تو میرا یہ کام کردے، یہ دین نہیں ہے۔ وہ عبادت کا مستحق ہے، ساری نعمتیں جو ہمارے پاس ہیں، ہمیں اُس نے دی ہیں۔ جو اُس نے نہیں دیں، یہ بھی اُس کا حق ہے کہ جو چاہے دے، جو چاہے روک لے۔ وہ ایسا کریم ہے کہ جو چیز ہم سے روک لیتا ہے، اُس کا رُک جانا بھی ہمارے فائدے میں ہوتا ہے۔ اگر ہمیں سمجھ نہ بھی آئے تو یہ جان لیجئے۔

ایک معمولی سی بات ہے کہ ایک بچہ چمکدار چاقو یا چھری کو دیکھ کر لپکتا ہے لیکن اُس کی ماں اسے کوئی اور کھیلنے کی چیز پکڑا دیتی ہے۔ اب وہ بچہ تو شور کر رہا ہے کہ مجھ سے چھری چھین لی گئی لیکن وہ نہیں سمجھتا کہ اس چھری سے وہ اپنا نقصان کرسکتا ہے۔ اللہ کا کرم اپنی مخلوق پر بچے کے ساتھ ماں کے کرم سے کہیں زیادہ ہے۔ جو چیزیں وہ اپنی مخلوق کو نہیں دیتا، اس لئے نہیں دیتا کہ اُس میں مخلوق ہی کا نقصان ہے لیکن اُسے محروم نہیں رکھتا، اُس کے بدلے کچھ اور دے دیتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بندۂ مومن کی دعا رائیگاں نہیں جاتی۔ ہر دعا جو وہ کرتا ہے، قبول ہو جاتی ہے۔ ہم یہ سوچتے ہیں کہ میں نے دعائیں تو بہت کیں لیکن قبول نہیں ہوئیں۔ ہوتا یہ ہے کہ جب ہم دعا کرتے ہیں، ایک چیز مانگتے ہیں تو ہوسکتا ہے وہ چیز ہمیں نقصان دے، ہمارے حق میں اُس کا نتیجہ بہتر نہ ہو۔ وہ ایسا کریم ہے کہ اُس کے بدلے جو ہمارے حق میں بہتر ہے وہ دے دیتا ہے، دعا ضائع نہیں جاتی۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مانگنے والا جو مانگ رہا ہے وہی چیز ملتی ہے لیکن وقت کا تعین اُس کی طرف سے ہوتا ہے۔ اُس میں تاخیر ہوسکتی ہے۔ کچھ وقت بعد ملتی ہے اور تب تک ہم یہ بھول چکے ہوتے ہیں کہ میں نے دعا بھی کی تھی۔ اگر کوئی ایسی دعا ہو کہ جس کا بدلہ اُسے دنیا میں نہ دیا جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ میدان حشر میں جب حساب ہوگا اور ملائکہ عرض کریں گے کہ بار الٰہا تیرے اس بندے کے جتنے اعمال ہمارے پاس

تھے، اچھے یا بُرے، ہم نے ترازو پہ رکھ دیئے تو ارشاد ہوگا کہ اس کی کچھ امانت میرے پاس بھی ہے جو تمہارے ریکارڈ میں نہیں ہے۔ وہ صرف میرے پاس ہے وہ بھی لے آؤ اور اس کے نیک اعمال میں رکھ دو۔ فرشتے حیران ہوکر عرض کریں گے کہ بارِالٰہا ایسا کون سا عمل ہے جو اس نے سیدھا تیرے پاس رکھ دیا؟ فرمایا جائے گا اس کی وہ دعائیں جن کا بدلہ دنیا میں نہیں دیا گیا، اس کے حق میں محفوظ ہیں، آج اس کے ترازو میں رکھ دو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ بڑے بڑے مستجاب الدعوات لوگ اُس روز خواہش کریں گے کہ کاش دنیا میں میری کوئی دعا قبول نہ ہوئی ہوتی اور آج مجھے یہ سارا اجر ملتا۔ تو دعا ضائع نہیں جاتی، دعا ضرور قبول ہوتی ہے، ہاں ایمان اور خلوص ہو۔ کافر اور بدعقیدہ کی دعا کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وَمَا دُعَآءُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ○ (الرعد:14)

ثواب کیا ہے؟

تو فرمایا اس کا جواب تم یہ دو کہ تہذیب کے نام پر جو یہ بے حیائی پھیلا رہے ہیں، اس کے تدارک کے لئے وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ تم اپنے فرائض مستقل ادا کرو۔ فرائض سے کیا ہوگا؟ ہمیں ایک غلط فہمی میں الجھا دیا گیا ہے کہ ثواب ملے گا۔ وہ ثواب کیا ہے؟ کوئی ٹھوس چیز ہے، مائع ہے، سرمایہ ہے، ثواب کیا ہے؟ قرآن حکیم ثواب سے مراد لیتا ہے، اجر یا بدلہ اور کافروں کو بدلے میں سزا ملے گی۔ کفار کے حق میں بھی کہتا ہے، یہی ان کے کرتوتوں کا ثواب ہے۔

هَلْ ثُوِّبَ الْکُفَّارُ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ○ (المطففین:36) کافروں کو کیا ثواب ملے گا؟ وہی ملے گا جو ان کا کردار ہے۔ مطلب ہے کردار پہ جو نتیجہ مرتب ہوتا ہے اُس تھوڑے تھوڑے کا نام ثواب ہے۔ یہ جو فرائض پنجگانہ ہیں، ان کا ثواب یہ ہے کہ ایک تو قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے کہ ہر وقفے کے بعد بندہ اللہ کے حضور پیش ہو کے اپنی گزارشات کرتا ہے۔ پھر اس کا ثواب مزاج پہ پڑتا ہے تو ہر سجدہ، ہر رکوع، ہر قیام مزاج میں تبدیلی لاتا جاتا ہے۔ کفار و مشرکین جو بے حیائی اور فحاشی پھیلا رہے ہیں، وہ اس پر اثر نہیں کرتی اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ (العنکبوت:45) فرائض کی ادائیگی بُرائی اور بے حیائی کے درمیان دیوار بن جاتی ہے۔ جس بندے کو یہ حضوری حاصل ہو کہ ابھی میں اپنے اللہ کے حضور پیش ہو کر آیا ہوں اور میں نے اس کے روبرو اپنی گزارشات اپنی زبان سے عرض کی ہیں اور دو گھنٹے بعد مجھے پھر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونا ہے، اب اُن دو گھنٹوں میں وہ فحش کلامی کیوں کرے گا، بے حیائی کی طرف کیوں جائے گا! لیکن

یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ اُسے صلوٰۃ کا ادراک ہے اور مقصود بھی وہی ہے۔

دنیاوی مال واسباب اللہ کی امانت ہے:

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ مال میں سے اللہ نے جو حصہ رکھا ہے وہ دیتے رہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہیں یہ یقین رہے گا کہ یہ مال میرا نہیں ہے، میرے پاس امانت ہے، جو اللہ نے چاہا وہ اُس نے واپس لے لیا، مجھے دینا پڑا۔ اب جتنا میرے پاس باقی ہے، اُس کے خرچ کرنے کا بھی اُس نے سلیقہ اور طریقہ مجھے بتا دیا ہے۔ اگر اُس طریقے کے مطابق خرچ کروں گا تو اطاعت بھی ہوگی، نفع بھی ہوگا، کھاؤں پیوں گا بھی، استعمال بھی کروں گا۔ اگر اُس کے خلاف ہوگا تو بددیانتی ہوگی اور میری جواب طلبی ہوگی۔ یہ دو احساس زندہ رہیں کہ ذاتی طور پر بندہ حضورِ بارگاہِ الٰہی میں رہے کہ ابھی مجھے چند لمحے بعد پھر اللہ کے حضور پیش ہونا ہے، ابھی میں نماز سے فارغ ہوا ہوں، ابھی پھر نماز کا وقت آ رہا ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ، دن کو شروع بھی اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو کر کرتا ہے اور دن کو ختم بھی اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو کر کرتا ہے اور پھر سو جاتا ہے۔ اس کا ثواب یہ ہوگا کہ فرائض پنجگانہ بے حیائی اور بُرائی کے درمیان رکاوٹ بن جائیں گے۔

زکوٰۃ دیتے رہو کہ تمہیں یہ ادراک رہے کہ اگر میں ارب پتی بھی ہو گیا ہوں تو یہ اربوں روپے میرے نہیں ہیں، میرے پاس اُس کی امانت ہے۔ وہ بھی تو اُسی کی مخلوق ہے جو میری زکوٰۃ کی منتظر بیٹھی ہے۔ وہ قادر تھا کہ مجھے زکوٰۃ لینے والوں میں کر دیتا، میرا حصہ کسی اور کے پاس چلا جاتا اور پھر وہ زکوٰۃ مجھے پہنچاتا۔ اُس نے مجھ پر احسان فرمایا کہ دوسروں کا حصہ مجھے دے دیا اور میں اُنہیں اپنے ہاتھ سے دیتا ہوں۔ اُس نے تو مجھے بہت بڑا مقام عطا فرمایا۔ پھر یہ مال اُس کا ہے اور اُس کی اجازت سے مجھے خرچ کرنا ہے۔

کفار جتنی سازشیں بھی کرتے رہیں اگر تم حب جاہ میں، اپنی انا میں اور حب مال میں گرفتار نہیں ہو گے تو اُن کا کوئی داؤ تم پر کارگر نہیں ہوگا۔ اپنے اردگرد دیکھ لیجئے، جو بندہ بھی پھسلتا ہے اپنی انا میں گرفتار ہو کر پھسلتا ہے، حب جاہ میں آ کر پھسلتا ہے یا مال کے لالچ میں آ کر پھسلتا ہے۔ فرمایا: یہ دونوں فرائض، صلوٰۃ پنجگانہ اور ادائیگی زکوٰۃ، ان کی باقاعدگی تمہیں کفار کی سازشوں سے، اہل کتاب کی سازشوں سے بچانے کا سبب بنے گی اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ ان سے فائدہ تو تم نے دنیا میں بھی لے لیا۔ صلوٰۃ کی ادائیگی سے تم فحاشی سے اور بے حیائی سے بچ گئے، بُرائی سے بچ گئے اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے تم مال کے لالچ سے بچ گئے۔

اس کے باوجود چونکہ تم یہ کام اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہو، اس کا اجر آخرت میں بھی ہوگا۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے:

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ جو بھی نیک عمل تم کرتے ہو، وہ دنیا میں فائدہ دیتا ہے اور آخرت میں، تمہارے گھر، تمہارے لئے جمع ہوتا رہتا ہے۔ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ جب تم آؤ گے، تم دیکھو گے کہ اللہ نے تمہارے لئے محفوظ رکھا ہے۔ یہ تم ایسے سمجھو کہ یہاں تم وطن سے دور، گھر سے باہر مزدوری کر رہے ہو۔ جو اطاعت الٰہی کرتے ہو، یہ وہ سرمایہ ہے جو تم پردیس سے گھر بھیج رہے ہو۔ جیسے لوگ یہاں سے باہر دور دراز ملکوں میں جاتے ہیں، محنت مزدوری کرتے ہیں اور وہ اپنا سرمایہ گھر بھیجتے رہتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ یہاں تو گھر والے اُجاڑ دیتے ہیں لیکن تم اپنے اُس گھر کے لئے جو سرمایہ بھیج رہے ہو وہ ضائع نہیں ہوگا۔ صرف صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی بات ہو رہی ہے۔ کفر کی ساری سازشوں سے جو ماحول خراب ہوتا ہے، جس کا آج ہمیں شکوہ ہے کہ ہماری اولادیں بگڑ گئیں، بیٹا ساری رات کمپیوٹر پہ بیٹھا رہتا ہے اور نہ جانے کیا دیکھتا رہتا ہے، وہ اس لئے دیکھتا ہے کہ نہ ہم نے خود فرائض کی ادائیگی کی اور نہ اولاد کو فرائض کی ادائیگی سکھائی۔ تدبیر یہ بتائی کہ تم اپنے آپ کو باقاعدہ کرلو، تم پر لازم ہے۔ اگر نہیں آؤ گے تو ہر صلوٰۃ کے وقت تمہاری غیر حاضری لگے گی، یہ حاضری تم پر لازم ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو، فرائض ادا کرو اور مال کی محبت کے اسیر نہ ہو جاؤ۔ جتنا مال وہ دیتا ہے، اُس میں سے جو زکوٰۃ فرض ہے وہ دو، صدقات دو اور اُسے اللہ کی امانت سمجھو۔ اگر یہ دو چیزیں تم نے قائم کرلیں تو کافروں کا داؤ تم پر نہیں چلے گا۔ اللہ تمہیں بے حیائی اور برائی سے بھی محفوظ رکھے گا۔ دنیا میں یہ فائدہ حاصل کرنے کے بعد جو تمہارا گھر نہیں ہے، پردیس ہے جہاں تم ایک خاص وقت تک کے لئے آئے ہو اور یہاں سے گھر جانا ہے، تو ہر سجدہ، ہر رکوع، ہر پیسہ، ہر پائی، جو حق پہ خرچ ہو، ہر کلمہ خیر جو تم کہتے ہو، ہر نیک عمل جو تم کرتے ہو، اس کی تمہارے اصلی گھر کے لئے ترسیل ہو رہی ہے۔ وہاں اللہ اس کا محافظ ہے، اللہ کے پاس تمہاری امانت ہے۔ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ تم وہ سب کچھ اللہ کے پاس پاؤ گے، تمہارے لئے محفوظ ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ نیکی کر کے تمہیں کوئی رسید لینی پڑے اس لئے کہ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾ جو عمل بھی تم کرتے ہو، وہ خود ذاتی طور پر ملاحظہ فرما رہا ہے، تمہارا کوئی عمل ضائع نہیں جائے گا اور نہ وہ ضائع ہونے دیتا ہے۔

جنت کی حقیقت:

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ یہودیوں نے کہا کہ ان کے علاوہ

کوئی جنت میں نہیں جائے گا، نصرانی کہنے لگے نصاریٰ کے علاوہ کوئی جنت میں نہیں جائے گا لیکن تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ یہ محض اُن کی خواہشات ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ آرزو کی کوئی حیثیت نہیں، ایک گدا بھی چاہے تو وہ شہنشاہ ہونے کی آرزو کرسکتا ہے لیکن آرزو سے وہ شہنشاہ تو نہیں ہوجاتا۔ فرمایا تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ یہ اُن کی آرزوئیں اور دل بہلانے کی باتیں ہیں۔ انہیں فرمایئے: قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١١١﴾ اگر اس کی کوئی دلیل اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ہے تو وہ لاؤ۔ پھر ایک معیار ارشاد فرمادیا کہ جنت جانے کا معیار کیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جنت کی اپنی ذاتی حیثیت کیا ہے؟ جنت مطلوب ومقصود نہیں ہو سکتی۔ جنت بھی مخلوق ہے اور مخلوق مقصود نہیں ہوتی۔ مقصود خالق اور خالق کی رضا ہے، جنت ایک خاص گھر ہے جو اللہ کے اُن بندوں کی رہائش گاہ ہے جن پر اللہ راضی ہوگیا۔ جنت فی نفسہٖ مقصود نہیں۔ جنت اس لئے مانگی جاتی ہے کہ اللہ مجھے بھی اُن بندوں میں شامل کرلے جو جنت میں رہنے کے حقدار ہوں گے۔ مقصد رضائے باری ہے لیکن ہر مذہب میں، جس طرح آج ہمارے ہاں بھی صرف جنت کی بات کی جاتی ہے، اللہ کی رضا اور اللہ سے تعلق اور رابطے کی بات کم ہوتی ہے۔ ہر بات پہ ہمیں جنت ہی دی جاتی ہے، پیسے مجھے دے جاؤ تمہیں جنت مل جائے گی، یہ اچھی چیز جو تمہارے پاس ہے مجھے دے دو، تمہیں جنت مل جائے گی اور دینے والا بھی نہیں سوچتا کہ جو شخص خود مانگ کر لے رہا ہے، یہ جنت مجھے کہاں سے خرید کر دے دے گا! اسی طرح آپ عاملوں کے اشتہار دیکھیں کہ جو کام چاہو کرالو۔ اپنے سارے کام کیوں نہیں کرالیتے، لوگوں کے لئے کیوں راستے پہ بیٹھے ہو؟ لیکن دنیا لالچ اور پیسے میں مبتلا ہو کر اور خواہشات کی اسیر ہو کر ان ٹھگوں کے ہتھے چڑھتی رہتی ہے۔ اسی طرح ہم نے بھی یہ بنالیا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو یا نہ کرو، بس گیارہویں شریف کردو، جنت ہماری ہوگئی، فلاں عرس میں اتنے پیسے دے دو، جنت ہماری ہوگئی۔ اتباع نبوی ﷺ کی بجائے صرف محفل نعت کرادو، ختم پڑھادو تو جنت ہماری ہوگئی۔ فرمایا: نہیں، اللہ کے احکام پر عمل کیے بغیر یہود و نصاریٰ بھی یہی دعویٰ کرتے چلے آئے کہ جنت ہماری ہے۔ جنت ہے کس کی؟ فرمایا:

بَلٰی ۚ۔ ہاں بات یہ کریں کہ جنت ہے کس کی! مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ جس نے اللہ کی بارگاہ میں سرِ تسلیم خم کردیا، اللہ کے حکم کو مانا، اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مانا، اللہ کی ذات کو، اُس کی صفات کو، اس کی کتاب کو، اُن ضروریات کو جو اللہ کا رسول ﷺ منواتا ہے، مانا اور صدق دل سے مانا، خلوص سے مانا، یعنی اُن کو صرف زبانی مانا ہی نہیں بلکہ اُن کو اپنالیا اور مجسم اُس رنگ میں رنگا گیا۔

فوجی چھٹی آتے ہیں یا بازار میں گھوم رہے ہوتے ہیں تو ان کی چال ڈھال، لباس کو دیکھ کر بندہ کہتا ہے کہ یہ فوجی ہے، عام شہری نہیں ہے۔ وہ سول لباس میں بھی ہوں اُن کے چلنے کا انداز اور وضع قطع عام سویلین سے الگ ہوتی ہے۔ اسی طرح پتہ چلے کہ اس نے اللہ کو مان لیا، محض دعویٰ نہیں کیا۔ میں کہہ دوں کہ میں فوجی ہوں تو اس سے میں فوجی نہیں ہو جاؤں گا یا کوئی شخص فوج میں نہیں ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں فوجی ہوں تو کیا ہو جائے گا، نہیں!

فرمایا: یہی حال یہود و نصاریٰ کا تھا کہ جنت ہماری ہے۔ تم اس مرض میں مبتلا نہ ہو جاؤ کہ میں نے یہ کر دیا، جنتی ہو گیا، میں نے وہ کر دیا، جنتی ہو گیا، نہیں۔ بَلٰی ۚ ہاں ایک طریقہ ہے۔ مَنْ اَسْلَمَ جو اسلام لایا۔ اس نے اپنا رخ اللہ کی طرف پھیرا اور خلوص دل سے پھیرا۔ پھر اُس کی بول چال، اُس کا کردار، اس کی عبادت، اُس کا لین دین، اُس کی خرید و فروخت، اُس کی دوستی، اُس کی دشمنی یہ بتاتی ہے کہ یہ مسلمان ہے۔ جس کی ہر ادا یہ بتائے کہ یہ فوجی ہے، سونے کا بھی پابند ہے، جاگنے پہ بھی مجبور ہے، کھانا بھی ملتا ہے، فاقے بھی کرنے پڑتے ہیں۔ ایک ترتیب میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ سارا دن کھاتا بھی ہے، روک بھی لیا جاتا ہے کہ فجر سے مغرب تک کچھ نہیں کھا سکتا۔ بھوکا پیاسا بیٹھا رہتا ہے لیکن اسے مجبوری نہیں سمجھتا۔ ملازم ہے، فوجی ہے، کیا کرے گا! فوج نہیں جو باندھ کے رکھے، یہ وہ فوج ہے جو خلوص دل سے اختیار کی جاتی ہے اور جو دل میں بستی ہے۔ فرمایا: جنت اس شخص کی رہائش گاہ ہے جس نے اپنا رخ اللہ کی طرف پھیرا اور سر تسلیم خم کر دیا وَهُوَ مُحْسِنٌ اور وہ مخلص بھی ہو، خلوص دل سے مسلمان ہو۔ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اللہ کے پاس اُس کا بڑا اجر ہے۔

خوف و حزن کا علاج اطاعت الٰہی:

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ایسے لوگوں کو نہ کوئی آئندہ کا ڈر ہوگا نہ گذشتہ کا افسوس۔ خوف ہوتا ہے آنے والے حادثے کا اور حزن ہوتا ہے جو بیت چکا ہو۔ کوئی چیز ضائع ہو جائے تو اس کے صدمہ کو حزن کہا جاتا ہے، کوئی آنے والا خطرہ ہو تو اُس کا خوف اور ڈر رہتا ہے۔ فرمایا: ایسے لوگ جنہوں نے خلوص دل سے اللہ کی عظمت قبول کر لی، اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت کر لی، فرائض کے پابند ہو گئے، مال کو حلال کر لیا، جب اللہ کا مال ہے اور اللہ کی طرف سے لینا ہے تو پھر چوری اور رشوت کی کیا ضرورت ہے! حلال کمایا، پھر اُسے اللہ کا مال سمجھ کر اُس میں سے مساکین کا حصہ مساکین کو دیا، جو اپنے لئے تھا اُسے جائز حدود میں خرچ کیا، تو دنیا میں بھی وہ پُرسکون زندگی گزاریں گے، موت اُن کی پُرسکون ہوگی، قبر اُن کی پُرسکون ہوگی، آخرت اُن کی پُرسکون ہوگی اور یہ سارے لطف اُن لوگوں کے لئے ہوں گے جنہوں نے صدق دل سے اللہ کی اطاعت کی۔

عصر حاضر کا تقاضا:

ہمارے اس عہد کا ایک بہت بڑا سوال ہے جس کا جواب کبھی ہم ٹیلی ویژن کی دکانیں جلا کر دیتے ہیں، کبھی کسی کا ٹیلی ویژن توڑ کر، ہم سمجھتے ہیں کہ یہ برائی ختم ہو جائے گی۔ اگر ملک میں کروڑوں ٹیلی ویژن ہیں، آپ نے اُن میں سے چار توڑ دیئے تو کیا ہوگا؟ کسی غریب کی دکان جلا دی تو کیا ہوگا؟ یہ اس کا علاج نہیں ہے۔ اگر اُس آلے سے بات اتنی دنیا تک پہنچتی ہے اور کافر اُسے بُرائی پھیلانے کے لئے استعمال کر رہا ہے تو وہ تو ایک آلہ ہے، آپ اُسے اپنی بات پہنچانے کے لئے استعمال کیجئے۔ آپ بھی اللہ کی بات کیجئے، اللہ کے حبیب ﷺ کی کیجئے، کتاب کی کیجئے، سنت کی کیجئے، اخلاق کی کیجئے اور جس بات کو مٹانے کے لئے کافر اُس آلے کو استعمال کر رہے ہیں، اپنی بات کو پہنچانے کے لئے آپ استعمال کیوں نہیں کرتے! آپ انٹرنیٹ پہ کیوں پروگرام نہیں دیتے، اللہ کے بندے دے رہے ہیں، الحمدللہ! اچھے پروگرام آ رہے ہیں، ٹیلی ویژن پہ بھی آتے ہیں، انٹرنیٹ پہ بھی آ رہے ہیں اور اُس کے ساتھ تمہارے پاس دوسری ڈھال ہے، خود بھی بچ سکتے ہو، متعلقین کو بھی بچا سکتے ہو، اولادوں کو بھی بچا سکتے ہو، وہ یہ کہ اللہ کی بارگاہ کی حضوری کو مستقل کر لو۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ نماز صرف پڑھو نہیں، قائم کرو۔ نماز کا قائم کرنا یہ ہوتا ہے کہ اُس کے ہر ہر رکن کی احتیاط کی جائے، وقت کو سمجھا جائے، لباس کی طہارت، وضو کا طریقہ، رکوع و سجود سنت کے مطابق ہو۔ پھر قیام صلوٰۃ سے یہ مراد ہے کہ تم ایک تحریک بن جاؤ، جو جو تم سے متعلق ہو وہ نماز قائم کرتا جائے۔

اگر کوئی ایسا ہے جس کی کوئی نہیں سنتا، وہ بھی اپنی جان پہ تو حاکم ہے۔ **کلکم راع** تم میں سے ہر ایک حاکم ہے۔ **وکلکم مسئول عن رعیته**۔ اور ہر ایک سے، اُس کے دائرہ کار میں جو کچھ آتا ہے، اُس کے بارے پُرسش ہوگی تو اقامت صلوٰۃ یہ ہے کہ جہاں تک دائرہ کار ہو لوگوں کو فرائض کا پابند کرتے جاؤ، مال کو اللہ کا مال سمجھو، اس کی راہ میں خرچ کرو، اُس کے حکم کے مطابق خرچ کرو۔ یہ دو باتیں تم اپنا لو تو کافر کا سارا پراپیگنڈہ ناکام ہو جائے گا اور یہ چیزیں تمہیں بے حیائی سے اور برائی سے بچالیں گی۔

رہی جنت جانے کی بات، ہمارا سفر تو یہ تھا کہ ہم مشت غبار تھے، ہماری کوئی حیثیت نہیں تھی، اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں اللہ کے روبرو کر دیا۔ کیسی عجیب بات ہے، صلوٰۃ کا وقت ہو گیا تو حضور ﷺ فرماتے، اللہ کے حضور حاضری دینے کا وقت ہو گیا ہے، تو بھی میرے ساتھ برابر کھڑا ہو جا اور اپنی حاضری لگوا، میں اپنے دل کی کہتا ہوں تو اپنے دل کی کہہ لے۔ نمازی کے آگے سے گزرنے سے جب حضور ﷺ نے

منع فرمایا تو ساتھ دلیل یہ فرمائی فانہ یناجی ربہ۔ اُس کے سامنے سے نہ گزرو، وہ اپنے پروردگار سے سرگوشی میں بات کر رہا ہے، تم درمیان میں مت آؤ۔ اب ایک بندے کے لئے اس سے بڑا کوئی مقام ہے کہ وہ سیدھا اللہ کریم سے گفتگو کرے اور محمد رسول اللہ ﷺ نے ہر کلمہ گو کو یہ حیثیت بخش دی۔ وہ پڑھا لکھا ہے یا ان پڑھ ہے، وہ مرد ہے عورت ہے، وہ امیر ہے فقیر ہے، وہ صحت مند ہے بیمار ہے، وہ طاقتور ہے کمزور ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی برکت یہ ہے کہ یہ جس کے دل میں اُتر گیا وہ دن میں پانچ مرتبہ اپنا سارا حال احوال اللہ سے زیر بحث لا سکتا ہے۔ اپنی بات کر سکتا ہے، گزارشات کر سکتا ہے۔ ایک مشت غبار کو اتنا قریب کر دیا کہ یہ بے قیمت مٹی اللہ کے عشق کی دعوے دار بنتی ہے اور اللہ کی محبت کا دعویٰ لئے پھرتی ہے اور اللہ سے وصل کی طالب بنی پھرتی ہے۔ اب اس کی حیثیت دیکھو، ڈاکٹر سارے وجود کی کوئی ڈھائی روپے قیمت بتاتے ہیں، اس میں جو مختلف عناصر ہیں ان کو اگر الگ الگ کر کے، تول کر بازار میں بیچا جائے تو شاید ڈھائی روپے کے بکتے ہیں۔ اس کی حیثیت دیکھو اور اس کی طلب دیکھو! اب ہمارا ایک برائے نام مولوی اللہ اور بندے کے درمیان آ گیا ہے جو مولوی نہیں ہے، مولوی کہلاتا ہے۔

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے عرض کیا کہ حضرت مولوی بڑے چور ہو گئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا نہیں، بات یہ نہیں، بات یہ ہے کہ چوروں نے داڑھیاں بڑھا لی ہیں۔ اسی طرح دینی شعبے میں بھی عالم تو عالم ہے اور عالم ہمیشہ اللہ کی طرف بلاتا ہے لیکن جو داڑھیاں بڑھا کر پیشہ ور آ گئے ہیں، انہوں نے ہمیں اللہ سے محروم کر کے جنت ''اورینٹڈ''، (Oriented) کر دیا ہے۔ اسلام تھا اللہ ''اورینٹڈ''۔ اسلام تھا بندے کا اللہ سے معاملہ، انہوں نے اللہ درمیان سے ہٹا ہی لیا اور بجائے اللہ کی رضا کو مقصود بنانے کے جنت کو مقصود بنا دیا۔ یہی علمائے یہود نے کیا تھا، لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ یہی علمائے نصاریٰ نے کیا تھا۔ یہی آج ہمارے ساتھ ہمارا برائے نام مولوی کر رہا ہے جو عالم نہیں، جس کا پیسہ کمانا یا روزی کمانا مقصد ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سارا سال عمل کرنے کی ضرورت نہیں، ایک محفل نعت کرا دو جنت تمہاری ہو گئی۔ اُس پہ انہیں کھلاؤ پلاؤ، انہیں پیسے دے دو لیکن خود پیسے لئے بغیر نعت بھی نہیں پڑھتے۔ اگر ہمیں پیسے دے کر نعتیں پڑھانے سے جنت ملتی ہے تو کیا تمہیں پیسے لے کر ملتی ہے، کیا عجیب اصول ہے! اب اگر تم نعت پڑھنے کے لئے آئے ہو تو تم نعت بھی پڑھو اور کچھ پیسے بھی دے کر جاؤ۔ تم نے تو ادھر سے پیسے وصول کر لئے، پھر جنت کہاں ملے گی، یہ سودا تو ختم ہو گیا۔ ہم نے پیسے دے دیے آپ نے لے لئے تو پھر جنت درمیان میں کہاں!

رضائے الٰہی:

دوسری بات یہ ہے کہ مومن جنت ''اورینٹڈ'' ہے ہی نہیں، مومن اللہ ''اورینٹڈ'' ہے۔ مومن کا مقصد اللہ کی ذات کا حصول ہے، اللہ کی رضا ہے۔ جنت تو ایک سرٹیفکیٹ ہے۔ ہم کہتے ہیں ہمیں سند ملنی چاہئے۔ اب سند مقصد ہے یا تعلیم مقصد ہے؟ مقصد تو تعلیم ہے۔ سند تو ہمارے پاس دلیل ہے کہ یہ میٹرک ہے یا بی اے ہے یا ایم اے ہے۔ جنت تو ایک سند ہے، اس بات کی دلیل ہے کہ اس بندے پہ اللہ راضی ہے۔ اب جنت خود مقصد نہیں ہے، مقصد تو رضائے باری ہے۔ جب رضائے باری کی بات آتی ہے تو پھر اطاعت رسول ﷺ کی بات آ جاتی ہے۔ اللہ کی رضا کہاں ہے؟ اللہ سے محبت کرو۔ کیسے کریں؟ اللہ نہ دکھائی دیتا ہے، نہ اُس کی مثال ہے، نہ ہم سوچ سکتے ہیں تو محبت کیسے کریں؟ محبت کرنے کے لئے احساسات تب پیدا ہوتے ہیں جب ہم کسی کو دیکھتے ہیں، سمجھتے ہیں، سنتے ہیں۔ اللہ کی بات ہم نہیں سن سکتے، صرف نبیؐ سنتا ہے۔ اللہ کو ہم دیکھ نہیں سکتے، اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ ہماری عقل، ہمارا علم محدود ہے اور وہ حدود سے وریٰ الوریٰ ہے تو محبت کیسے کریں؟ فرمایا: آؤ میں بتاتا ہوں، میرے نبی ﷺ! ان سب کو بتائیے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ (آل عمران: 31) تمہیں اگر اللہ سے محبت کا شوق ہے فَاتَّبِعُوْنِيْ تو میری اطاعت کرلو، جو محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وہ کرلو تو پھر کیا ہوگا؟ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ پھر اللہ تم سے محبت کرے گا۔

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ جب وہ تمہارے دل میں یہ احساس ڈال دے گا کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے تو تمہارے دل میں بھی اُس کی محبت پیدا ہو جائے گی۔ محبت کرنی ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی کرلو۔ اب اگر اللہ کی بات آئے تو یہ ساری باتیں آئیں گی اور یوں ہی سیدھی سیدھی جنت مل جانے کی غلط فہمی میں مبتلا ہو تو اس سارے جھمیلے میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے! آج کے مسلمان کو اسی زعم باطل میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔

علمائے یہود نے بھی یہی کیا، علمائے یہود و نصاریٰ نے بھی یہی کیا کہ جاؤ ''ربی'' (Rabbi) کو جا کر بتا دو، پوپ کو جا کر کہہ دو اور اُسے کچھ فیس دے دو، گناہ معاف ہو گئے اور تم مزے کرو جو جی چاہو کرلو، پھر سنڈے کو گرجا میں آنا اور پوپ کو بتا دینا، وہ رائٹ آف (Right off) کر دے گا، جاؤ مزے کرو، تم جنتی کے جنتی! اب ان کا مقصد چونکہ جنت ہے، جنت تو مل گئی لیکن اگر مقصد اللہ کی رضا ہوتا تو بندہ کیسے سرٹیفکیٹ دیتا؟ اُس کا سرٹیفکیٹ تو اللہ ہی دے سکتا ہے۔ اُس نے بتا دیا کہ میری رضا میرے نبی ﷺ کے اتباع میں ہے۔ جہاں سے اتباع چھوڑو گے وہاں سے رضا کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔ ہمارے ساتھ یہ چکر چلا

دیا جاتا ہے کہ کبھی یہ کرلو تو جنت مل جائے گی، وہ کرلو تو جنت مل جائے گی۔ فرمایا جنت ضرور مل جائے گی لیکن اس کے لئے شرط ہے کہ ایمان لاؤ، خلوص دل سے لاؤ۔ خلوص کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا وجود ایمان کی دلیل بن جائے، تمہاری بول چال، تمہاری حرکات وسکنات، تمہارا لین دین، تمہارا کاروبار، تمہارے معاملات اس بات کی گواہی دیں کہ یہ بندہ مسلمان ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہے! جسے دیکھ کے شرمائیں یہود

یعنی شکل نصاریٰ کی بنالی، تہذیب یہودیوں کی لے لی، رسومات ہندوؤں سے لے لیں، اخلاق یہودیوں والے اپنا لئے، مسلمانی کہاں رہی؟ سرتا پا قول تا فعل، سوچ تا فکر ہر چیز ایک رنگ میں رنگ جائے، بندہ تب مسلمان ہوتا ہے۔ میرا ایمان ہے اللہ کی قسم! اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اگر آج بھی کسی صحابیؓ کو زندہ کردے تو روئے زمین کے سارے مسلمان دیکھ کر پکار اٹھیں کہ یہ صحابیؓ ہے! صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جہاں پہنچے، وہاں کی قوموں کو احساس ہوا کہ یہ کچھ نئے لوگ آئے ہیں۔ کیا اس زمانے میں کوئی جلسے ہوتے تھے؟ کوئی لاؤڈ سپیکر تھے؟ کوئی کتابیں چھپتی تھیں؟ مغرب کو کچھ نظر نہ آیا تو اُس نے کہہ دیا کہ انہوں نے بزور شمشیر اسلام پھیلایا۔ حق یہ ہے کہ مسلمان جہاں گئے خصوصاً صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جہاں گئے لوگوں نے اُن کی لڑائی کے انداز کو دیکھ کر بھی اسلام قبول کرلیا کہ یہ تو لڑتے بھی ایک حد کے اندر ہیں۔ کسی پہ ظلم نہیں کرتے، کسی نہتے پہ تلوار نہیں اٹھاتے، کسی عورت کو بے آبرو نہیں کرتے، کسی بوڑھے کو ایذا نہیں دیتے، کسی بچے کو پریشان نہیں کرتے، یہ تو صرف اُس سے لڑتے ہیں جو ان کے سامنے تلوار اٹھاتا ہے، مفتوح قوموں کو وہ حقوق دیتے ہیں جو کبھی کسی فاتح نے نہیں دیے۔ یہ کیا لوگ ہیں، یہ کیسے لوگ ہیں! صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے کردار نے اسلام کی تبلیغ کی اور یہی مطالبہ یہاں بھی ہے کہ جنت تو ضرور ملے گی شرط صرف یہ ہے کہ خلوص دل سے مسلمان ہو جاؤ۔

کسی یکجائی سے اب عہد غلامی کر لو
ملت احمدؐ مرسل کو مقامی کر لو

اپنا کچھ نہ رہے، سب کچھ رسول ﷺ کا ہو۔ یہ کیوں کھایا؟ اس کے کھانے کی حضور ﷺ نے اجازت دی ہے۔ یہ کیوں نہیں کھایا؟ اس سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ یہ لباس کیوں پہنا ہے؟ اس کی حضور ﷺ نے اجازت دی۔ یہ کیوں نہیں پہنا؟ اس کی حضور ﷺ نے اجازت نہیں دی۔ یہ بات کیوں کرتے ہو؟ اس کی اجازت دی ہے مجھے۔ یہ بات کیوں نہیں کرتے؟ اس طرح بولنے کی حضور ﷺ نے اجازت نہیں دی۔ اس شخص سے کیا دشمنی ہے تمہاری؟ میری تو کوئی دشمنی نہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ان سے دوستی نہ رکھو۔ اس سے دوستی کیوں ہے؟ اس سے دوستی رکھنے کا حکم ہے۔ تو پھر اپنا کیا بچا؟ سب کچھ محمد رسول اللہ ﷺ کا ہو گیا، اس میں آمیزش نہ ہو، تمہارا کچھ نہ ہو۔ دیکھو! اس میں یہاں کوئی گنجائش نہیں رکھی۔ اتباعِ نبوی ﷺ میں کوئی شرط وغیرہ نہیں ہے کہ اس شرط پہ کرو، اتنی کرو، نہیں قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○ (آل عمران: 31) جو میں کہتا ہوں وہ کرتے جاؤ اور کلمہ حق کا یہی مقصد ہے کہ اپنی پسند ختم، اپنے اختیارات ختم، اپنے ارادے ختم، جو پاس ہے وہ انہی کا ہے۔ فرمایا: جب تمہارے پاس سب کچھ محمد رسول اللہ ﷺ کا ہوگا تو میری بارگاہ سے تمہیں کوئی محروم کرے گا تو کیسے کرے گا! اب حکومت کا سکہ ہے، آپ نوٹ لے کے جاتے ہیں تو کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ آپ خود چھاپ کر اوپر مہر لگا کے لے جائیں تو کون لے گا۔ ہر عمل سکہ ہے۔ اصلی ہوگا تو کیوں محروم رہو گے اور نقلی لاؤ گے تو کیا ملے گا۔ اپنی طرف سے گھڑ کے، اپنے رواج بنا کر، اپنی رسومات بنا کر اُسے عبادت کہہ کر لے آؤ گے تو پھر یہ وہ یہود و نصاریٰ والا دعویٰ ہی ہے کہ یہ کر دو، جنتی ہو گئے، وہ کر دو، جنتی ہو گئے۔ اس طرح نہیں ہے، ہاں صدقِ دل سے محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی کر لو۔ تمہیں کبھی افسوس نہیں ہوگا کہ میں نے غلطی کی اور کبھی آئندہ تمہیں خوف نہیں ہوگا کہ میرے ساتھ کیا ہو جائے گا۔ خوف سے بھی محفوظ ہو جاؤ گے اور افسوس سے بھی۔ اللہ کریم ہمیں حضور نبی کریم ﷺ کی محبت، اطاعت اور غلامی نصیب فرمائے۔

سورۃ البقرہ رکوع 14 آیات 113 تا 121

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ
الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا
يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ
يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١١٣﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى
فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي
الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١١٤﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ
وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾
وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ
قٰنِتُوْنَ ﴿١١٦﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ
كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿١١٧﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ
كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ
بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿١١٨﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا
تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿١١٩﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى
تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ
بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١٢٠﴾

اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖؕ اُولٰٓٮِٕكَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖؕ
وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِهٖ فَاُولٰٓٮِٕكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ﴿۱۲۱﴾

اور یہود کہتے ہیں نصاریٰ کے مذہب کی کوئی بنیاد نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں یہود کے مذہب کی کوئی بنیاد نہیں اور حالانکہ یہ (سب) لوگ (آسمانی) کتاب بھی پڑھتے ہیں یہی بات جاہل لوگ بھی انہی کی طرح کہتے ہیں جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں اللہ قیامت کے روز ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں گے ﴿۱۱۳﴾ اور جو مسجدوں میں اللہ کے نام کا ذکر کرنے سے روکے اس سے بڑا ظالم کون ہوگا اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔ ان کو لازم تھا کہ مساجد میں ڈرتے ہوئے داخل ہوتے ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بہت بڑا عذاب ﴿۱۱۴﴾ اور مشرق و مغرب اللہ کے لئے ہیں تم جس طرف رخ کرو تو اسی طرف اللہ کا رخ ہے کہ اللہ تمام جہات کو محیط (اور) بہت علم والے ہیں ﴿۱۱۵﴾ اور کہتے ہیں کہ اللہ کے اولاد ہے وہ پاک ہے بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اُسی کا ہے ہر شئے اس کے حکم کے تابع (فرماں بردار ہے) ہے ﴿۱۱۶﴾ وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور جب کسی کام کو پورا کرنا چاہتا ہے تو اسے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے ﴿۱۱۷﴾ اور جاہل لوگ کہتے ہیں اللہ ہم سے کیوں بات نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی اور نشانی کیوں نہیں آئی ان سے پہلے (جاہل) لوگوں نے بھی ان ہی کی طرح بات کہی تھی ان کے قلوب ایک دوسرے سے ملتے ہیں ہم نے یقین لانے والوں کے لئے نشانیاں بیان کر دی ہیں ﴿۱۱۸﴾ یقیناً ہم نے آپ کو (دین) حق کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری دینے والا اور (انجام بد سے) ڈرانے والا اور اہلِ جہنم کے بارے آپ سے پرسش نہ ہو گی ﴿۱۱۹﴾ اور آپ سے یہود اور نصاریٰ تب تک راضی نہ ہوں گے جب تک آپ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں (ان سے) کہہ دیجئے کہ یقیناً اللہ کی ہدایت ہی،

ہدایت ہے اور اگر آپ نے، آپ کے پاس علم آجانے کے بعد ان کی بات مانی تو اپنے لئے اللہ سے بچانے والا نہ کوئی دوست پائیں گے اور نہ مددگار ﴿۱۲۰﴾ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس کو پڑھنے کا حق ادا کرتے ہیں۔ یہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں ﴿۱۲۱﴾

خلاصۂ تفسیر و معارف

جاہ و دولت:

انسان جب اپنی خواہشات کا اسیر ہو جاتا ہے تو ہر چیز کو خواہ وہ عہدہ ہو، دولت ہو یا علم ہو اپنی انا کی تسکین کا سبب بناتا ہے۔ چونکہ علم بھی ایک دولت ہے، اسے بھی اپنی انا کی تسکین کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ عہدے کو انا کی تسکین کا ذریعہ بنایا تو اس میں بگاڑ آ گیا، دولت کو بنایا تو اس میں خرابی آ گئی، دینی علوم کو جب انا کی تسکین کا ذریعہ بناتا ہے تو اس میں دو عالم کی خرابی آ جاتی ہے۔

کتاب نصاریٰ کے پاس بھی تھی، کتاب یہود کے پاس بھی تھی اور مزے کی بات یہ ہے کہ دونوں کتابوں میں ایک ہی خبر تھی یعنی آدھا حصہ دونوں کتابوں کا ایک ہی بات پہ مشتمل تھا، توحید باری پر، ذاتِ باری پر، صفات پر، آخرت پر لیکن اب دنیا بیچ میں آ گئی اور اس علم دین کو انہوں نے اپنی ذاتی انا کی تسکین کا، حصول رزق کا ذریعہ بنایا۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ یہود نے کہا نصرانی جھوٹے ہیں، ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر دیا اور انجیل کا کتاب الٰہی ہونے کا انکار کر دیا حالانکہ تورات میں جو تھا وہی انجیل میں بھی تھا۔ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ لیکن کہہ دیا کہ نصاریٰ کے پلے تو کچھ بھی نہیں، یہ تو بالکل فارغ ہیں، ان کے پاس تو حقیقت کا ایک ذرہ بھی نہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ اور چونکہ نصاریٰ کے علماء بھی اسی دین کو اپنی دنیاوی وجاہت کے لئے استعمال کرتے، انہوں نے جواب میں کہا یہ غلط کہتے ہیں، ان کے پاس کچھ بھی نہیں، یہ جھوٹے ہیں، ان کی کتاب جھوٹی ہے، معاذ اللہ ان کا نبی جھوٹا ہے، ان کا دین جھوٹا ہے۔ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب

کی، نصاریٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی۔ گویا دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کے نبیؑ کی تکذیب کی اس طرح دونوں انبیاءؑ کی تکذیب ہوگئی۔ اسی طرح دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کی کتاب کی تکذیب کردی گویا دونوں کتابوں کی تکذیب ہوگئی۔ اللہ کریم فرماتے ہیں: وَّهُمۡ يَتۡلُوۡنَ الۡكِتٰبَ ؕ کیسی عجیب بات ہے کہ وہ کتاب کو پڑھنا بھی جانتے تھے، انہیں یہ بھی پتہ تھا کہ کتاب میں کیا لکھا ہوا ہے، لیکن اپنی ذاتی انا کی تسکین کے لئے کتابُ اللہ کو چھوڑ کر یہ رائے بنالی۔

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ مِثۡلَ قَوۡلِهِمۡ ۚ اب تیسرا طبقہ رہ گیا تھا، مشرکین کا اور جاہلوں کا جو کتابوں کو مانتے ہی نہیں تھے، انہیں دلیل مل گئی۔ انہوں نے کہا کہ دونوں کتابیں غلط ہیں، معاذ اللہ دونوں نبیؑ جھوٹے ہیں۔ دیکھو آدھے ایک کو جھوٹا کہہ رہے ہیں، آدھے دوسرے کو جھوٹا، لہٰذا ہمارا دین سچ ہے یعنی ان کے اس کردار سے کافر کو تائید مل گئی۔ فائدہ کسے پہنچا! بے دین کو، مشرک کو اور ایک طاقت دین کے خلاف بن گئی۔

آج ہم اپنی حالت پر غور کریں! عجیب بات ہے کہ ہماری تقسیم شیعہ سنی سے شروع ہوئی، پھر دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، غیر مقلدین وغیرہ۔ اب ہم اس بات پہ پہنچ گئے ہیں کہ ہر مسجد دوسری مسجد کے خلاف ہے۔ یعنی ہم نیچے آتے آتے اس سطح پر آگئے ہیں کہ جو اس مسجد میں نماز نہیں پڑھتا ہم اسے مسلمان ماننے کو ہی تیار نہیں خواہ اگلی مسجد میں پڑھتا ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم غلام ہو گئے اور کافر ہم پر حکمران ہو گئے، اب اس سے بڑا نقصان بھی کوئی ہوگا۔

ائمہ اربعہ کے اختلافِ رائے کی حقیقت:

کہا جاتا ہے کہ اختلاف تو شروع سے آرہے ہیں، آخر ائمہ اربعہ میں بھی تو اختلاف ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ ائمہ اربعہ میں کوئی اختلاف نہیں، چاروں ایک ہیں۔ شریعت میں ایک اصول ہوتا ہے اور ایک اس کی تشریح اور فرع۔ ایک اصول ہے، نماز اللہ اکبر سے شروع کرو اور ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ، یہ اصول ہے۔ اب اس کی تشریح جو حنفی سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ اللہ اکبر کہا اور بات ختم، ہاتھ باندھ لئے۔ حنبلی سمجھتے ہیں کہ جب حکم ہے تکبیر پر ہاتھ اٹھاؤ تو ہر تکبیر پر اٹھانے چاہئیں۔ جب بھی اللہ اکبر کہو ہاتھ اٹھاؤ، رفع یدین والے آگئے۔ یہ اختلاف تو نہیں، یہ تو مختلف تشریحات ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اس حکم کے جتنے پہلو ہیں ان میں سے ایک نے ایک پر عمل کرلیا، دوسرے نے دوسرے پر، تیسرے نے تیسرے پر، چوتھے نے چوتھے پر، تو چاروں پہلوؤں پر عمل ہوگیا۔ جو چار پہلو اس سے نکل سکتے تھے سب پر عمل ہوگیا۔ کوئی امام دوسرے کی

تکذیب نہیں کرتا، اسے غلط نہیں کہتا۔ ہمارا فرق ترجیح کا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ دوسرے سے بہتر ہے، اب آگے فیصلہ اللہ کے پاس ہے شاید دوسرا بہتر ہو۔ جو مالکی ہے وہ سمجھتا ہے کہ فقہ مالکی فقہ حنفی سے بہتر ہے لیکن فقہ حنفی برحق ہے۔ یہی چاروں ائمہ کا اختلاف ہے فروعات کا۔ اصول کا کہیں بھی نہیں ملے گا آپ کو اور اس اختلاف کو نبی کریم ﷺ نے باعث برکت قرار دیا ہے کہ فروعات کا اختلاف اللہ کی رحمت کا سبب ہے، اس لئے ایک حکم کے جتنے پہلو بنتے ہیں، سب پر عمل ہو جاتا ہے۔ آپ اسے اختلاف کہتے ہیں؟ اختلاف تو ہمارے درمیان ہے کہ سیدھا سیدھا ایک دوسرے کو کافر کہہ دیتے ہیں اور ہمارے اس جھگڑے کا فائدہ کافروں کو پہنچ رہا ہے۔

یہی صورت حال یہود و نصاریٰ کی بھی تھی جس کے متعلق اس آیت کریمہ میں اشارہ فرمایا کہ دونوں گروہ اللہ کی کتاب پڑھتے تھے لیکن ایک دوسرے کی تکذیب کرتے۔ ہر گروہ اپنی انانیت کی خاطر دوسرے کی تحقیر کرتا۔ فرمایا: فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١١٣﴾ اب اس کے بعد نہ کوئی کتاب آئے گی، نہ کوئی نبیؐ آئے گا۔ ان کے فیصلے کو اگر یہ نہیں مانتے تو انہیں انتظار کرنا چاہیے کہ روزِ قیامت اللہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ یا تو وہ فیصلہ مان لیں جو محمد رسول اللہ ﷺ لائے اور جو کتاب محمد رسول اللہ ﷺ لائے۔ وہ کتاب موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی تائید کرتی ہے، عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی بھی تائید کرتی ہے، تمام عقائد کی تائید کرتی ہے، وہی توحید اس میں بھی ہے، وہی آخرت کا تصور اس میں بھی ہے، وہی جنت دوزخ کا عقیدہ اس میں بھی ہے، وہی ملائکہ کا، حشر نشر کا عقیدہ اس میں بھی ہے۔ رہے احکام تو احکام وقت کے ساتھ منسوخ ہوتے رہتے ہیں لیکن یہ کتاب وہ احکام لائی ہے جو قیامت تک منسوخ نہیں ہوں گے۔ جو ساری انسانیت کے لئے اور سارے زمانوں کے لئے ہیں۔ اگر اس پر انہیں اعتماد نہیں آتا تو پھر روز حشر کا انتظار کریں، اللہ قیامت کو ان کے اختلافات کا فیصلہ فرما دے گا۔

اللہ کریم کی نافرمانی جو بھی ہو وہ ظلم ہے۔ جہاں بھی ہو، جیسے بھی ہو، کمیت اور کیفیت کے حساب سے اس میں فرق ہو سکتا ہے کہ یہ تھوڑا ظلم ہے، زیادہ ظلم، بہت زیادہ ظلم ہے لیکن ظلم آخر ظلم ہے اور سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ (لقمان: 13) اللہ کی ذات یا اس کی صفات میں کسی اور کو شریک کیا جائے یا کسی اور کو ایسا مانا جائے جیسا صرف اللہ کا حق ہے، یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ اسی طرح دوسرا بڑا ظلم یہ ہے کہ مساجد کو اور ان گھروں کو جو اللہ کی عبادت کیلئے وقف کر دیئے گئے ہوں، اللہ کے ذکر سے محروم کر دیا جائے یعنی لوگوں کو ذکر الٰہی سے روک دیا جائے۔ مسجد اس جگہ کو کہتے

ہیں جو کلی طور پر صرف عبادتِ الٰہی کے لئے ہو، سجدہ گاہ بنا دی جائے اور اس میں کسی کا مالکانہ عمل دخل نہ ہو، انتظامی امور کا انجام دینا الگ بات ہے لیکن مالک اس کا صرف اللہ ہے۔ مسجد کا احترام اس حد تک ہے کہ مسجد میں دنیاوی کاروبار کی بات کرنا بھی حرام ہے۔ مسجد میں بیٹھ کر اگر کوئی بات بھی کرے تو عظمت الٰہی کی کرے، دین کی کرے، سیکھنے سکھانے کی کرے، مسائل کی کرے۔ گپ شپ کرنا، حال احوال پوچھنا اور دنیاوی کاروبار کی بات کرنا حرام ہے۔

اُمت محمدیہ ﷺ کا امتیاز:

مسجد اللہ کریم کا اتنا بڑا انعام ہے کہ یہ بھی امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت ہے ورنہ پہلے زمانے میں انبیاء علیہ السلام کی پہلی اُمتوں میں جو جگہ مسجد کے لئے مختص کر دی جاتی اُس کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز ادا نہ ہوتی اور لازم ہوتا کہ ہر فرد وہیں پہنچے۔ یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ اِس امت کے لئے اس نے ساری زمین کو مسجد قرار دے دیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے فضائل ارشاد فرماتے ہیں: **جعلت لی الارض مسجداً وطهوراً** کہ میری وجہ سے اللہ کریم نے زمین کو دو خصوصیات دیں، ایک تو ساری زمین کو مسجد قرار دے دیا۔ جہاں وقت ہو جائے سجدہ کر لے، وقتی طور پر اس کے لئے وہی مسجد ہے اور اس کا سجدہ قبول ہے۔ دوسری خصوصیت جو میرا قدم مبارک زمین پر پڑنے سے مٹی کو نصیب ہوئی، وہ یہ ہے کہ مٹی کو پاک کرنے والا بنا دیا۔ اب گھی کتنا قیمتی ہے اور پانی کتنی عام شے ہے لیکن آپ ناپاک ہاتھوں کو گھی سے دھوتے رہیں تو پاک نہیں ہوں گے۔ کسی تیل سے دھوتے رہیں، گھی سے دھوتے رہیں، شہد سے دھوتے رہیں تو وہ گھی اور شہد ناپاک ہو جائے گا، ہاتھ پاک نہیں ہوں گے۔ صاف پانی سے دھوئیں گے تو پاک ہو جائیں گے۔ پانی میں یہ خصوصیت تھی کہ وہ طہارت دیتا تھا اور صفائی کر دیتا تھا، غلاظت کو لے جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے میری وجہ سے یہ خصوصیت مٹی کو دی اور پھر مزید فرمایا کہ پانی جلد کو پاک کرتا ہے لیکن کسی وجہ سے پانی میسر نہ ہو اور مٹی سے تیمم کیا جائے تو ہڈیاں اور ہڈیوں کا گودا تک پاک ہو جاتا ہے۔

مسجد میں فساد ظلم عظیم ہے:

اس اعتبار سے زمین پر رہتے بستے ہوئے زمین میں فساد کرنا گویا اللہ کی مسجد میں فساد کرنا ہے۔ پھر جو ٹکڑے اس روئے زمین پر سجدہ گاہ کے لئے مخصوص کر دیئے جاتے ہیں، ان مساجد کو غیر آباد کرنا یا وہاں عبادات کیلئے رکاوٹ ڈالنا، اس میں قتل و غارت کرنا، لوگوں کی توہین کرنا، فساد کرنا، تو فرمایا اس سے بڑا ظالم کون ہوگا! وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ اس سے بڑا

ظالم کون ہوگا! یعنی بہت بڑا ظالم ہے ایسا شخص جو منع کرتا ہے اللہ کی مسجد کو کہ اس میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ جیسے مشرکینِ مکہ بتوں کو تو کعبہ میں سجائے ہوئے تھے لیکن بیت اللہ میں اللہ کے نبی ﷺ اور امام الانبیاء ﷺ کو داخل ہونے سے مانع تھے۔ ویسے بھی یہ جرم ہے کہ آپ کسی بھی اللہ کے بندے کو اللہ کی عبادت کرنے سے مسجد میں روک دیں۔ مساجد کو غیر آباد کرنے کے مختلف طریقے یا مختلف درجے ہیں مثلاً مسجد کے پڑوس میں آپ اتنا شور کرتے ہیں کہ لوگ نماز ادا نہیں کر سکتے، گانا بجانا شروع کر دیتے ہیں، ڈھول تماشا پیٹنا شروع کر دیتے ہیں، نماز کے اوقات میں کوئی ایسا کام شروع کر دیتے ہیں کہ نمازی اس سے پریشان ہوتے ہیں یا کسی کو مسجد میں آنے سے روکتے ہیں، یا پھر خود نماز تو ادا کرتے ہیں لیکن بلا عذر شرعی مسجد میں جانے کا تکلف نہیں کرتے۔ عذر شرعی ہو تو پھر اور بات ہے، کوئی بیمار ہے، کوئی چل نہیں سکتا، مسجد دور ہے وہاں تک جا نہیں سکتا یا فجر کی، رات کی نماز ہے راستے میں خطرہ ہے کوئی کتا کاٹ لے گا یا کوئی بندہ روک لے گا یا بارش ہے، طوفان ہے اور آدمی نہیں جا سکتا۔ یہ سب شرعی عذر ہیں لیکن جہاں کوئی عذر نہ ہو اور محض سستی کی وجہ سے مسجد میں نہ جانا اور گھر پہ نماز پڑھ لینا، یہ بھی مسجد کی غیر آبادی کا سبب ہے۔

عبادت گاہوں کا احترام ضروری ہے:

یہ جو آج کل رواج ہے، کہ مساجد میں نمازیوں پر گولی چلا دی، وہاں بم پھینک دیا، یہ تو انتہائی ظلم ہے۔ کوئی کیسا ہی برا آدمی ہو اور کیسا ہی بدعقیدہ ہو، خواہ مسلمان نہ ہو، ہندو سکھ ہو، عیسائی ہو، یہودی ہو، جب وہ اپنی عبادت گاہ میں جاتا ہے تو اپنے طریقے سے جو کچھ وہ کر رہا ہوتا ہے، اپنے پورے خلوص سے کرتا ہے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا کہ عبادت خانوں میں عبادت کرنے والوں کو پریشان کیا جائے خواہ وہ کسی فرقے، کسی طبقے کے ہوں، بت پوج رہے ہیں یا آگ پوج رہے ہیں۔ جہاد میں بھی نبی ﷺ نے افواج اسلامی کو یہ حکم دیا کہ کسی عبادت خانے میں، کسی معبد میں عبادت کرنے والوں کو پریشان نہ کیا جائے، انہیں چھیڑا نہ جائے چہ جائیکہ اہل حق ہوں اور اللہ کی مسجد ہو۔ اللہ کا دین اور اللہ کے نبی ﷺ کے حکم اور سنت کے مطابق وہاں جو عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں انہیں پریشان کیا جائے یا وہاں قتل و غارت گری کی جائے، مسجد کو ویران کرنے کا سبب پیدا کیا جائے، اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا! بہت بڑا ظلم ہے بلکہ مسجد بارگاہِ الٰہی ہے، دربارِ الٰہی اور جو بھی حق پرست، جو بھی اللہ کا بندہ مومن وہاں اللہ کی حضوری کے لئے حاضر ہوتا ہے، تو اللہ کی بارگاہ میں خود کو پیش کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حدیث کا مفہوم ہے نمازی کے آگے سے نہ گزرو فانهٔ يناجی ربهٔ کہ وہ اپنے رب سے سرگوشیاں کر رہا ہے، بات کر رہا ہے، آپ درمیان سے کیوں گزرتے ہیں؟ وہ اپنے پروردگار سے اپنا درددکھ کہہ رہا ہے، اپنا دردِ دل کہہ رہا ہے، اس کی تعریف بیان کر رہا ہے، اپنی ضرورت بیان کر رہا ہے توتم درمیان میں مت آؤ۔ اس کا مطلب ہے مسجد وہ جگہ ہے جہاں جلالت باری کا اظہار ہوتا ہے، عظمت الٰہی کا اظہار ہوتا ہے۔ مسجد اللہ کا دربار ہے جہاں براہِ راست ہر مسلمان اللہ کی ذات کو سجدہ کرتا ہے۔ اس کے اور اس کے معبود برحق کے درمیان کوئی نہیں ہوتا۔ **الصلوٰة معراج المومن** قال رسول اللہ ﷺ نماز مومن کی معراج ہے، صلوٰۃ مومن کی معراج ہے، جس طرح آقائے نامدار ﷺ معراج پر تشریف لے گئے جہاں ایک اللہ تھا اور ایک اللہ کا رسول تھا، روبرو بالمشافہ گفتگو نصیب ہوئی، اسی طرح اپنی حیثیت کے مطابق بندۂ مومن جب اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہوتا ہے تو یہ اس کی حیثیت کے مطابق معراج ہے کہ اللہ سے ہم سخن ہے، اللہ سے گفتگو کر رہا ہے، اللہ کے حضور اپنی گزارشات پیش کر رہا ہے۔ مساجد میں اللہ اور بندے کے مابین جب یہ معاملہ ہو تو اس حالت میں **وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا** ،مساجد میں فساد برپا کرنے میں کوشاں ہو۔ دوسروں کو روکنا یا رکاوٹ کا سبب بننا یا مسجد کو اس حال میں پہنچا دینا کہ چند لوگ تو نماز ادا کریں اور چند بندوق لے کر پہرہ دیں، یہ ظلم کی انتہا ہے۔ عین حالت جنگ میں نماز کا وقت آ گیا ہے تو اللہ کریم نے فرمایا کہ آدھی فوج نبی کریم ﷺ کے پیچھے صف بستہ ہو جائے اور آدھی کمر بستہ شمشیر بستہ کفار کے مقابلے میں کھڑی رہے اور جب یہ دو رکعت ادا کر چکیں تو یہ کفار کے مقابلے میں چلے جائیں اور دوسری دو رکعت میں پہلے والے آکر حضور ﷺ کے ساتھ شامل ہو جائیں اور چار رکعت میں دوگانہ پڑھیں۔ مجاہد، آدھے پہلی دو رکعت، آدھے پچھلی دو رکعت، آدھے شمشیر بکف رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کفار آپ کو حالت عبادت میں مشغول دیکھ کر ہلہ بول دیں اور نقصان پہنچائیں۔ یہ بات تو میدان جنگ کی ہے لیکن اب عام حالات میں بھی مسجد کے باہر بندوق بردار کھڑے کر کے نماز پڑھنی پڑے تو سوچنا یہ پڑتا ہے کہ کیا ہم میدانِ جنگ میں ہیں اور دوسری طرف باہر کافر ہیں یا مشرک ہیں جو ہمیں مارنا چاہتے ہیں۔ کافر یا مشرک سے جس کام کا خطرہ ہے، وہی کلمہ گو بھی کرے تو فرق کیا رہے گا! اور پھر اس کو جوانمردی سمجھنا اور اس کو جہاد کا نام دینا! کیسی عجیب بات ہے۔ یہ تو دین کے ساتھ مذاق ہے جو ایک الگ جرم ہے۔ مساجد کی ویرانی ایک الگ جرم ہے اور جرم کو ثواب سمجھنا، یہ تو دین کا مذاق اڑانے والی بات ہے۔

مسجد کے آداب:

فرمایا: أُولَٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَن يَدْخُلُوهَآ إِلَّا خَآئِفِينَ ۚ مسجد کا تو حق یہ ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا خان بھی آئے، مسجد میں داخل ہو تو لرزاں و ترساں کہ میں اس بے نیاز اور اس رب ذوالجلال اور اس رب کریم کی بارگاہ میں حاضری دینے کے لئے جا رہا ہوں، اس کے روبرو جا رہا ہوں جو نہ صرف میرا حلیہ دیکھ رہا ہے، میرا لباس دیکھ رہا ہے بلکہ میرے دل کی ایک ایک دھڑکن سے واقف ہے، میری سوچ اور فکر کا ایک ایک گوشہ اس پر عیاں ہے۔ میرے باطن کی ایک ایک کیفیت اس کے سامنے ہے اور میں اس کے حضور اپنی گزارشات پیش کرنے جا رہا ہوں، میں اس کی ملاقاتِ کو جا رہا ہوں، میں اس کے سامنے کھڑا ہونے لگا ہوں۔ عظمت الٰہی سے لرزاں و ترساں مسجد میں داخل ہونا چاہئے نہ کہ گپ شپ کرتے بے دھیانی سے یا بے خوفی سے یا بیٹھ کر دنیا کی باتیں شروع کر دیں۔ اگر آپ زیادہ دیر نہیں بیٹھ سکتے ہیں تو جتنی دیر مسجد میں ہیں، اللہ اللہ کریں یا جلدی ہے تو آرام سے نماز ادا کریں اور باہر چلے جائیں اور اپنا کام کاج کریں، کون روکتا ہے۔ مسجد میں بیٹھ کر باتیں نہ کریں، دنیا کی بات نہ کریں اور مسجد کی عظمت کا خیال رکھیں۔

شرعاً ایک دفعہ جب ایک قطعہ زمین مسجد کے لئے مختص ہو جاتا ہے تو وہ تحت الثریٰ سے لے کر عرش اولیٰ تک مسجد ہوتی ہے اور ہمیشہ کے لئے ہوتی ہے، قیامت تک کے لئے ہوتی ہے۔ کوئی مسلمان اسے تبدیل نہیں کر سکتا۔ کفار کے قبضے میں ملک چلے گئے، انہوں نے مساجد کو تباہ کر دیا، اس کے ذمہ دار وہ ہیں لیکن اگر مسلمان کا اختیار اس پر واپس آئے تو پھر اس پہ فرض ہو جاتا ہے کہ مسجد کی تعمیر کر کے، اسے پھر سے بحال کرے۔ کچھ عرصہ پہلے برطانیہ میں ایک صورتحال پیش آئی تھی، مسجد کے لئے جگہ خریدی گئی اور مسجد بنائی گئی تو کسی دوسرے فرقے نے مسجد کے اوپر اپنی عبادت گاہ بنانے کے لئے جگہ خرید لی۔ معاملہ عدالت میں پیش ہوا تو یہی دلیل مسلمانوں کے وکیل نے دی تھی کہ مسجد کے لئے جو جگہ خریدی جاتی ہے، پھر وقف کر دی جاتی ہے، ہمارے دین کے مطابق تحت الثریٰ سے لے کر عرش عظیم تک وہ مسجد بن جاتی ہے۔ اس میں نہ اس کے نیچے تہہ خانہ بنا کر کوئی کاروبار کیا جا سکتا ہے نہ اس کے اوپر دوسرا کوئی گھر یا دوسرا کوئی معبد بنایا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو گا تو یہ دین میں مداخلت ہو گی جو برطانیہ کے قانون میں بھی درست نہیں۔ حکومت برطانیہ نے یہ دلیل قبول کی تھی کہ واقعی ہمارے قانون میں بھی کسی کے مذہب میں مداخلت کی اجازت نہیں ہے۔ اگر یہ ان کے مذہب کا فیصلہ ہے تو بیچنے والے کو چاہئے تھا کہ وہ پہلے سے زیادہ قیمت لے لیتا کہ میں ساری بلندی بیچ رہا ہوں، ساری کی قیمت لوں گا، اب کچھ نہیں ہو سکتا اور واقعی ان غیر مسلموں نے بھی اسلام کے اس اصول کا احترام کیا۔

مسجد کی عظمت یہ ہے کہ یہ خطہ زمین تحت الثریٰ سے لے کر عرش معلیٰ تک صرف اور صرف اللہ کے سجدوں کے لئے وقف ہو جائے۔ ہمارے علماء حضرات، خطیب یا امام کا گھر مسجد کے ساتھ بناتے ہیں اور وضو خانے اور حجرے وغیرہ باہر ہوتے ہیں، جہاں سجدے نہیں کئے جاتے وہاں بناتے ہیں لیکن مسجد کی چھت پر آپ کوئی گھر نہیں دیکھیں گے۔

آپ کسی ایسے آدمی کے سامنے جائیں جو آپ کی کسی خطا سے واقف ہو، ہم نے کوئی چوری کی، ہم نے کوئی غلطی کی اور کسی دوسرے نے دیکھ لیا۔ اب زندگی بھر اس کی منت سماجت کرتے رہتے ہیں کہ میرے بھائی! میرا پردہ اور میری آبرو رکھنا، اس کے سامنے جاتے ہوئے گھبراتے ہیں کہ سامنا نہ ہو تو بہتر ہے۔ اس بے نیاز کے حضور، جس کی نظر میں ہماری ساری خطائیں موجود ہیں، ہماری ساری لغزشیں موجود ہیں، ہم کس طرح بے خطر ہو کر اور دندناتے ہوئے جائیں! فرمایا لرزاں وترساں داخل ہو اور اگر ایسا نہیں ہے، جو مسجد میں فساد کرتا ہے، مسجد میں یادِ الٰہی کو، ذکر الٰہی کو، اللہ کی عبادت کو، صلوٰۃ قیام و سجود کو، یا مسجد میں داخلے سے روکتا ہے، دندناتا ہوا آتا ہے اور نمازیوں کو پریشان کرتا ہے تو جو بھی طریقے مسجد کی خرابی کے ہیں، ان میں سے وہ جو بھی کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ ایسے لوگ دنیا میں بھی ہمیشہ ذلیل ورسوا ہو کر رہتے ہیں، انہیں دنیا میں کبھی بھی چین وسکون نہیں ہوتا، ذلت ورسوائی ان کا مقدر بن جاتی ہے اور بعد موت آخرت میں ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

مشرق ومغرب اللہ تعالیٰ کے ہیں:

فرمایا: وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ یوں تو ساری کائنات اللہ کی ہے، مشرق بھی اس کا ہے، مغرب بھی اس کا ہے فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ تم کسی طرف بھی رخ کر لو، تم اللہ کے روبرو ہو۔ یہود کے علماء نے یہ بڑا اعتراض بنا لیا تھا کہ مسلمانوں کا دین عجیب ہے! یہ پہلے اتنا عرصہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے، اب انہوں نے بیت اللہ کی طرف منہ کر کے پڑھنا شروع کر دیں تو بھلا وہ قبول ہوں گی جو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھیں تھیں یا یہ منظور ہوں گی جو بیت اللہ کی طرف منہ کر کے پڑھ رہے ہیں؟ اللہ کریم نے فرمایا کہ تمام سمتیں میری اپنی ہیں اور میں ہر جگہ موجود ہوں۔ یہ تو میرے حکم کی پابندی ہے۔ میں نے حکم دیا بیت المقدس کو قبلہ بناؤ، انہوں نے بیت المقدس کو بنا لیا۔ میرے نبی ﷺ کو پسند ہے کہ بیت اللہ کو قبلہ بنایا جائے، میں نے حکم دیا بیت اللہ کو قبلہ بنالیں اور اگر قبلہ مقرر نہ بھی کیا جاتا، حکم دے دیا جاتا

کہ جہاں ہو، جس طرف منہ ہے، نماز ادا کرو تو تمہیں کیا اعتراض ہے؟ اللہ ہر جگہ موجود ہے۔ اس نے اپنے اس معبد تجلیات کو قبلہ مقرر کر کے دنیا بھر کے مسلمانوں میں یکجہتی مقرر کر دی کہ وقت صلوٰۃ سب کے منہ ایک قبلے کی طرف ہیں۔ اگر یہ حکم نہ ہوتا تو ایک گاؤں میں یا ایک جگہ میں یا ایک زمین پر ایک ادھر منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہوتا، دوسرے کا منہ کسی اور سمت ہوتا۔ اب بیت اللہ شریف میں کیوں قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنے کا حکم ہے، جو مغرب کی طرف ہوتے ہیں ان کا منہ مشرق کو ہوتا ہے جو مشرق کی طرف ہوتے ہیں ان کا مغرب کو ہوتا ہے جو جنوب کی طرف ہوتے ہیں ان کا شمال کو ہوتا ہے اور جو شمال کی طرف ہوتے ہیں ان کا جنوب کو ہوتا ہے، اس لئے کہ اللہ نے اس گھر کو، اس معبد تجلیات کو قبلہ مقرر کر دیا۔ اس کے حکم کی تعمیل ضروری ہے، وہاں جا کر سمتوں کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔ روئے زمین پر اگر کہیں کسی کو قبلہ کا پتہ نہیں ہے، سمجھ نہیں آ رہی، جنگل ہے صحرا ہے ویرانہ ہے، سورج ہے تو سورج سے اندازہ کر لے، رات ہو گئی تو ستاروں سے کر لے لیکن اگر سورج بھی ہے، بادل ہے، رات ہے ستاروں کی سمجھ نہیں آتی ہے تو فرمایا کہ جدھر تمہارا دل مانتا ہے ادھر قبلہ ہے، ادھر منہ کر لو۔ خواہ قبلہ تمہاری پشت پر بھی ہو میں تمہارا سجدہ قبول کروں گا فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ ہاں، اس حکم کی تعمیل کرنے کی کوشش کرو، جدھر بھی اس نیت سے منہ کر لو، اسی طرف اللہ کا سامنا ہو گا۔

ہمارے یہاں ایک مولانا ہوا کرتے تھے وہ بات بات پر دوسرے کو مشرک کہہ دیتے تھے۔ ایک دن مجھے بھی انہوں نے زبردستی پکڑ لیا اور اس موضوع پر بات شروع کر دی۔ میں نے ان پر سوال کر دیا کہ مولانا یہ سارے کلمہ گو ہیں، کیا سارے ہی شرک کرتے ہیں؟ کہنے لگے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ، کیسے کرتے ہیں؟ میں نے کہا بھئی بیت اللہ کو سجدہ کرتے ہو جو پتھروں کا بنا ہوا ایک کمرہ ہے، تو اگر کافر پتھر کو گھڑ کر پوجتا ہے' آپ بغیر تراشے خراشے پوجے جا رہے ہیں، آپ مسلمان ہیں وہ مشرک! عالم تو تھے نہیں، کہنے لگے کسی مولوی سے پوچھیں گے۔ میں نے کہا بھئی مولویوں کو اپنا کام کرنے دو۔ یہ سادہ سی بات ہے۔ سجدہ اسی جگہ اسی سمت کو ہو گا جہاں بیت اللہ ہے اس لئے پتھروں کو کوئی سجدہ نہیں کرتا۔ بیشک بیت اللہ کے سارے پتھر اکھیڑ کر لے جائیں اور کہیں اور جا کر ان کا کمرہ بنا دیں تو کیا وہ قبلہ بن جائے گا؟ کوئی مسلمان اسے سجدہ کرے گا؟ نہیں! ہم پتھروں کو سجدہ نہیں کرتے، ہم ان ذاتی تجلیاتِ الٰہی کو سجدہ کرتے ہیں۔ اللہ نے بتا دیا ہے کہ یہ میری تجلیات کا مرکز ہے، اسے قبلہ مان کر مجھے سجدہ کرو اور روئے زمین پر مسلمانوں کی تنظیم بن گئی۔ یک رنگی آ گئی، یک رخ ہو گئے، یک رو ہو گئے۔

نماز اور تنظیم کا درس:

جہاں اسلام میں ایمان واخلاق سے لے کر ظاہری پاکیزگی تک ایک شرط ہے، وہاں ایک بنیادی شرط تنظیم بھی ہے اور اس تنظیم میں بے شمار عجیب وغریب برکات ہیں مثلاً حضور ﷺ نے فرمایا جماعت کی نماز بہت بہتر ہے اکیلی نماز سے، ہوتا کیا ہے؟ ہم یہاں نماز کے لئے جمع ہوئے، پچاس ہیں، ساٹھ ہیں، بیس ہیں، دس ہیں، سو ہیں، ہزار ہیں ہر آدمی کا ایک خاص تعلق رب سے ہوتا ہے جسے رب جانتا ہے بندے کو خود بھی نہیں پتہ مثلاً جس قدر علوم اللہ نے اپنی مخلوق کو دیئے ہیں ان سب کو بھی جمع کر لیا جائے تو نبی کریم ﷺ کے علوم اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس کے باوجود جو اللہ کا ذاتی تعلق بندے سے ہے، اللہ اسے اتنا خفیہ رکھتا ہے کہ انبیاء پر بھی واضح نہیں کرتا، اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ بعض لوگوں کے بارے اللہ نے نبی ﷺ کو اطلاع دی کہ یہ جو لوگ ہیں آپ ان کو تبلیغ کریں یا نہ کریں ان کے لئے برابر ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ○ (البقرۃ:6) وہ جو میرا اور ان کا تعلق ہے وہ ٹوٹ چکا ہے، اب میں ان کو واپس اپنی بارگاہ میں گھسنے نہیں دوں گا، ان کے تعلقات میں اتنا بگاڑ پیدا ہو چکا کہ انہیں اب توبہ کی توفیق نہیں ہوگی، آپ انہیں تبلیغ کریں یا نہ کریں۔ یہ بتانا اسی لئے ضروری تھا کہ حضور اکرم ﷺ محنت فرما رہے تھے آپ اس بات سے باخبر نہیں تھے، اللہ نے بتا دیا۔ تو ایک تعلق ہر بندے کا رب العالمین سے ایسا ہے کہ جو فرشتوں سے خفیہ ہے، انبیاءؑ سے بھی خفیہ ہے۔ اب عبادت کے لئے پچاس لوگ جمع ہوتے ہیں، جیسے ہم بیٹھے ہیں، تو ایک رابطہ میرا اللہ سے اپنا ہے، مولانا کا اپنا ہے، آپ کا اپنا ہے، دوسرے بھائی کا اپنا ہے۔ جب ہم صف بستہ ہوں گے تو ہر بندے پر وہ برکات نازل ہوں گی، وہ انوارات ہوں گے جیسا اس کا تعلق ہے۔ تو گویا پچاس بندے جمع ہو گئے تو پچاس قسم کی رحمتوں کا نزول شروع ہو گیا۔ جب بارش کی طرح وہ رحمتیں برستی ہیں تو سارے ایک دوسرے کی رحمتوں سے مستفید ہوتے ہیں۔ باجماعت نماز کی بے شمار حکمتیں ہیں، بے شمار فضیلت ہے، ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ جب بھی آپ صف بستہ ہوتے ہیں اور اللہ اکبر کر کے اللہ کے حضور پیش ہو جاتے ہیں تو چونکہ ہر بندے کا ذاتی تعلق ہے، تو اسی نسبت سے اس پر مختلف رنگوں کے انوارات برکات، مختلف قسم کی رحمتیں، جیسا اس کا تعلق ویسی رحمتیں، جیسا دوسرے کا تعلق ویسی برکتیں، جیسا تیسرے کا، تو ایک گلدستہ بن جاتا ہے، روشنیوں کا ایک فوارہ بن جاتا ہے اور ایک دوسرے کی برکتوں سے سارے مستفید ہوتے ہیں۔ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اللہ بہت واسع ہے۔

اس کی ذات کی وسعتوں کے سامنے کائنات مختصر ہے اور وہ باخبر ہے، ہر بات سے، ہر چیز سے، ہر بندے سے، اس لئے کسی کے سجدے ضائع نہیں جاتے، اگر وہ خلوص سے کرے اور اس کے حکم اور اس کے نبی ﷺ کی سنت کے مطابق ہوں۔ فضول اعتراضات ہمارا رویہ بن چکا ہے۔ اگر کوئی بندہ جو پہلے نماز نہیں پڑھتا، مسجد میں آ جائے تو ہم اسے اتنا پریشان کرتے ہیں کہ تمہیں تو منہ دھونے کا پتہ نہیں ہے، تمہارا ایک پائنچہ اونچا ہے ایک نیچا ہے، تمہارے تو بال صحیح نہیں کٹے ہوئے، تم نے کس طرح پاؤں رکھا ہے، ایسے کیسے التحیات میں بیٹھ گئے ہو؟ اس کو اتنا پریشان کر دیتے ہیں کہ آج تو آ گیا ہے پھر نہیں آئے گا۔ یہ ساری باتیں دلالت کرتی ہیں کہ ایسے لوگوں کا دل نور ایمان کے تقاضوں سے محروم اور عظمت الٰہی کے تصور سے خالی ہوتا ہے۔ ایسی حرکات نئی نسل کو مساجد میں آنے سے روکتی ہیں اور ان کی ویرانی کا سبب بنتی ہیں جو بہت بڑا ظلم ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ یہود اور نصاریٰ ایک عجیب بات کہتے تھے۔ یہود نے کہا ''عزیر ابن اللہ''، کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا فرزند قرار دیا۔

سُبْحٰنَهٗ ؕ حالانکہ اللہ ان چیزوں سے پاک ہے۔ وہ خالق ہے باقی سب مخلوق۔ خالق اور مخلوق میں نسب کا رشتہ نہیں ہوتا۔ نسب کا رشتہ عجیب ہوتا ہے۔ جس طرح انسان کا بچہ انسان ہوتا ہے، قوت میں، قابلیت میں اور صفات میں باپ سے کم ہو سکتا ہے لیکن انسان ہونے کے ناطے اس کے برابر ہے۔ اس طرح مخلوق میں کسی جانور کے بچے کو آپ لے لیں تو وہ مخلوق ہونے میں اپنی اصل کے مطابق ہے۔ گائے کا بچہ گائے، بھینس کا بچہ بھینس اور شیر کا بچہ شیر کی مانند ہے تو اگر اللہ جل شانہٗ کا بیٹا ہوتا، پھر وہ اس کا شریک بھی ہوتا۔ کم از کم مادی غذا کا محتاج تو نہ ہوتا۔ نہ عام انسانوں کی طرح کھاتا پیتا، نہ اسے بیماریاں لاحق ہوتیں اور نہ ہی دنیوی مصائب۔ سب سے بڑی بات کہ وہ عام انسانوں کی طرح زندگی گزار کر دنیا سے نہ گزر جاتا جبکہ عزیر علیہ السلام اپنی زندگی گزار کر تشریف لے گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے انہیں آسمانوں پر اُٹھا لیا لیکن نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ انہیں مصلوب کر کے موت دے دی گئی، قبر میں دفن کر دیے گئے اور اس کے بعد وہ پھر کہیں چلے گئے یا اُٹھ کر آسمانوں پہ چلے گئے۔

یہ سارے اوصاف تو مخلوق والے ہیں، ان میں خالق والی صفت تو کوئی نہیں ہے اور پھر اللہ ان سب چیزوں سے پاک ہے۔ خاندان، والدین، اولاد اور بے شمار چیزیں محتاج کر دیتی ہیں۔ پیدا ہونے میں والدین کا محتاج ہے۔ اولاد ہزار طرح کی احتیاج لے آتی ہے۔ رشتے بے شمار مجبوریاں لے آتے ہیں اور اللہ ایسا ہے کہ اس جیسا کوئی دوسرا نہیں، واحد ہے، لاشریک ہے اور ان سب چیزوں سے بالاتر ہے۔

تو فرمایا کہ تم کہتے ہو فلاں اللہ کا بیٹا ہے جبکہ کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ کی مملوک نہ ہو، اس کی محکوم نہ ہو لیکن بیٹے مملوک اور محکوم نہیں ہوتے ۔ بیٹے تو وارث ہوتے ہیں، مالک ہوتے ہیں ۔ اللہ تو ان باتوں سے وریٰ الوریٰ ہے اور پاک ہے اس کی ذات!

بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝۱۱۶ بلکہ زمینوں میں یا آسمانوں میں جو کوئی بھی ہے یا جو کچھ بھی ہے، سب اس کے دست بستہ غلام ہیں، ہر لمحہ اس کی اطاعت پہ مجبور ہیں ۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے، وہ نہیں ہوتا جو مخلوق چاہتی ہے ۔

فساد فی الارض کا سبب ہمارا کردار ہے:

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ عالم اسلام کی یا مسلمان ممالک کی تباہی میں امریکہ کا ہاتھ ہے ۔ یہ بات نہیں، اصل بات یہ ہے کہ یہ اس کی طرف سے سزا ہے، اللہ نے امریکہ کو سزا کا ایک سبب بنا دیا ۔ ہماری کوتاہیاں، کمزوریاں، نافرمانیاں، اللہ سے دوری، اللہ کریم پر ہمارے اعتماد کا نہ ہونا، اللہ سے ہمارے قلوب کا غافل ہونا، اس کی عظمت کا ادراک نہ کرنا، یہ وہ جرائم ہیں جن کی سزا مل رہی ہے ۔

دنیا میں امریکہ سے بھی بڑی طاقتیں تھیں ۔ ایسی ایسی ریاستیں تھیں کہ جن کو دیکھ کر ہیبت طاری ہو جاتی تھی ۔ کسریٰ کی سلطنت نوح علیہ السلام کے بعد جب دنیا آباد ہوئی تب سے ایک خاندان میں آ رہی تھی ۔ یہ فارس جسے اب ہم ایران کہتے ہیں، موجودہ ایران نہیں تھا، اس کی سرحدیں بہت وسیع تھیں ۔ یہ آتش پرست تھے اور ہزاروں سالوں سے ان کے سب سے بڑے معبد میں آگ بجھی نہیں تھی ۔ دنیا میں ایک مخلوق ایسی بھی ہے جو آگ میں پیدا ہوتی ہے، ایک خاص قسم کا کیڑا ہوتا ہے جسے سَمندر کہتے ہیں جو وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں صدیوں مسلسل آگ جلتی رہے ۔ دنیا میں صرف ایران کے آتش کدے میں وہ پایا گیا، دنیا میں اور کسی جگہ اتنا عرصہ مسلسل آگ کی پرستش نہیں ہوئی ۔ جب فارس کی سلطنت تباہ ہوئی تو آخری بادشاہ یزدگرد تھا ۔ یزدگرد مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگا تو اس کے ساتھ بائیس ہزار وہ شاہی غلام تھے جو محل میں کھانے پکانے یا دیگر کاموں پہ مامور تھے تو اس کی فوج کتنی بڑی ہوگی!

اسی طرح قیصر تھا، ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ کی سپاہ اس کے ایک ایک گورنر کے پاس ہوتی تھی اور یہ دونوں عرب کی سرحدوں پر تھے ۔ خسرو پرویز کے پاس جب نبی کریم ﷺ کا قاصد پہنچا تو وہ بہت غصہ ہوا ۔ آپ ﷺ کا طرز تحریر یہ تھا ''محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے فلاں کے نام'' ۔ وہ اس پہلے جملے پہ ہی بھڑک

اٹھا کہ ایسا بندہ کون ہے جو میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھتا ہے۔ اس نے قاصد کو شہید کروا دیا، خط مبارک پر تھوکا، اُسے پھاڑا اور پاؤں کے نیچے مسل دیا۔ جب یہ خبر حضور اکرم ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اَنْ یُّمَزِّقُوا کُلَّ ممزق (صحیح بخاری)۔ یا اللہ اس کی ریاست کو اس طرح تباہ و برباد اور ٹکڑے ٹکڑے کر دے جس طرح اس نے میرے خط کے کیے ہیں۔

خسرو پرویز نے گورنر یمن کو حکم دیا کہ اس شخص کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کیا جائے۔ گورنر یمن نے فیروز ویلمی کو حضور ﷺ کی گرفتاری کے لئے مقرر کیا۔ وہ مدینہ آیا اور اس نے آ کر گورنر یمن کی طرف سے یہ بات حضور ﷺ کی خدمت عالی میں پیش کی کہ اگر آپ ﷺ اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیں تو گورنر یمن بازان نے یہ ضمانت دی ہے کہ وہ بادشاہ سے آپ کی جان بخشی کی سفارش کرے گا لیکن باقی عمر آپ ﷺ کو جیل میں ہی گزارنا ہوگی۔ اگر آپ ﷺ اپنے آپ کو پیش نہیں کرتے اور ہمیں مقابلہ کر کے گرفتار کرنا ہے تو پھر آپ جانتے ہیں خسرو پرویز کی طاقت کتنی ہے! سارے جزیرہ نمائے عرب کو تاراج کر دے گا، سب لوگ تباہ ہو جائیں گے اور آپ بھی نہیں بچ پائیں گے۔ چونکہ وہ بادشاہ کو ''رب'' کہتے تھے، اس نے بات اس طرح شروع کی تھی، امرنی ربی مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تیری بات ختم ہو چکی اب مجھے اپنے رب سے حکم لینے دو، تم رات یہیں ٹھہرو، صبح بات ہوگی۔ صبح وہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا ''رب'' رات کو قتل ہو گیا، اس کے بیٹے شیرویہ نے اسے قتل کر دیا ہے' بادشاہ مر گیا اس کا حکم ختم ہو گیا اب تم نئے بادشاہ سے جا کر حکم حاصل کرو۔ یہ سن کر وہ حیران رہ گیا۔ اس نے کہا آپ ﷺ کو پتہ ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا میں جو کچھ کہہ رہا ہوں سچ کہہ رہا ہوں تجھے تیرے ''رب'' نے بتایا تھا، مجھے میرے رب نے بتایا ہے۔ تیرے ''رب'' کا کہا غلط ہو سکتا ہے، میرے رب کا کہا غلط نہیں ہو سکتا۔ اس نے عرض کی کہ میں اب تو واپس جا رہا ہوں، لیکن دیکھ لیجئے، اگر یہ بات غلط ہوئی تو آپ ﷺ کے پاس کوئی نہیں آئے گا، سیدھا عرب پر حملہ ہو جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم جاؤ۔ جب وہ بازان کے پاس پہنچا تو تھوڑی دیر بعد قاصد بھی یہ اطلاع لے کر پہنچ گیا کہ بادشاہ قتل ہو چکا ہے، شیرویہ نیا حکمران ہے اور اس نے حکم دیا ہے کہ عرب کے اس نبی ﷺ سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ اللہ ایسا کریم ہے کہ جب وہ اطلاع بازان کے پاس پہنچی تو فیروز ویلمی اور بازان، دونوں نے کلمہ پڑھ لیا کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے برحق رسول ہیں اور وہ دونوں بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔

اب کیا رب تبدیل ہو گیا یا رسالت تبدیل ہو گئی یا عقیدہ تبدیل ہو گیا ہے، کچھ بھی تو نہیں بدلا۔ ہم بدل گئے ہیں، ہم وہ نہیں رہے۔ اب جو آفتیں ہم پر ٹوٹتی ہیں، اس کی بنیاد ہمارا کردار ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (الروم:41) زمینوں پر، سمندروں میں لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے تباہی آ جاتی ہے، مصیبت آ جاتی ہے، لڑائیاں چھڑ جاتی ہیں بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لوگوں کا جو کردار ہوتا ہے، جو کام اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں اس کی وجہ سے مصیبت نازل ہوتی ہے۔ یہ جو ہم سمجھتے ہیں کہ فلاں بڑا طاقتور ہے اس نے ہمیں تباہ کر دیا، بات اس طرح نہیں ہے۔ دراصل ہماری خطائیں ہمارے گناہ ہم پر مصائب بن کر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

لا تتحرك ذرة الا باذن الله۔ کوئی ذرہ اللہ کی اجازت کے بغیر حرکت نہیں کرتا۔ اس نے اپنے نبیؐ بھیجے، اپنی کتاب بھیجی، آپ کو اپنی بارگاہ میں حاضری کی دعوت دی، آؤ میرے ساتھ بات کرو، مجھے بتاؤ تمہیں کیا تکلیف ہے، تمہیں کیا چاہیے؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ ایک نماز سے فارغ ہو کر جو بندہ دوسری نماز کا انتظار کرے اللہ کریم اسے مسلسل نماز میں شمار فرماتے ہیں کہ ہر وقت وہ سربسجود ہی ہے۔ اگر وہ لذت سجود گئی، جذبہ ایمان سرد پڑا، اطاعت کا خانہ خالی ہونے لگا اور ہم لالچی بن کر دنیا کی چیزوں کے پیچھے بھاگنے لگے تو مسلمان پر اللہ کی خاص غیرت آتی ہے کہ یہ کلمہ بھی پڑھتا ہے، میرے نبی ﷺ سے میرے گھر سے، میری کتاب سے اپنا رشتہ جوڑتا ہے، مجھ سے بھی اپنا رشتہ بناتا ہے، پھر اس پر مار پڑتی ہے۔ کافر جرم کرتا ہے اللہ کریم کو اس کی پروا نہیں ہوتی کہ وہ کس وادی میں غرق ہوگا۔

إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ○ (الغاشیہ:26-25) انہیں واپس میری بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور میں ان سے حساب کرلوں گا کافر پر وہ گرفت نہیں آتی جو نام نہاد مسلمان پہ آتی ہے۔ ہم آپ عام آدمی ہیں، عام انسان ہیں، اگر کسی کی ہمارے ساتھ دشمنی ہے تو اس کے خلاف ہمیں وہ شکایت پیدا نہیں ہوتی جو اپنا عزیز کوئی چھوٹی سی بھی غلطی کرے تو پیدا ہو جاتی ہے کہ بھئی یہ تو میرا اپنا تھا اس نے ایسا کیوں کیا! تو بطور مسلمان ہمارے اجتماعی کردار پر غیرتِ الٰہی کا عالم کیا ہوگا!

تو فرمایا: بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ط وہ آسمانوں اور زمینوں کو عدم سے وجود میں لایا، اس نے بنایا اور یاد رکھو! اسے بنانے میں کوئی مدت نہیں لگتی۔

وَإِذَا قَضٰى أَمْرًا اگر وہ کسی بات کا فیصلہ فرماتا ہے فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۱۱۷﴾ عدم بھی اس

کی بارگاہ میں دست بستہ حاضر ہے اور جو موجود ہے وہ بھی اس کی بارگاہ میں ہے۔ وہاں ہر عدم اور وجود، دونوں دست بستہ حاضر ہیں۔ وہ جب فیصلہ کرتا ہے کہ فلاں چیز کو ہونا چاہیے تو وہ کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ (یٰسین:82) وہ چاہے تو زمین پیدا کر دے، چاہے تو آسمان پیدا کر دے، اس نے تو حکم دینا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ تم کہتے ہو کہ اللہ کی اولاد ہے، اللہ کی بیوی ہے۔ اگر اولاد ہوتی تو انہی اوصاف کی مالک ہوتی۔ فرمایا: یہ ایسے جاہل اور ایسے کند ذہن ہیں کہ کفر نے اور ان کے گناہوں نے ان کے دلوں پر اور ان کے اذہان پر زنگ لگا دیا ہے، اُلٹی اُلٹی باتیں ہانکتے پھرتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ یہ جاہل کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے بات کیوں نہیں کرتا۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ آپ ﷺ کہتے ہیں میں اللہ کا نبیؐ ہوں اور یہ اللہ کا حکم ہے۔ آپ ﷺ کو اللہ نے حکم سنا دیا تو ہمارے ساتھ بات کیوں نہیں کرتا؟ اللہ کریم فرماتے ہیں یہ جاہل ہیں جو یہ کہتے ہیں۔ انہیں ادراک ہی نہیں [illegible] سے ہم کلام ہونے کے لئے کیا حیثیت ہونی چاہیے۔ وہ صرف نورِ نبوت ہے جو یہ استعداد پیدا کر دیتا ہے کہ اللہ کا کلام سنا جائے یا اللہ سے ہم کلام ہوا جائے۔ غیر نبی اللہ سے ہم کلام کیسے ہو سکتا ہے! اللہ سے بات کرنے کے لئے وہ قلب چاہیے جو انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوتا ہے اور وہ عام قلب نہیں ہوتا۔

نبیؐ کسی کسب سے نہیں بنتا، نبیؐ ازل سے نبیؐ ہوتا ہے۔ ابھی وجود تخلیق نہیں ہوئے تھے۔ ارواح کو پیدا کر کے اللہ نے پوچھا، اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ (الاعراف:172) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں! قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ سب نے کہا بالکل تو ہمارا پروردگار ہے فرمایا، یہ یاد رکھنا، یہ بات دنیا میں جا کے بھول نہ جانا۔ تمہیں واپس میرے پاس آنا ہے پھر بڑی شرمندگی ہوگی، یہ بات یاد رکھنا اور انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا گیا۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ انبیاءؑ کے وجود نہیں بنے تھے، ارواح ہی تھیں تو بھی نبیؐ وہ تھے اور ان سے محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا عہد لیا گیا۔ نبوت ایسی خداداد استعداد ہے جو وہ خود عطا کرتا ہے اور غیر نبیؐ میں وہ قوت نہیں ہوتی کہ وہ رب سے ہم کلام ہو۔

تو فرمایا: یہ جاہل ہیں۔ اب ایک آدمی کے کان ہی نہیں ہیں، آپ کہتے ہیں یہ سنتا کیوں نہیں تو یہ جہالت نہیں ہے؟ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ ہم سے اللہ بات کیوں نہیں کرتا۔ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۔ یا ہمیں کوئی معجزہ دکھاتا' ہمیں کوئی دلیل دکھاتا۔ یہ بڑی عجیب بات ہے آج کا مشرک یا ملحد یا کافر جو اعتراض کرتا ہے آپ اس کا تجزیہ کریں تو جو اعتراض مشرکین مکہ اور یہود و نصاریٰ کرتے تھے، مفہوم وہی ہوتا ہے اگرچہ الفاظ مختلف ہوں، زبان مختلف ہو۔ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ جو اعتراض یہ جاہل کر رہے ہیں کہ اللہ ہم سے بات کیوں نہیں کرتا۔ یہ اعتراض ان سے بہت پہلوں نے بھی کیے تھے۔ اب یہ اعتراض ان کے دلوں میں کہاں سے آ گئے؟ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۔ ان کے دل ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں۔ کافر کی زبان پہ بڑے بڑے کافروں کے اقوال آتے ہیں۔ یعنی دلوں کی مشابہت کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ان سے پہلے والے کافروں نے بھی انہی کی مثل اعتراض کیے۔ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ انہی کے قول کی مثل انہوں نے بھی کہا تھا۔ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ان کے دل ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یعنی دل میں وہ قوت ہوتی ہے کہ کافر کا دل کفر میں جس کافر کے مشابہ ہے اس کی باتیں اس کی زبان پر جاری ہو جاتی ہیں۔ اس میں تو مومن کے لئے بھی سبق ہے کہ مومن کے دل کا رابطہ اگر محمد رسول اللہ ﷺ سے ہے تو اس کی زبان پر بھی وہ کلمات ہوں جو محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائے۔ اس کے لب پہ بھی قرآن و حدیث ہونا چاہیے۔

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۝۱۱۸ جنہیں یقین کی دولت سے نوازتا ہے ان کے لئے دلائل کی کوئی کمی نہیں ہے، خود محمد رسول اللہ ﷺ کا وجودِ پاک سب سے بڑی دلیل ہے، آپ ﷺ کے معجزات سب سے بڑی دلیل ہیں۔ قرآن محمد رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے۔ آپ ﷺ نے اللہ کا کلام اللہ سے سنا اور ہم تک پہنچایا۔ اللہ کا نام محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا، لوگ تو نام سے آشنا نہیں تھے۔ اللہ کی ذات اور اس کی صفات محمد رسول اللہ ﷺ نے بتائیں۔ اب اس سے بڑی دلیل کیا ہے۔

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اِک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

ایک چرواہا جو باہر ریوڑ چرا رہا تھا آپ اس سے بات کریں تو وہ ازل کی اور آخرت کی بات کرتا ہے، حشر کی بات کرتا ہے، جنت دوزخ کی بات کرتا ہے، قیامت کی بات کرتا ہے۔ بھئی اس اَن پڑھ گڈریے کی نگاہ اتنی وسیع ہوگئی کہ اِدھر دیکھتا ہے تو عالم امر تک دیکھتا ہے، اُدھر دیکھتا ہے تو عالم آخرت تک

دیکھتا ہے۔اس کی نگاہ میں وسعت کہاں سے آ گئی! یہی کمال ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا، محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر، رسول اللہ ﷺ سے تعلق کی بدولت یہ جاہل بھی عالم ہے۔اب اس سے بڑا عالم کون ہوگا جو اللہ کو واحد لاشریک جانتا ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا برحق نبی، آخری نبی مانتا ہے، قرآن کو اللہ کی کتاب مانتا ہے تو وہ عالم ہے جاہل نہیں۔ بڑا مفسر، محدث نہ سہی لیکن جاہل تو نہیں ہے، عالم ہے۔

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ ان سے پہلے والوں نے بھی انہی جیسے اعتراضات کیے تھے اس لئے کہ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ ان کے دل آپس میں مشابہت رکھتے ہیں۔

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اور جنہیں اللہ نے یقین کی دولت سے نوازا ہے ان کے دلائل کی کوئی کمی نہیں ہے اور جنہیں یقین ہی نصیب نہیں ہے وہ خود اپنے مقام پر کھڑے نہیں۔ یقین آدمی کو اپنے پاؤں پہ کھڑا کرنے کی ہمت دیتا ہے۔ ایمان نہ ہو، یقین نہ ہو تو وہ ایک بے ڈور کی پتنگ ہے، جدھر زمانے کی ہوا نے اڑایا، اُدھر اُڑ گئی اور یقین وہ دولت ہے جو ایک جگہ پہ کھڑا کر دیتی ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ فرمایا: ہم نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ کمال یہ ہے کہ بندوں کو ایسی ہستی عطا کر دی جو آج کے ہونے والے واقعات کا نتیجہ، جو قیامت کو نکلے گا وہ آج بتا رہی ہے، اب اس سے بڑی دلیل کیا ہے! بشیر ونذیر کیا ہے، بشارت ہے کہ جو کام آپ آج کر رہے ہیں، اس پر میدان حشر میں آپ کو یہ انعام ملے گا۔ اِنذار کیا ہے، یہ کام جو کر رہے ہیں میدانِ حشر میں آپ کو اس کا خطرناک نتیجہ ملے گا۔ یہاں ہمارے اردو دان ''نذیر'' کا مطلب ڈرانے والا لکھ دیتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں یہ اردو کی تنگ دامنی ہے۔ ڈر کی تو بے شمار قسمیں ہوتی ہیں۔ بچہ تو ماں باپ سے ڈرتا ہے، حالانکہ وہ کتنے کریم ہوتے ہیں، استاد سے ڈرتا ہے حالانکہ اس کا بھلا چاہنے والا ہوتا ہے۔ ڈر کسی موذی جانور کا بھی ہوتا ہے اور قاتل کا، چور کا، ڈاکو کا بھی۔ اِنذار کا مطلب یہ ہے کہ جو غلط کام آپ آج کر رہے ہیں تو اس کی سزا قیامت میں یہ ہوگی، یہ اِنذار ہے۔ یعنی اس غلط کام کا جو خطرناک انجام ہے، اس سے مطلع کرنا کہ اس سے ڈر جاؤ میں تو اس کا ترجمہ اس طرح کرتا ہوں کہ بشیر ونذیر بھلائی اور برائی کے انجام سے خبر دینے والا۔ اب اللہ کے نبی ﷺ کو کوئی ڈرانے والا کہے تو یہ عجیب بات ہے۔ یہ تو آپ ﷺ کی شان کو زیب ہی نہیں دیتا۔ حضور اکرم ﷺ تو رحمت العالمین ہیں۔ نور ہی نور، مٹھاس ہی مٹھاس، محبت ہی محبت، مغفرت ہی مغفرت، ساری عمر کا کافر ہے تو اگر ایک دفعہ حضور ﷺ کا

کلمہ پڑھ لے سارا کفر زائل ہو گیا اور جنت کا مستحق ہو گیا۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ ہم نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھلائی اور برائی کے انجام کی خبر دینے والا بھیجا ہے میرے حبیب ﷺ لوگوں کو آج بتا دے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا روز حشر کیا ہوگا۔ برزخ میں تم پر کیا بیتے گی آخرت میں کیا بیتے گی کتنی بڑی بھلائی ہے بندے کی یہ تو مخلوق کی بھلائی ہے یہ تو رحمت ہے یہ تو بخشش ہے اور یہ بھی کرم کا ایک انداز ہے کہ لوگوں کو اس سے بچایا جائے۔ جس خطرے میں وہ گھر چکے ہیں۔ اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ ہم نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ بھلائی اور برائی کے انجام کی اطلاع دینے کے لئے اور آپ ﷺ ہی ایک واحد ہستی ہیں جو بتا سکتے ہیں کہ نیکی کا صلہ کیا ہوگا، برائی کا انجام کیا ہوگا۔ وَّلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ ﴿۱۱۹﴾ اور اس کے باوجود، آپ ﷺ کے بتانے کے باوجود جو لوگ پھر بھی دوزخ ہی میں جائیں گے اس کے ذمہ دار آپ ﷺ نہیں۔ آپ ﷺ سے ان کے بارے نہیں پوچھا جائے گا۔ آپ ﷺ کی اطلاع دینے کے بعد، آپ ﷺ کے اس کرم کے بعد جو آپ ﷺ کا دامن نہیں تھامتا تو اس کی ذمہ داری آپ ﷺ پر نہیں ہوگی۔ آپ ﷺ سے نہیں پوچھا جائے گا کہ یہ دوزخ میں کیوں گئے؟

کیا یہود و نصاریٰ اہل کتاب ہیں:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اہل کتاب جن میں فی الوقت یہود اور نصاریٰ موجود ہیں، یہ آپ ﷺ سے کبھی خوش نہیں ہوں گے، کبھی راضی نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ ﷺ ان کی ملت کے تابع ہو جائیں۔ یعنی ان کی خوشی یا رضامندی کا ایک ہی طریقہ ہے کہ آپ ﷺ بھی ان کی ملت اپنا لیں۔ یہود اور نصاریٰ اہل کتاب ہیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ بھی حلال ہوتا ہے۔ اہل کتاب کی خواتین سے نکاح بھی جائز ہے لیکن کیا ان احکام کا اطلاق موجودہ یہود و نصاریٰ پہ ہوتا ہے؟

اس کا فیصلہ عہد فاروقی میں سیدنا فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کر دیا تھا کہ جب ممالک فتح ہوئے تو بعض مسلمانوں نے یہود اور نصرانی عورتوں سے شادیاں کیں۔ جب یہ بات خلیفہ وقت تک پہنچی تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھوڑ دینے کا حکم دیا، تعلقات ختم کرا دیے اور فرمایا: کہ یہ اہل کتاب نہیں ہیں۔ نہ یہودی اہل کتاب رہے ہیں اور نہ نصرانی اہل کتاب رہے ہیں انہوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مان لیا اور انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مان لیا۔ اہل کتاب تو وہ تب تک تھے جب تک اپنی اس

کتاب کے عقائد پر قائم تھے جس میں توحید باری بنیادی عقیدہ ہے اور جس نبیؐ پر کتاب نازل ہوئی ہے اس کی نبوت کو ماننا بنیادی عقیدہ ہے۔ وہ اللہ کو توحدہ لاشریک مانتے، اپنے نبیؐ کی بات مانتے اور اس کے بعد اگر حضور اکرم ﷺ پر ایمان نہ لاتے تو اہل کتاب کہلاتے۔ اب تو یہ دونوں شرک میں گرفتار ہیں اور موجودہ یہود ونصاریٰ اہل کتاب نہیں ہیں۔ نصاریٰ تو علی الاعلان تین خداؤں کے قائل ہیں بلکہ اب تو تین کی بجائے ایک عیسیٰ علیہ السلام ہی کی خدائی پر زیادہ زور دیتے ہیں۔

یاد رہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال یا اہل کتاب کے ساتھ شادی درست ہے لیکن یہ احکام تب تک تھے جب تک یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہیں بنایا تھا۔ ان عقائد کے بعد یہ مشرک ہو گئے پھر چونکہ یہ عقیدے کتاب میں نہیں تھے اس کے لئے کتاب میں بھی تحریف کرنی پڑی اور ایک بار جب تحریف کا دروازہ کھل گیا تو ہر امر کے لئے اس میں تبدیلیاں کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اب بھی ان کی وہ کتابیں گرجوں کے رحم وکرم پر ہیں اور گرجوں میں جو لوگ بیٹھے ہیں یا ان کی جو کمیٹیاں بنتی ہیں وہ آج بھی شرعی احکام کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ ان تبدیلیوں کی زد میں بڑے بڑے احکام بھی ہیں مثلاً چند سال پہلے کلیسا نے یہ اجازت دے دی کہ سسر بہو کے ساتھ شادی کر سکتا ہے اور داماد ساس کے ساتھ شادی کر سکتا ہے تو شرعی احکام میں تو وہ باپ بیٹی ہوتے ہیں یا ماں بیٹا ہوتے ہیں۔ ان کے دین میں بھی یہی تھا لیکن یہ تبدیلی کلیسا نے کر دی۔ صرف ایک مثال نہیں ہے بلکہ انہوں نے سارے کا سارا دین ہی بدل دیا اور بدلتے جا رہے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ ان کے ساتھ دوستی ہو، ان کے ساتھ تعلقات ہوں، جہاں تک تعلقات کی بات ہے تو کسی بھی کافر کے ساتھ دنیوی معاملات رکھنا کوئی جرم نہیں ہے۔

غیر مسلموں سے معاملات کی حدود:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی غیر مسلموں کے پاس مزدوری کی ہے، ملازمت کی ہے۔ لین دین کرنا یا کسی غیر مسلم کی دکان سے سودا خریدنا یا اس کے ساتھ خرید وفروخت کرنا یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے اور انسانی معاشرے میں رہتے ہوئے اس کی اجازت ہے۔ ایک درزی جو غیر مسلم ہے آپ اس سے کپڑے نہ سلوائیں؟ ایسی بات نہیں ہے یا دیگر اس طرح کے معاملات دنیا میں اجازت ہے۔ لیکن جب تعلق دلی محبت کا آتا ہے کہ ہماری آپس میں دلی محبت ہو تو فرمایا، یہ دلی محبت تم سے تب تک نہیں کریں گے جب تک تم ان کی تہذیب کو، ان کے نظریات کو اپنا نہیں لو گے۔ میں نے ملت کا ترجمہ تہذیب کر دیا ہے۔ ملت کا مفہوم

جو قرآن حکیم کے تراجم میں ملتا ہے وہ دین یا مذہب ہے یعنی جب تک ان کے مذہب کے پیرو نہ ہو جاؤ وہ آپ سے راضی نہیں ہوں گے اور مذہب بھی تہذیب ہی ہوتی ہے۔ دین جو ہوتا ہے وہ اللہ کا بتایا ہو راستہ ہوتا ہے۔ مذہب کا لفظی ترجمہ بھی ایک راستہ ہے، ایک چلن ہے، ایک طرز حیات ہے۔

علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مشہور کتاب مقدمہ ابن خلدون میں لکھا ہے کہ اگر آپ اپنا لباس بھی بدل لیتے ہیں اور کسی دوسری قوم کا لباس اختیار کرتے ہیں تو اس میں بظاہر تو کوئی قباحت نہیں ہے چونکہ شرعی طور پر تو فرض ہے کہ کسی لباس سے بھی آپ بدن ڈھانپ لیں، وہ ٹھیک ہے لیکن وہ فرماتے ہیں کہ جب کسی خاص قوم کا مخصوص لباس اپنا لیا جائے تو رفتہ رفتہ اس کی بہت سی بری عادتیں بھی پہلے ہلکی لگتی ہیں کہ کوئی خاص برائی نہیں ہے، پھر بالآخر بندہ ان عادتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور یہ راستہ عقائد ونظریات تک بھی لے جاتا ہے۔ عقائد بھی مجروح ہو جاتے ہیں اور ان جیسے عقیدے اپنا لیتا ہے۔

دین میں رسومات کی ترویج:

آپ یہاں برصغیر کی بات کیجئے۔ برصغیر میں جب اسلام آیا تو دو تہذیبوں کا ٹکراؤ تھا۔ برصغیر کی تہذیب اپنی تھی اسلام کی تہذیب اپنی تھی، ان کا لباس اپنا تھا مسلمانوں کا لباس اپنا تھا، ان کے کھانے پینے کے انداز اپنے تھے مسلمانوں کے اپنے تھے لیکن رفتہ رفتہ جب تہذیبیں ایک ہونے لگیں، شروع شروع میں لباس ایک ہوئے پھر دوستیاں بڑھیں، محبتیں آئیں پھر کچھ حکمران ایسے آئے جنہوں نے کہا مل جل کر رہنا ہے تو پھر بات آپس میں شادیوں تک جا پہنچی۔ ہوا کیا؟ ہندو تو ہندو ہی رہا لیکن مسلمان نہ صرف لباس، عادات وخصائل بلکہ ان کے عقائد ونظریات بھی اپنا بیٹھے۔ آج ہم میں اکثر بدعات جو جاری وساری ہیں یہ ہندوؤں کی رسومات ہیں۔ عام معمول میں، عام زندگی میں، شادی بیاہ پر، کسی کے مرجانے پر بے شمار ایسی رسومات ادا کی جاتی ہیں جو ہندوؤں کے ساتھ مختص تھیں اور اسلام میں جن کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ کیوں ہوا؟ اس کا سبب وہی تہذیبوں کی یک رنگی بنا۔ شروع شروع میں تہذیب میں مشارکت ہوئی اور رفتہ رفتہ ایمانیات تک چلی گئی۔ آج ہندوؤں کی جو رسوم ہم نے اسلام میں داخل کر لی ہیں ان پر کوئی اگر تنقید کرے اور منع کرے تو اسے کہا جاتا ہے کہ یہ صحیح مسلمان نہیں ہے یعنی وہ اتنی رچ بس گئی ہیں کہ انہی رسومات کو اسلام سمجھ لیا گیا ہے۔

یہی حال دوسری تہذیبوں سے آمیزش کا بھی ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اگر آپ یہود ونصاریٰ کو اپنے ساتھ خوش رکھنا چاہتے ہیں تو یہ تب تک خوش نہیں ہوں گے جب تک تم لوگ ان کی تہذیب نہیں اپنا لیتے

اور تہذیب اپنانے میں یہ امر مانع ہے کہ آپ ﷺ ان سے کہیے: قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى ؕ

سیدھا راستہ یا خواہشات کا اتباع:

صحیح راستہ وہ ہے جو اللہ نے بتایا۔ اگر اتفاق ہو، اتحاد ہو، یگانگت ہو، دوستی ہو تو اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر ہو، تب تو بات ہے۔ اللہ کے دین کو چھوڑ کر اگر تمہاری توہمات اور خرافات پر سمجھوتہ ہو جائے تو یہ تباہی اور بربادی کی بات ہے۔ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى ؕ ان سے کہہ دیجئے کہ سیدھا راستہ وہی ہے جو اللہ نے فرما دیا ہے:

وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ الَّذِىۡ جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ اللہ کی طرف سے یہ علم آنے کے بعد بھی اگر کسی نے ان کے اوہام کی پیروی کی تو پھر مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۱۲۰﴾ تو پھر اسے اللہ کے غضب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ یعنی غیر مسلموں کی دوستی تو نصیب ہوگی لیکن اس کے بدلے میں اللہ سے دشمنی اور اللہ کا غضب جھیلنا پڑے گا۔ غیر مسلموں سے تعلقات کی ایک حد ہے۔ اگر ہم کم از کم الفاظ میں کہنا چاہیں تو حد یہ ہے کہ جہاں دین یا عقائد مجروح ہوتے ہوں، جہاں حلال حرام کا یا دین کا مسئلہ آ جائے مثلاً اب ہم جھٹکا کھانے لگیں، اس لئے کہ ہم سے ہندو سکھ خوش رہیں گے، تو یہ درست نہیں ہوگا۔ جہاں دین پر زد نہ پڑتی ہو، کوئی ان کے پاس ملازمت کرتا ہے لیکن اپنا عقیدہ صحیح رکھتا ہے، اپنا کھانا حلال کھاتا ہے، اپنی مزدوری کرتا ہے، تنخواہ لیتا ہے، لین دین کرتا ہے، کسی نے غلہ بیچا، جانور بیچے یا ان سے خریدے، درست ہے لیکن دوستی جو دلی دوستی ہوتی ہے، جس میں آدمی ایک دوسرے کے رنگ میں رنگا جاتا ہے وہ مومن اور کافر میں نہیں ہو سکتی۔ اس لئے فرمایا کہ یہ یہود و نصاریٰ اس سے کم تر کسی بات پر آپ ﷺ سے خوش نہیں ہوں گے۔

طالبان حکومت کے مثالی اقدامات:

افغانستان میں جب تبدیلی آئی اور طالبان برسر اقتدار آئے تو یہ درست ہے کہ وہ بہت سے کام نہیں کر سکے۔ کوئی ادارے نہیں بنا سکے، کوئی اچھی پیش رفت سکولوں کے معاملے میں نہیں ہو سکی، کوئی بہتر پیش رفت ہسپتالوں کے معاملے میں نہیں ہو سکی، بے شمار ایسے ادارے جو ہونے چاہئیں تھے وہ نہیں بن سکے لیکن اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ برسوں سے جو حکومتیں امن و امان سے رہ رہی ہیں ان سے بھی وہ کام مکمل نہیں ہو پاتے اور ایک حکومت جو حالاتِ جنگ کی پیداوار ہو اور جس کا سارا عرصہ جنگ و جدل میں ہی گزر جائے، جہاں ایک دن امن کا نہ آئے تو وہاں یہ کام کرنا اتنا آسان نہیں ہے جتنی ہم توقع رکھتے ہیں کہ سڑکیں بن

جاتیں، سکول بن جاتے۔ یہ سب ضروری تھا لیکن ایک کام اس سے بھی زیادہ ضروری تھا اور وہ تھا انسان کی جان مال اور آبرو کا تحفظ۔ علم بھی کوئی تب حاصل کرے گا کہ وہ زندہ رہے گا، ہسپتال میں بھی کوئی تب جا سکے گا کہ وہ پہلے زندہ تو ہوگا۔ راستے میں قتل کر دیا گیا، اس کے لئے ہسپتال کی کیا ضرورت ہے۔ ادارے بھی تب بنتے کہ ملک میں امن قائم ہوتا اور یہ امن قائم نہ ہوسکا۔ مغربی ممالک کی مداخلت سے شمالی اتحاد بنا کر کچھ لوگوں کو مغرب اسلحہ بھی دیتا رہا، سرمایہ بھی دیتا رہا اور افغانستان میں جنگ کے شعلے بھڑکتے رہے لیکن ایک کام افغانستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ جتنا علاقہ طالبان کے زیرنگیں تھا، اس سب کو انہوں نے غیر مسلح کر دیا۔ پہلی بار تاریخ میں کسی پٹھان کے پاس بندوق نہیں تھی، کوئی کسی سے زیادتی نہیں کرتا تھا اور اگر زیادتی کرتا تھا تو فوراً انصاف مل جاتا تھا۔ اربوں روپے بازار میں پڑے ہوتے تھے اور لوگ اوپر چادر ڈال کر مسجد میں نماز پڑھنے چلے جاتے، کوئی چوری کا خیال نہیں کرتا تھا اور یہ ایک ایسا کام ہے جو بڑی بڑی قدیم، اپنے آپ کو مہذب اور بڑی بڑی نیک کہلانے والی حکومتیں نہیں کر سکیں۔

اب جس طرح سے انہوں نے امن قائم کر دیا تھا، اگر وہ حکومت رہتی تو اسی طرح سے دوسرے ادارے بن جاتے، سڑکیں بنتیں، سکول بنتے، ہسپتال بنتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ دنیا کے سارے لوگ اس طرف متوجہ ہو جاتے جہاں زندگی کی ساری سہولتیں بھی ہوں اور امن اور تحفظ بھی ہو اور لوگ مسلمان ہونا شروع ہو جاتے۔ افغان وار کی ایک وجہ جو امریکہ کے صدر بُش نے خود اپنی زبان سے بتائی وہ یہ بھی تھی کہ وہ دنیا بھر میں ہماری تہذیب کو تباہ کرنا چاہتے تھے۔

"They were going to destroy our culture around the globe"

اگر طالبان باقی رہتے اور وہ ملک باقی رہتا اور Stable ہو جاتا اور وہاں ادارے بن جاتے تو ہماری تہذیب کے لئے اتنا بڑا خطرہ تھا کہ ہماری تہذیب روئے زمین سے مٹ جاتی، لوگ اُدھر چلے جاتے۔ یہی بات یہاں قرآن حکیم نے آج سے سوا چودہ سو سال پہلے ارشاد فرمائی ہے کہ یہود و نصاریٰ آپ ﷺ سے خوش نہیں ہوں گے۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى نہ یہودی خوش ہوں گے نہ نصاریٰ خوش ہوں گے ہاں ایک بات پہ وہ خوش ہوں گے حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ کہ آپ ﷺ ان کی ملت اپنا لیں۔ ان جیسے ہو جائیں، ان جیسے بن جائیں، کلمہ بھی پڑھتے رہیں، نمازیں بھی پڑھتے رہیں لیکن کھائیں پئیں ان جیسا، کمائیں ان کی طرح، تہذیب ان کی ہو، لباس ان کا ہو، افکار ان کے ہوں، تو یہ سودا بڑا مہنگا ہے۔ اس لئے

آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے:

قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى ؕ ہدایت پر سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔ ہدایت وہی ہے، راستہ وہی ہے جو اللہ نے مقرر کر دیا لیکن اگر پھر بھی کسی دنیوی مجبوری میں یا لالچ میں آ کر آپ ان سے یہ سمجھوتہ کر لیتے ہیں کہ ان کی ملت اپنا لیتے ہیں تو ان کی ملت کیا ہے؟ محض خیالات کا مجموعہ ہے۔ ان کی کتابوں میں جو عقائد ونظریات تھے وہ تو وہ ضائع کر چکے۔ اب تو ان کے پاس محض اوہام کا پلندہ ہے اور اے مخاطب! تو نے اگر ان کے غلط خیالات کی پیروی کی، اس کے بعد کہ اللہ کی طرف سے علم آ چکا ہے، اللہ کی کتاب موجود ہے، شب و روز پڑھی جا رہی ہے سُنی جا رہی ہے، سنائی جا رہی ہے، سیکھی جا رہی ہے، سکھائی جا رہی ہے، سمجھی جا رہی ہے، سمجھائی جا رہی ہے تو پھر اللہ سے بچانے والا تجھے کوئی دوست اور کوئی مددگار نہیں ملے گا اور تو اللہ کے غضب کا شکار ہو جائے گا۔

اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ جنہیں آپ اہل کتاب کہتے ہیں اور جو واقعی اہل کتاب تھے، جنہیں ہم نے کتاب دی وہ يَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ وہ لوگ تھے جو اس کو اس طرح پڑھتے تھے کہ جس طرح پڑھنے کا حق ہے۔ یعنی کتاب کو پڑھتے تھے، اسے سمجھنے کی کوشش کرتے تھے اور اس کا اتباع کرتے تھے۔ اُولٰٓئِكَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ وہ لوگ تھے، جو اس کے ساتھ ایمان رکھتے تھے، جنہوں نے اس کتاب کو پڑھنے کا حق ادا کیا، اس کے معانی اور مفاہیم کو سمجھا اور ان کی پیروی کی۔ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾ اور جنہوں نے اس کا انکار کر دیا اور اس کے نظریات وعقائد کی جگہ اپنے خود سے گھڑے ہوئے عقائد ونظریات اس میں داخل کر دیے، احکام بدل دیے، اس میں تحریف کر دی، فرمایا: یہ تو بہت بڑے خسارے میں جانے والے ہیں انہوں نے تو بہت بڑا ظلم کیا اور بہت بڑا نقصان کیا جس کی تلافی ممکن نہیں ہے۔ یہ خطاب مسلمانوں سے تھا کہ اگر تم انہیں راضی رکھنا چاہتے ہو، خوش رکھنا چاہتے ہو تو یہ اس سے کم کسی بات پر راضی نہیں ہوں گے کہ تم بھی ان کی ملت اپنا لو اور اگر ایسا کرو گے تو اللہ کی ہدایت سے محروم ہو جاؤ گے، اللہ کے غضب کا شکار ہو جاؤ گے۔

سورۃ البقرہ رکوع 15 آیات 122 تا 129

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰبَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّىۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى
الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِىۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـًٔا وَّلَا يُقۡبَلُ
مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا تَنۡفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابۡتَلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ
رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنۡ
ذُرِّيَّتِىۡ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهۡدِى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَيۡتَ مَثَابَةً
لِّلنَّاسِ وَاَمۡنًا ؕ وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدۡنَآ اِلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ
وَاِسۡمٰعِيۡلَ اَنۡ طَهِّرَا بَيۡتِىَ لِلطَّآئِفِيۡنَ وَالۡعٰكِفِيۡنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذۡ
قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارۡزُقۡ اَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنۡ
اٰمَنَ مِنۡهُمۡ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنۡ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيۡلًا ثُمَّ
اَضۡطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذۡ يَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ
مِنَ الۡبَيۡتِ وَاِسۡمٰعِيۡلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۱۲۷﴾
رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا
مَنَاسِكَنَا وَتُبۡ عَلَيۡنَا ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابۡعَثۡ
فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ
وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۲۹﴾

اے اولادِ یعقوبؑ! میری نعمت یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تم کو
(تمہارے عہد کے) جہانوں پر بزرگی دی ﴿۱۲۲﴾ اور ڈرو اس دن سے جب کوئی
کسی کی کفایت نہ کرے گا اور نہ اس سے معاوضہ قبول کیا جائے گا نہ کسی اور کی
سفارش اس کے کام آئے گی اور نہ وہ مدد دیئے جائیں گے ﴿۱۲۳﴾ اور جب
ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کے پروردگار نے کئی باتوں میں آزمایا اور انہوں نے وہ
پوری کیں (تو اللہ نے) فرمایا میں تم کو لوگوں کا مقتداء بنانے والا ہوں انہوں نے
عرض کی اور میری اولاد میں سے، فرمایا میرا (یہ) عہد ظالموں (بدکاروں) کو نہ ملے
گا ﴿۱۲۴﴾ اور جب ہم نے کعبہ کو لوگوں کے لئے ثواب اور امن کی جگہ بنایا اور
مقام ابراہیم کو کبھی کبھی نماز پڑھنے کی جگہ بنالو اور ابراہیم اور اسمٰعیل (علیہما السلام) کو
فرمایا میرے گھر کو طواف اور اعتکاف کرنے اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے
پاک صاف رکھا کرو ﴿۱۲۵﴾ اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے دعا کی اے
میرے پروردگار! اس جگہ کو امن کا شہر بنایئے اور اس کے رہنے والوں میں سے جو
اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو کو پھل عطا فرمایئے۔ فرمایا اور جو کفر کرے گا
سو اس کو بھی تھوڑا عرصہ (یعنی دنیا میں) بہت آرام دوں گا پھر اس کو کشاں کشاں
آگ کے عذاب میں پہنچاؤں گا اور وہ پہنچنے کی بہت بری جگہ ہے ﴿۱۲۶﴾ اور جب
ابراہیم اور اسمٰعیل (علیہما السلام) بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (اور دعا کر
رہے تھے) اے ہمارے پروردگار! ہماری یہ کاوش قبول فرمایئے یقیناً آپ سننے
(اور) جاننے والے ہیں ﴿۱۲۷﴾ اے ہمارے پروردگار! اور ہم دونوں کو اپنا
فرمانبردار بنایئے اور ہماری اولاد میں ایسی جماعت بنایئے جو آپ کی فرمانبردار ہو
اور ہمیں (عبادت اور حج کے) احکامات بتا دیجئے اور ہمارے حال پر توجہ فرمایئے
بے شک آپ ہی توجہ فرمانے والے (اور) رحم کرنے والے ہیں ﴿۱۲۸﴾ اے
ہمارے پروردگار! ان میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجئے (مبعوث فرمایئے) جو

ان کو آپ کی آیات سنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک کرے۔ بے شک آپ ہی غالب اور حکمت والے ہیں ﴿۱۲۹﴾

خلاصۂ تفسیر ومعارف

بنی اسرائیل سے خطاب ہے: يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ﴿۱۲۲﴾ اے اولادِ یعقوب علیہ السلام! تم میرے وہ احسان یاد کرو کہ ایک وقت میں میں نے تمہیں روئے زمین پر بسنے والوں انسانوں پہ فضیلت دی، تمہیں سلطنتیں دیں، ریاستیں دیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تمہاری نسل میں یعقوب علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک نبوت جاری وساری رکھی۔ یعقوب علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے نبی آئے وہ تمہی میں سے آئے، یہ کتنا بڑا اعزاز ہے اللہ کی طرف سے کہ دنیوی اعتبار سے بھی تمہیں ممالک اور حکومتیں اور دولت اور عزت اور بلند مرتبے نصیب ہوئے اور دینی اعتبار سے سارے نبی تمہاری قوم سے آئے لیکن ایک بات یاد رکھو! ایک وقت آنے والا ہے اس کا دھیان رکھو، یہی دنیا بس نہیں ہے بلکہ اس کے بعد ایک دن آنے والا ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَـيْــــًٔـا حساب کتاب کا ایک دن آنے والا ہے، اس دن سے ڈرو، جس دن کوئی بڑے سے بڑا آدمی کسی دوسرے کے لئے کچھ بھی نہیں کر پائے گا۔ وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ﴿۱۲۳﴾ نہ کسی کو کسی دوسرے کے بدلے میں گرفتار کیا جائے گا کہ کوئی کہہ دے کہ اسے چھوڑ دو اور میں اپنی جان پیش کرتا ہوں، فرمایا کوئی اس طرح بھی نہیں کر سکے گا، کوئی معاوضہ نہیں دے سکے گا، کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ میں اس کی طرف سے اتنی دولت دیتا ہوں اور اسے معاف کر دیں۔ فرمایا: یہ سودا بازی نہیں ہوگی، نہ کسی کی سفارش قبول ہوگی اور نہ کوئی مدد کر سکے گا۔ تین ہی طریقے ہوتے ہیں مجرم کو چھڑانے کے، یا جرم کا معاوضہ دے دیا جائے یا مجرم کی سفارش کی جائے یا بزور بازو مجرم کو چھین لیا جائے۔ فرمایا: اس دن کو یاد رکھو، ایک دن آنے والا ہے جس دن مجرموں کے لئے اور کافروں کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی۔ تو جو فیصلے بھی آپ لوگ کرتے ہو، آخرت کی رسوائی، اللہ کا غضب اور روزِ حشر کو یاد رکھ کے کرو۔

خلیل اللہؑ کے امتحانات:

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ فرمایا: زندگی میں کیسی کیسی مثالیں موجود ہیں آپ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کو دیکھ لیجئے! اللہ کے خلیل تھے، اللہ کے برگزیدہ رسول تھے، اللہ کا ان پر بہت بڑا احسان اور کرم تھا لیکن ان پر بھی کتنی آزمائشیں آئیں، کتنے مشکل وقت آئے۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کریم نے امتحان میں ڈالا فَاَتَمَّهُنَّ ؕ اور وہ اس پر پورے اترے۔ بچپن میں لڑکپن میں والدین کو اور قوم کو بت پرستی کرتے دیکھا تو انہیں روکا، پھر ان سے الگ ہوئے۔ شاہی بت کدے کے بتوں کو توڑ دیا، بادشاہ سے مقابلہ آیا تو اس نے آگ میں پھینکوا دیا لیکن اللہ نے آگ کو گلزار کر دیا۔ پھر آپ علیہ السلام نے ہجرتیں فرمائیں، بڑے لمبے سفر کیے، راستے میں بے شمار حادثے اور تکالیف پیش آئیں۔ پھر آخری عمر میں اللہ نے چاند سا بیٹا دیا، حکم ملا تو بیوی اور بیٹے کو حرم میں جا کر چھوڑ آئے۔ سینکڑوں میل کی مسافت پر جنگل بیاباں میں، حرم میں، جہاں کوئی آبادی تھی نہ بیت اللہ کے آثار تھے۔ جب بیٹا ساتھ چلنے کے قابل ہوا تو حکم ہوا اسے قربان کر دیں، ذبح کر دیں، اس کی گردن پہ چھری رکھ دی۔ تو فرمایا کتنی آزمائشیں، کتنے مشکل وقت اس بندے پر آئے جو اللہ کا دوست اور خلیل تھا، نبی اور رسول تھا۔

فَاَتَمَّهُنَّ ؕ اس نے سارے کام پورے کیے، جو حکم ہوا اس نے پورا کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کریم نے فرمایا: قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ اے ابراہیم علیہ السلام میں تجھے نسل انسانی کا امام بناتا ہوں، پیشوا بناتا ہوں۔ قیامت تک لوگ تیری پیروی کریں گے، تجھے امام مانیں گے۔ خود دین اسلام میں آقائے نامدار ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کتنی سنتیں زندہ رکھیں اور درود شریف میں درود ابراہیمی شامل رکھا۔ قرآن کریم کی تلاوت میں ان کا ذکر خیر موجود ہے۔ نماز میں بھی آیات پڑھی جاتی ہیں، ان کا ذکر خیر ہوتا ہے۔ اور پھر جب انہیں یہ ارشاد ہوا کہ آپ علیہ السلام کو یہ انعام ملے گا کہ رہتی دنیا تک آپ علیہ السلام کا نام رہے گا تو انہوں نے عرض کی: قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ اے اللہ میری نسل اور میری اولاد میں یہ بات چلے گی، جب آپ مجھ پہ اتنا انعام اور اتنا احسان فرما رہے ہیں کہ میرا نام جب تک انسانیت قائم ہے دنیا میں بھی عزت و احترام کے ساتھ رہے گا وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ اور میری اولاد میں سے! قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ فرمایا آپ علیہ السلام کی اولاد میں سے جو ظالم ہوگا اسے یہ مرتبہ نہیں ملے گا۔ جو آپ علیہ السلام کا پیروکار ہوگا، متبع ہوگا اسے احترام ملے گا لیکن جو ظلم اختیار کرے گا، اللہ کی نافرمانی کرے گا، بے راہ ہو جائے گا، اسے اس وعدے میں سے کچھ نہیں ملے گا۔

نیکی وقابلیت کا معیار نسبی تعلق نہیں:

ہمارے ہاں یہ جو رواج ہو گیا ہے کہ جہاں کوئی نیک آدمی ہے یا گزرا ہے تو اس کی اولاد ہم پر مسلط ہے اور ہم اس کی پوجا کیے جا رہے ہیں۔ خواہ وہ بدکار ہیں، شراب پیتے ہیں، نشہ کرتے ہیں، برائی کرتے ہیں اور کوئی ان میں دینی وصف موجود نہیں ہے، نماز تک نہیں پڑھتے! ایسے بھی ہیں جنہیں نماز آتی تک نہیں، عقائد بدل دیے، گمراہ ہو گئے، حلیے مسلمانوں جیسے نہیں ہیں لیکن ہم ہیں کہ اس بات پہ ان کے پیچھے لگے ہیں کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا: نہیں، بیٹا ہونا بڑی بات ہے لیکن اگر بیٹا بھی ہو اور اتباع بھی کرے تو نورٌ علیٰ نور ہے۔ نبیؐ کی نسل بھی ہے، نبیؐ کا خون بھی ہے، اللہ کے رسول کی اولاد بھی ہے اور اللہ کے رسول کا پیروکار بھی ہے پھر تو واقعی قابل لحاظ بات ہے، قابل احترام بات ہے لیکن اگر اس نے راستہ ہی بدل لیا تو اللہ کریم فرماتے ہیں میرا وعدہ ظالموں کے ساتھ نہیں ہے اور یہ تو ظلم ہے۔ عام آدمی انکار کرے، وہ ظلم ہے پھر اللہ کے نبیؐ کی اولاد بھی ہو اور اس کا دین چھوڑ دے، اس کی پیروی چھوڑ دے تو یہ تو بہت بڑا ظلم ہے!

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۖ اور یاد کریں جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے عبادت کی جگہ اور امن کی جگہ بنا دیا تھا، ایک ایسا گھر جس میں سوائے اللہ کے کسی کا دخل نہ ہو جو ہر طرح سے مامون ہو، جس میں ہر طرح سے امن ہو اور جہاں بیٹھنا بھی عبادت، جسے دیکھنا بھی عبادت اور جہاں عبادت کرنا دوسری جگہوں سے ایک لاکھ گنا زیادہ ثواب رکھتا ہو۔

مقام ابراہیمؑ کی فضیلت:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۖ اور لوگو! مقام ابراہیم علیہ السلام کو سجدہ گاہ بناؤ۔ عمرہ ہو یا حج یا ویسے کوئی طواف کرے تو ہر طواف کے بعد مقام ابراہیم علیہ السلام پہ دو نفل ادا کرتا ہے، یہ اس کا حصہ ہے وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۖ بیت اللہ شریف میں مقام ابراہیم پر ایک سفید رنگ کا پتھر آج بھی موجود ہے کہ جیسے جیسے بیت اللہ کی تعمیر ہوتی تھی اس پتھر پہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر تعمیر کرتے جاتے تھے، دیوار اونچی ہوتی جاتی تھی اور پتھر از خود اونچا ہوتا جاتا تھا اور دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا تھا۔ آپ علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی اور اس پتھر میں دو ڈھائی انچ گہرائی تک آپ علیہ السلام کے نقوش کف پا مبارک اتر گئے۔ آج بھی زائرین کی زیارت کے لئے بیت اللہ شریف کے سامنے وہ ایک شیشے میں بند رکھا ہوا ہے۔ سفید رنگ کا پتھر ہے جیسے سنگ مرمر ہوتا ہے اور اس میں ابراہیم علیہ السلام کے دونوں

پاؤں دو ڈھائی انچ تک گہرائی میں لگے ہوئے ہیں، تو فرمایا: اس جگہ، جہاں یہ پتھر رکھا ہے، یہاں نوافل ادا کرو۔

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآٮِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اور اسمٰعیل علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ ہمارے گھر کو صاف رکھیں، پاکیزہ رکھیں، اعتکاف کرنے والوں کے لئے، رکوع اور سجود کرنے والوں کے لئے اور طواف کرنے والوں کے لئے، زیارت کرنے والوں کے لئے، حج کرنے والوں کے لئے، عمرہ کرنے والوں کے لئے یعنی اللہ کی عبادت کرنے والوں کے لئے اس گھر کو ہمیشہ پاکیزہ صاف ستھرا رکھیں۔ اس میں کوئی دینی قباحت ہو نہ کوئی دنیوی قباحت ہو، اس میں کوئی غلاظت یا گندگی بھی نہ ہو اور دینی اعتبار سے کوئی بت، کوئی اس طرح کی خباثت اس میں نہ ہو۔

حرمین میں ثمرات کی فراوانی:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ اللہ نے حکم دیا تو آپ علیہ السلام نے بیت اللہ شریف تعمیر فرمایا پھر اس کو صاف ستھرا کیا، سجایا، اس میں عبادت شروع کی اور دعا کی، اے اللہ! اس شہر کو شہر امن بنا دے اور اس میں رہنے والوں کو پھل اور رزق عطا فرما جو بھی تیری ذات پر اور آخرت پر ایمان لائے۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ آپ علیہ السلام نے دعا کی ہے اور آپ علیہ السلام نے صرف مسلمانوں اور مومنین کے لئے دعا کی ہے لیکن میں دنیا میں کافر کو بھی ان نعمتوں سے محروم نہیں کروں گا جو اس شہر میں آیا اگر وہ مومن نہ بھی ہوا تو اسے رزق ملے گا اور پھل بھی ملیں گے۔

آج تو یہ تکنیک عام ہوگئی ہے کہ ہر موسم میں پھل ملتا ہے اور کچھ نقلی طریقے سے کچھ ایسی ادویات بن گئی ہیں، ایسی کھادیں بن گئی ہیں کہ بغیر موسم کے سبزیاں اور پھل پیدا کیے جاتے ہیں لیکن ایک زمانہ تھا جب یہ چیزیں نہیں تھیں۔ آج سے پچیس تیس سال پہلے ایسا کوئی تصور بھی نہیں تھا لیکن مکہ مکرمہ میں روزِ اول سے لے کر آج تک کبھی موسم یا زمانے کی قید نہیں رہی۔ ہر زمانے کا پھل موجود ہوتا ہے اور ایک شہر میں پینتیس پینتیس لاکھ لوگ باہر سے جمع ہو جاتے ہیں اور کبھی کوئی بھوکا نہیں سوتا۔ سب کے رزق کا اہتمام بھی ہوتا ہے اور دنیا کا ہر پھل بھی وہاں ملتا ہے لیکن فرمایا: مومن کے لئے تو درست، دنیا میں کافر کو بھی دوں گا لیکن اس کا فائدہ حاصل

کرنے کا وقت کم ہوگا۔

تو ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بھی اس طرح منظور ہوئی کہ وہ شہر شہرِ امن بھی بنا اور اس میں آج تک رزق کی بھی کوئی کمی کسی نے محسوس نہیں کی۔ اللہ کریم اپنی نعمتوں سے اور اپنے رزق سے فائدہ اٹھانے کی توفیق بھی دے لیکن اپنی ذات کے ساتھ ایمان پر پختہ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دنیاوی دولت یا دنیاوی شہرت یا دنیاوی وقار کوئی چیز نہیں اگر اس کے بدلے آخرت ضائع ہوجائے اور اللہ کریم آخرت کو محفوظ رکھیں، ایمان کو محفوظ رکھیں، توفیق عمل دیں اور اس کے ساتھ دنیا کی عزت بھی دیں تو یہ اس کا انتہائی کرم ہے۔

خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے مل کر بیت اللہ شریف کی تعمیر کی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ساری زندگی قربانیوں سے عبارت ہے۔ بچپن سے، لڑکپن سے لے کر حینِ حیات، اللہ جل شانہٗ کی اطاعت میں قربانیوں کا ایک تسلسل ہے۔ جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اس قابل ہوئے کہ آپ علیہ السلام کی مدد کر سکتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ بیت اللہ شریف کی جگہ وہی ہے جو روزِ اوّل سے مقرر تھی اور جہاں آدم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی۔ طوفانِ نوح علیہ السلام میں عمارت ختم ہوگئی اور ایک چھوٹی سی ٹیکری رہ گئی تھی جس کے گرداگرد پانی طواف کرتا تھا۔ مکہ مکرمہ ایک ایسا شہر ہے جس میں پانچ پہاڑیاں اور ان کے درمیان نالے ہیں۔ اکثر و بیشتر سارے نالے بیت اللہ کی جگہ پہ اکٹھے ہوکر ایک سمت کو بہتے ہیں۔ اس طرح ہر طرف سے پانی آتا تھا جو وہاں سے ایک سمت کو نکلتا۔ درمیان میں ایک چھوٹی سی پہاڑی نما جگہ تھی۔ انہی بنیادوں پر جبرائیل امین علیہ السلام نے نشان دہی فرمائی اور حجرِ اسود جو جنت سے آدم علیہ السلام کے ہمراہ آیا تھا اس میں نصب فرمایا گیا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کر رہے تھے:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اے ہمارے پروردگار! ہماری محنت، مجاہدہ، یہ کام قبول فرما اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٢٧﴾ کہ بے شک تو ہماری گذارشات بھی سن رہا ہے اور جاننے والا بھی ہے جو ہمارے دل میں ہے وہ تو جانتا بھی ہے۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ اے اللہ! ہم دونوں کو اپنا اطاعت گزار بنائے رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا فرما جو ہمیشہ آپ

کی اطاعت گزار رہے۔ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا اور ہمیں طواف، حج، عمرے، عبادات اور اپنی اطاعت کے طریقے بھی بتا اور ہماری توبہ قبول فرما، ہم پر رحمت فرما۔ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٢٨﴾ یقیناً تُو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

دونوں اولوالعزم رسول ہیں، وہ خلیل اللہ علیہ السلام ہیں، یہ ذبیح اللہ علیہ السلام ہیں، دونوں کی زندگی بے مثال قربانیوں سے عبارت ہے۔ بیت اللہ شریف کی تعمیر کر رہے ہیں اور عرض یہ کر رہے ہیں، یا اللہ! ہماری یہ کاوش قبول فرمایا۔ ساری زندگی کی قربانیوں، نیکی اور تقویٰ اور اپنی رسالت و نبوت پہ کوئی غرور اور گھمنڈ نہیں ہے۔

نبوت وہی چیز ہوتی ہے جو اللہ کریم اپنی طرف سے عطا کرتا ہے اور نبیؑ معصوم عن الخطا ہوتا ہے اس سے کبھی گناہ کا صدور نہیں ہوتا۔ ہمیشہ قربِ الٰہی کے منازل میں ترقی کرتا رہتا ہے۔ یاد رکھیں! جس طرح اللہ کی ذات لامحدود ہے اس کی کوئی حد نہیں اسی طرح قربِ الٰہی کی بھی کوئی انتہا اور کوئی حد نہیں ہے۔ جن لوگوں نے یہ فرمایا ہے یا لکھا ہے کہ فلاں نے سلوک مکمل کر لیا، یہ ان کی نادانی ہے، سلوک کبھی ختم نہیں ہوتا۔ قربِ الٰہی کے منازل انبیاء علیہم السلام کے بھی ختم نہیں ہوتے تو ولی، جو اُن کی جوتیوں کی خاک ہوتا ہے، وہ کیسے ختم کر لے گا! اللہ ہر جگہ ہے اور جہاں تک چلتے جائیں اس کی تلاش جاری رہتی ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے منازلِ قرب میں ترقی ہمیشہ ہوتی رہتی ہے۔ زندگی میں بھی، دنیوی زندگی کے بعد بھی، میدانِ حشر میں بھی اور جنت الفردوس میں بھی، ہر آن قربِ الٰہی میں نبی کو ترقی نصیب ہوتی رہتی ہے۔ تو قربِ الٰہی کی انتہا نہیں ہے کہ کہیں بس ہو جائے اور یہی بات یہاں ہے کہ بیت اللہ بنا رہے تھے ساری زندگی اللہ کی اطاعت، زہد، ورع تقویٰ اور قربانیاں عبارت ہیں اور پھر درخواست کر رہے تھے کہ اے اللہ! ہماری اس کاوش کو قبول فرما۔

خلیل اللہؑ اور ذبیح اللہؑ کی دعائیں:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ اے اللہ! ہمیں ہمیشہ اپنا فرماں بردار بنائے رکھ، کہیں ہم سے کوئی سستی نہ ہو حالانکہ نبیؑ سے گناہ محال ہے۔ نبیؑ معصوم ہوتا ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کا کردار مخلوق اور تعلیم اُمت کے لئے ہوتا ہے۔ آپ علیہ السلام رہنمائی فرما رہے تھے کہ کسی جگہ، کسی نیکی کے معیار پر آ کر بندے کو نازاں نہیں ہونا چاہیے بلکہ مزید نیکی کی توفیق اور جو کمی رہ گئی ہے اس کی معافی مانگتے رہنا چاہیے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ اے اللہ! ہم دونوں کو اپنا اطاعت گزار بنائے رکھ وَمِنْ

ذُرِّيَّتِنَآ اے اللہ! ایک کرم اور فرما، ہماری نسل میں بھی اپنے اطاعت گزار بندے پیدا کر اور یہ انہی کی دعا کا اثر ہے کہ ان کے بعد کبھی دنیا سے دین ختم نہیں ہوا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے وقت ایک شخص ایسا تھا جس نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا کہ میں جانتا ہوں حق کیا ہے اور بولتا اس لئے نہیں کہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے لیکن جب میری آنکھ بند ہوگی تو محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہو جائیں گے۔ جس نبیؐ کی تجھے تلاش ہے وہ نبیؐ مبعوث ہو جائے گا، اس لئے کہ زمین پر سے حق مٹے گا نہیں، ایک بندے کی صورت میں بھی حق موجود ہے۔ یہی دعا ہے کہ یا اللہ ہمیں بھی اپنا اطاعت شعار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت ایسی رکھ جو ہمیشہ تیری اطاعت گزار ہو۔ أُمَّةً مُّسْلِمَةً ایسی ایک جماعت قائم رکھ جو ہمیشہ تیری اطاعت گزار رہے۔ اب آدمی کے سامنے آئینہ ہے، اللہ کا قرآن اور اللہ کی کتاب، اللہ کے دو اولوالعزم رسولوں کا یہ فرمان اور گذارش کو سامنے رکھ کر وہ اپنے آپ کو، اپنے کردار کو دیکھ سکتا ہے، اپنی نیت کو جانچ سکتا ہے، اپنے اعمال کو پرکھ سکتا ہے۔

تو ساری ولایت، ساری نیکی، بزرگی، ذکر و اذکار، تزکیہ اور پاکیزگی یہ ہے کہ آدمی کا کردار اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق ڈھلتا جائے۔ اگر یہ بات نصیب ہے اور اس کا سفر نیکی کی طرف جاری ہے تو اللہ کا مقبول بندہ ہے اور اگر یہ نہیں ہے تو ہزاروں شعبدے اسے حاصل ہو جائیں، اپنے آپ کو صاحب کرامت سمجھتا رہے، اسے کشف مشاہدے ہوتے رہیں، خواب آتے رہیں، وہ پرندوں کی طرح ہوا میں اڑتا بھی رہے تو کیا کمال ہے! ایک مکھی بھی اڑ لیتی ہے، گدھ بھی اڑ لیتا ہے، ایک بندے نے اڑ لیا تو کیا کمال ہو گیا! پانی پر چلتا رہے تو پانی پر تو مینڈک بھی چل رہے ہوتے ہیں، کوئی کمال نہیں ہے۔ نسل انسانی کے لئے سب سے بڑا کمال ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی اور اللہ کی اطاعت اور بڑی سے بڑی ولایت اور مجاہدے اور ذکر اذکار کا حاصل یہ ہے کہ اسے اطاعت الٰہی نصیب ہوتی جائے اور یہی دعا یہاں دونوں اولوالعزم رسول کر رہے ہیں۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً ہماری اولاد میں سے ہمیشہ ایک جماعت ایسی رکھ جو تیری اطاعت گزار رہے۔ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اے اللہ! ہمیں طریقہ عبادت بھی بتا، یہ بڑا نازک مقام ہے۔ محبت ایک جذبہ ہے جو کسی سے تعلقات کا بہت اونچا اور باکمال مقام ہے جس کسی سے محبت ہوتی ہے خواہ ہمارا دوست ہو یا بھائی یا کوئی عزیز، رشتہ دار اس کی خاطر مدارت اپنی پسند سے کرتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہر اچھا کھانا اس کو کھلائیں، ہر طرح سے اسے خوش کرنے کی کوشش کریں لیکن یہ محبت جب اللہ اور اس کے

رسول ﷺ سے ہوتی ہے تو پھر محبت کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ وہاں ہماری مرضی نہیں چلتی، وہاں دیکھنا پڑتا ہے کہ اللہ اور اس کا حبیب ﷺ کس انداز سے خوش ہوتے ہیں، وہاں محبت کا ڈھنگ بدل جاتا ہے۔ آپ اگر اپنے ماحول میں دیکھیں تو آپ کو بے شمار قباحتیں نظر آئیں گی جو ہم نے محبت کے نام پر ایجاد کر لی ہیں جن کا شریعت میں کوئی وجود نہیں، نہ ہی جن کا حکم اللہ کی طرف سے ہے، نہ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے ہے۔ بے شمار رسومات ہم نے ایجاد کر لی ہیں جن کا کوئی سر پیر نہیں ہے اور اس پہ ہمیں دعویٰ یہ ہے کہ ہم محبت میں کر رہے ہیں۔ محبت میں نافرمانی کا کیا کام ہے، یہ کونسی محبت ہے جو آپ ﷺ کے احکام سے برگشتہ کر رہی ہے!

باوجود یہ کہ دونوں اولوا العزم رسول ہیں لیکن تعلیم اُمت کے لئے فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! ہمارا کوئی کام بھی ہماری مرضی سے نہ ہو بلکہ تو ہمیں بتا کہ ہمیں کیا کرنا ہے اور ہم وہ کرتے ہیں۔ نیکی کیا ہے، وہ کام جس کے کرنے کا اللہ حکم دے، وہ کام جس کے کرنے کا اللہ کا حبیب ﷺ حکم دے اور اس طریقے سے کیا جائے جس طریقے سے محمد رسول اللہ ﷺ کرنے کا حکم دیں۔ دونوں چیزیں نیکی میں ضروری ہیں۔

وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا ہمیں اپنی عبادت کے طریقے اور راستے دکھاتا رہ **وَتُبْ عَلَيْنَا** ہم نیکی کریں، اطاعت کریں، پھر بھی ہم مخلوق ہیں تو مالک الملک ہے، تیری شان کجا! مخلوق سے اس پائے کی نیکی اور اطاعت نہ ہو سکے گی جو تیری بارگاہ کے لائق ہو، تو ہماری توبہ قبول فرما۔ **اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾** اس لئے کہ تُو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ نیکی پر فخر کرنے کی بجائے نیکی کر کے بھی اس بات سے ڈرنا کہ جو تحفہ میں نے اس کی بارگاہ میں سجدوں کا بھیجا ہے، میرے سجدے اس لائق نہیں کہ جو عظمت اس کی بارگاہ کی ہے اور یہ عرض کرتے رہنا چاہیے کہ اے اللہ! یہ ٹوٹے پھوٹے سجدے قبول فرما، تیری شان کے لائق نہیں ہیں لیکن مجھ میں وہ استعداد نہیں ہے، میں عاجز مخلوق ہوں، ناکارہ بندہ ہوں، میرے حال پہ رحم فرما، میری توبہ قبول فرما۔ پھر وہ دعا فرمائی **رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ**

سبحان اللہ! اللہ کے بندوں کا بھی عجب حال ہوتا ہے! ہم نیکی کریں، عبادت کریں، ہماری سوچ ہماری ذات تک محدود ہوتی ہے اور ہم اپنے لیے مانگتے نہیں تھکتے اور اللہ کے بندے کیا عجیب لوگ ہوتے ہیں کہ مجاہدے میں، اطاعت میں، فرمانبرداری میں اپنی عمر لگا دی اور جب مانگنے کی باری آئی تو دوسروں کے لئے مانگتے ہیں۔ کتنا فرق ہے عام آدمی میں اور ایک اللہ کے بندے میں کتنا فاصلہ ہے کہ ہم کوئی

نیکی ،صدقہ،عبادت کریں اور پتہ نہیں کہ صحیح بھی ہوتی ہے یا نہیں لیکن پھر بھی اس پہ ہمیں بڑا ناز ہوتا ہے اور ہم اپنے لئے دنیا کی حکومت مانگ لیتے ہیں۔دنیا کی حکومت مانگنے کا مطلب ہے کہ ہر کام ویسے ہی ہو جائے جیسے میں چاہتا ہوں لیکن مانگنا بھی عبادت ہے۔ہم اپنے لئے مانگتے نہیں تھکتے جبکہ اللہ کے بندوں کا عالم یہ ہے کہ زندگی نچھاور کر دی اطاعت الٰہی میں اور جب مانگنے کی باری آئی تو آنے والی نسلوں کے لئے نوع انسانی کے لئے مانگ رہے ہیں۔

دعا کرتے ہیں: اے اللہ! ہماری نسلوں میں سے ایک جماعت دین داروں کی ضرور رکھنا،سب کو شیطان کے سپرد نہ کر دینا اور پھر ان پر یہ کرم فرما: رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ ان میں سے ایک ہستی کو ایسا رسول ﷺ مبعوث فرما جو تیری آیات ان پر تلاوت فرمائے ،انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ انہیں پاک کر دے۔نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں،عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں، اپنی والدہ ماجدہ کا خواب ہوں۔آپ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی تھی، یا اللہ! ان میں ایسا رسول مبعوث فرما جو بندوں کو اللہ سے ہم کلام کر دے۔ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ تیری باتیں ان پر تلاوت کرے اور اللہ کا کلام بندوں تک پہنچائے اور بندوں کو اللہ کے روبرو کھڑا کر دے اور انہیں اللہ سے ہم کلام کر دے۔دیکھو! محمد رسول اللہ ﷺ کا کمال کہ ماوشما بھی اللہ سے بات کرتے ہیں۔اب یہ ہمارے نصیب کہ ہم وہ دل سے کر رہے ہیں یا نماز میں کھڑے ہوئے بھی کہیں باہر گھوم رہے ہیں لیکن یہ دروازہ تو محمد رسول اللہ ﷺ نے ہر کلمہ گو کے لئے کھول دیا ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ نمازی کے آگے سے نہ گزرو فَاِنَّهٗ يُنَاجِيۡ رَبَّهٗ وہ اپنے پروردگار سے سرگوشیاں کر رہا ہوتا ہے، اپنے دل کی بات کر رہا ہے، اپنا دکھ درد کہہ رہا ہے، اپنے رب کی تعریف کر رہا ہے، اس کے آگے سے نہ گزرو۔یہی دعا تھی حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ،اے اللہ!ان میں ایسا عالی شان رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری ذات سے ہم کلام کر دے، تیری آیات ان پر تلاوت کرے اور کتاب اور حکمت کی تعلیم سے انہیں آشنا کر دے۔نہ صرف تیری کتاب تلاوت کرے بلکہ کتاب کے مفاہیم حکمت کی تعلیم بھی فرمائے۔بعض لوگوں کا اعتراض ہے کہ قرآن حکیم ایک عربی کتاب ہے، نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی، آپ ﷺ نے عطا کر دی اور اب اس کے معنی ہم گرائمر کی رو یا صرف ونحو کی رو یا علم کلام کی رو سے سمجھ سکتے ہیں۔قرآن کریم وحی الٰہی ہے۔جب اس کا نزول ہوتا،اس وقت بے شمار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خدمت عالی میں حاضر ہوتے لیکن سوائے نبی کریم ﷺ کی ذات کے کوئی نہیں سن سکتا تھا۔وحی کے نزول کے بعد

جب حضور ﷺ نے یہ سوال فرماتے کہ جانتے ہو اس آیت کا معنی اور مفہوم کیا ہے تو خلفائے راشدین اور جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی عرض کرتے :

اللہ ورسولہ اعلم اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ جس نے بات ارشاد فرمائی وہ جانتا ہے اور جس نے سنی وہ جانتا ہے، ہمیں آپ ﷺ بتا رہے ہیں کہ اس کا مفہوم کیا ہے، یہ منصب بھی آپ ﷺ ہی کا ہے۔ آج بھی اگر مسلمانوں کا ہر فرقہ اس بات پہ آ جائے کہ ہر آیت کا وہ مفہوم لیا جائے جو حضور ﷺ نے سمجھایا اور حضور ﷺ کے مخاطبین نے سمجھا تو مسلمانوں میں کوئی فرقہ نہیں رہتا۔ فرقہ بندی کی جڑ یہ ہے کہ ہم قرآن تو اللہ کا پڑھتے ہیں لیکن معنی اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے جو معنی عطا فرمائے انہیں چھوڑ دیتے ہیں، یہاں سے فرقہ بندی شروع ہو جاتی ہے۔

یہ حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہم السلام کی دعا تھی: اللہ! ایسا عظیم الشان رسول ﷺ مبعوث فرما جو ان پر تیری آیات تلاوت فرمائے اور ان آیات کے مفاہیم بھی انہیں سمجھائے اور انہیں وہ دانائی عطا فرمائے جو اس کی وضاحت کر دے۔ حضور اکرم ﷺ نے کتاب اللہ کی وضاحت فرمائی، جسے سمجھنے کے لئے آپ ﷺ کی حدیث بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنا قرآن کریم۔ حدیث کا منکر بھی ویسا ہی کافر ہے جیسا قرآن کا منکر کافر ہے۔ اس لئے کہ حدیث کے بغیر قرآن حکیم کے مفہوم کی سمجھ ہی نہیں آتی۔

حدیث کیا ہے؟ سیدنا عائشہ صدیقہ حبیبہ حبیب کبریا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُم المومنین سے کسی نے سوال کیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کے اخلاق کریمانہ کے بارے کچھ ارشاد فرمایئے تا کہ میرا دل روشن ہو۔ انہوں نے مختصر سا جواب دیا، فرمایا: نبی کریم ﷺ کے اخلاق کریمانہ کی حقیقت یہ ہے کہ آپ حضور اکرم ﷺ کی عظمت سے آشنا ہونا چاہتے ہیں تو پھر قرآن ہی پڑھیں۔ قرآن آپ ﷺ کے سارے اخلاق کریمانہ کو بیان کرتا چلا جاتا ہے۔

کتاب وحکمت کی تعلیم اور تزکیہ:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۖ اور سب سے بڑی بات یہ کہ کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور ان کے باطن کا تزکیہ کرتے ہیں۔ دل کا تزکیہ ہو جائے، پاکیزگی آ جائے، دل روشن ہو جائے، اس تزکیے کا حاصل کیا ہوگا، تزکیے کا ثواب کیا ملے گا؟ اگر کوئی اس کے لئے محنت کرتا ہے، مجاہدہ کرتا ہے، اللہ اللہ کرتا ہے تو اسے کیا پتہ چلے گا کہ اسے تزکیہ نصیب ہو رہا ہے یا نہیں؟ یہ اس کا کردار بتائے گا، اس کی اپنی سوچ بتائے گی، اس کے دل میں جو نیت ہے وہ بتائے گی، اگر نیت صالح ہے تزکیہ ہو

رہاہے، سوچ صالح ہے تزکیہ ہو رہا ہے، اعمال صالح ہیں تو ثواب مل رہا ہے اور اگر رات دن تسبیحات پڑھ پڑھ کر لوگوں سے مال چھین رہا ہے، لوگوں کی عزت لوٹ رہا ہے، اخلاق درست نہیں ہوئے، کردار درست نہیں ہوا تو تزکیہ نہیں ہوا۔ اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ میں نے اتنے نفل پڑھے، اتنے سجدے کیے، اتنی تسبیحات پڑھیں۔ ہر عبادت اس بات کی پابند ہے کہ وہ اس طرح کی جائے جیسے کرنے کا حکم محمد رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے اور خلوص دل سے کی جائے۔ اللہ کریم تزکیہ نصیب فرمائے تو اس پر پھل بھی آئے گا، ثواب بھی ہوگا۔

ہمارے ہاں ایک رواج ہو گیا ہے کہ ہر عبادت کو ہم ثواب کے حوالے سے جانتے ہیں، کہ یہ کام کرنے کا اتنا ثواب ہے۔ ثواب کیا ہوتا ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا اور نہ کوئی پوچھتا ہے نہ کوئی بتاتا ہے۔ لوگ جمع کرتے رہتے ہیں اتنا ثواب ہو گیا، اتنا ہو گیا۔ ثواب ہے کیا؟ ثواب کا معنی ہوتا ہے اجرت، مزدوری، بدلہ اور قرآن نے ثواب کو کافروں کے لئے بھی استعمال فرمایا هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○ (المطففین: 36) کافروں کو اور کیا اجرت ملے گی! جیسے ان کے کرتوت ہیں، ویسی اجرت ملے گی یعنی ثواب کو بطور اجرت، بطور بدلہ ارشاد فرمایا۔ مومن کو بھی جو ثواب ملتا ہے وہ کام کا بدلہ ہے۔ آخرت میں جو ملے گا وہ تو انعام ہوگا لیکن ثواب تو یہاں بھی ملتا رہتا ہے۔ جو کام ہم کرتے ہیں اس کا نتیجہ سامنے آتا رہتا ہے۔ اگر ہم نیکی کرتے ہیں تو مزید نیکی کی توفیق اس کا ثواب ہے۔ نماز کا ثواب قرآن نے بتایا اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ نماز بے حیائی اور برائی سے روک دیتی ہے۔ اب ایک آدمی نماز بھی پڑھتا ہے، برائی بھی کرتا ہے، اسے سوچنا پڑے گا کہ میں نماز درست نہیں پڑھتا، طریقے میں غلطی ہے، نیت میں فتور ہے، وضو صحیح نہیں ہے، کہیں نہ کہیں کوئی کمی ہے کہ اس نماز پہ ثواب جو ملنا تھا وہ یہ تھا کہ برائی چھوٹ جاتی، بے حیائی چھوٹ جاتی، وہ چھوٹ نہیں رہی۔ اس کا مطلب ہے میری نماز میں کوئی کمی ہے۔

تزکیۃ القلوب کی اہمیت:

تزکیہ کی بنیاد کیا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرامؓ کا تعلق براہ راست تھا۔ ایک نگاہ میں ایک عام آدمی جس نے کلمہ پڑھا وہ تزکیے سے سرفراز ہو کر صحابیؓ بن گیا۔ مرد بن گئے، خواتین بن گئیں، پڑھے لکھے بن گئے، ان پڑھ بن گئے۔ بات کیا تھی؟ قلب اطہر محمد رسول اللہ ﷺ سے جو نور کی لہر اٹھی اس کے دل کو منور کر گئی۔ ایک نگاہ نے بیڑا پار کر دیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو ڈاکو، چور تھے، لوٹ کر کھاتے تھے ان کا تزکیہ ہوا، خود بھوکے رہتے اور دوسروں کو کھلاتے تھے۔ یعنی سو فیصد تبدیلی آ گئی جو اپنی ذات کے لئے

لڑتے ان کی تلواریں راہ حق میں اٹھنا شروع ہوگئیں، جو بکھرے ہوئے تھے وہ متحد ہو گئے، جو گمراہ تھے وہ لوگوں کے رہنما بن گئے:

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

تزکیے کی بنیاد ہے حضور اکرم ﷺ سے تعلق، جنہیں براہ راست نصیب ہوگیا وہ صحابیؓ ہو گئے۔ جنہوں نے صحابہؓ کو دیکھا اور ان کے سینے سے پرتو جمال ان کے سینے میں آیا، وہ تابعی ہو گئے۔ جنہوں نے تابعین کو دیکھا اور وہ نور جو ان کے سینے میں تھا ان کے سینے میں منعکس ہوا تبع تابعی ہو گئے اور اس کے بعد وہ سلسلہ اولیاء اللہ میں منتقل ہوا۔ بڑے اولوالعزم لوگ، بڑے باہمت لوگ زندگیاں صرف کر کے، محنتیں کر کے انوارات محمدیہ ﷺ کو اپنے دلوں میں منتقل کرتے رہے۔ پھر ان میں بہت مخصوص لوگ ہوئے جن میں یہ قوت بھی اللہ نے دی کہ اس نور کو آگے تقسیم کر سکیں۔ یہ بڑے عجیب، بڑے لاجواب اور بے نظیر لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے وجود سے اللہ کریم نے اپنی رحمتیں وابستہ کر رکھی ہوتی ہیں۔ وہ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ساری زندگی دیکھنا نصیب نہیں ہوا، ملاقات نہیں ہوئی لیکن دردِ دل کو پا گئے۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ قرن میں رہے اور انوارات مدینہ منورہ سے سمیٹتے رہے لیکن ہر چیز کی قدر کا، اس کی قیمت کا اندازہ جاننے کے بعد ہوتا ہے۔

اصل طریقہ کار حصول تزکیہ کا یہ ہے کہ اللہ کے بندوں سے انوارت وبرکاتِ نبوی ﷺ کو حاصل کیا جائے۔ دل میں منتقل کیا جائے۔ دل کا تزکیہ ہو۔ تزکیہ ہوگا تو اس کے ساتھ علوم بھی آئیں گے، مفاہیم بھی آئیں گے، برکات بھی آئیں گی، قرآن کی سمجھ بھی آئے گی، عبادت کی سمجھ بھی آئے گی، عبادت کے اجر کی سمجھ بھی آئے گی، عبادت نصیب ہوگی۔ اگر کردار یہ نہیں ہے تو پھر دھوکا ہے جو بندہ اپنے آپ کے ساتھ کر رہا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جس دعا کا تذکرہ قرآن حکیم کی ان آیات میں فرمایا گیا، اللہ کریم اس کے ثمرات سے ہمیں بھی نوازے:

''یا اللہ! ان میں ایسا عالیشان رسول ﷺ مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات سنائے، ان کے مفاہیم سمجھائے، انہیں اپنے احکام وفرامین سے دانشمند بنادے اور ان کا تزکیہ کر دے، انہیں پاک نفس بنادے، پاک دل بنادے، روشن سینہ کر دے، چشم بینا کر دے، اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ بے شک تو غالب ہے اور تو حکمت والا ہے''۔

سورۃ البقرہ رکوع 16 آیات 130 تا 141

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي
الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ
اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ
اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ؕ اَمْ كُنْتُمْ
شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ
بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا
وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ
وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَقَالُوْا كُوْنُوْا
هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ
وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَاۤ
اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ
مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا
فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ؕ
صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ
اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ

وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ
وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ
وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

اور ابراہیم (علیہ السلام) کے دین سے کون رُوگردانی کرسکتا ہے سوائے اس کے جو بہت نادان ہو اور یقینا ہم نے ان کو دنیا میں بھی پسند کیا اور آخرت میں بھی وہ یقینا صالحین میں شمار ہوں گے ﴿۱۳۰﴾ جب ان کو ان کے پروردگار نے فرمایا اطاعت اختیار کرو تو انہوں نے کہا میں نے جہانوں کے پالنے والے کی اطاعت اختیار کی ﴿۱۳۱﴾ اور ابراہیم (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) اپنے بیٹوں کو اس کا حکم کر گئے کہ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے تمہارے لئے (یہی) دین پسند کیا ہے پس اگر موت آئے تو مسلمان ہونے پر ہی آئے ﴿۱۳۲﴾ کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب (علیہ السلام) کو موت آئی جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے کہا آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق (علیہم السلام) کے معبود کی جو اکیلا معبود ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں ﴿۱۳۳﴾ یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی جو اس نے کمایا وہ اس کے لئے ہے اور جو تم کماؤ گے وہ تمہارے لئے ہے اور تم سے ان کے اعمال کے بارے نہ پوچھا جائے گا ﴿۱۳۴﴾ اور کہتے ہیں یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو سیدھے راستے پر آ جاؤ گے (ان سے) کہو بلکہ (ہم تو) دین ابراہیم (علیہ السلام) (کی پیروی کرتے ہیں) جو ایک اللہ کے ہو رہے تھے اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے ﴿۱۳۵﴾ کہو ہم ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور جو ہم پر نازل ہوا اور جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد پر نازل ہوا اور جو عطا ہوا موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو اور جو (دوسرے)

نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے عطا ہوا ہم ان میں سے کسی ایک میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (اللہ واحد) کے فرمانبردار ہیں ﴿۱۳۶﴾ پھر اگر وہ بھی ایسا ایمان لائیں جیسا تم لائے ہو تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر پھر جائیں تو وہ تمہارے دشمن ہیں پس تمہارے لئے ان کے مقابل اللہ کافی ہیں اور وہ سننے والے (اور) جاننے والے ہیں ﴿۱۳۷﴾ رنگ دیا ہے اللہ نے اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہو سکتا ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں ﴿۱۳۸﴾ کہو کہ تم ہمارے ساتھ اللہ کے بارے جھگڑتے ہو؟ اور وہ ہمارا پروردگار اور تمہارا پروردگار ہے اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال اور ہم خالص اُسی کی عبادت کرنے والے ہیں ﴿۱۳۹﴾ کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم (علیہ السلام) اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) یا ان کی اولاد یہودی تھے یا نصرانی تھے تو کہئے کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ؟ اور جو شخص اللہ کی طرف سے پہنچی ہوئی شہادت کو چھپائے اس سے بڑا ظالم کون ہوگا اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے ﴿۱۴۰﴾ یہ ایک جماعت تھی کہ گزر گئی انہوں نے جو کمایا وہ ان کے لئے ہے اور جو تم نے کمایا وہ تمہارے لئے ہے اور جو عمل وہ کرتے تھے اس کے بارے تم سے نہ پوچھا جائے گا ﴿۱۴۱﴾

خلاصۂ تفسیر و معارف

ملت ابراہیمی تمام اقوام و ملل کے لئے کسوٹی ہے:

وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقے سے وہی منہ پھیرے گا جو اپنے آپ سے دھوکا کر رہا ہو، جو احمق ہو، بے وقوف ہو اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ؕ ایسا شخص جو اپنے آپ کو دھوکے میں رکھنا چاہتا ہو، وہ ملت ابراہیمی سے روگردانی کرے گا۔ اپنے آپ کے ساتھ دھوکے سے کیا مراد ہے؟ جو آدمی اتباع شریعت نہیں کرتا اور خود کو بہت بڑا حق پرست سمجھتا ہے یا وہ لوگ جو دین سے محروم ہیں اور کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں اور خود کو حق پر سمجھے ہوئے ہیں، یہ لوگ اپنے آپ کے ساتھ دھوکا کر رہے ہیں۔ یہ منوانا چاہتے ہیں کہ ہم نیک ہیں حالانکہ حق یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں جو بات قبول ہو وہی

درست ہے۔ کافر نے تو خیر اپنے آپ کو بہت بڑے دھوکے میں رکھا ہوا ہے لیکن جو مسلمان ہونے کا مدعی ہے اور جسے اللہ نے دین نصیب کیا ہے، اس کے لئے بھی شرط یہ ہے کہ عقائد سے لے کر اعمال تک اللہ کے احکام کی پیروی کرے، اپنی طرف سے باتیں جوڑ کر عقیدے نہ گھڑتا رہے۔ اگر ایسا کرے گا تو جسے وہ نیکی سمجھے گا، وہ جرم ہو گا لیکن وہ خود کو بڑا پارسا سمجھ رہا ہو گا۔ نیکی کی کسوٹی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

حضرت ابرٰہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو طریقہ کار رہا ہے، اگر اس سے کوئی ہٹتا ہے تو وہ اپنے آپ کے ساتھ دھوکا کر رہا ہے اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے وہ مقبول بندے ہیں کہ ہم نے انہیں دنیا میں بھی اپنی رحمت، احسانات، کرم کے لئے منتخب کر لیا تھا وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وہ خلیل اللہ تھے اور وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۳۰ اور آخرت میں بھی ان کا شمار اللہ کے مقرب بندوں میں ہے۔ دنیا و آخرت میں وہ سربلند ہیں تو جو ان کے طریقے کار کو چھوڑے گا، ان کی ملت کو چھوڑے گا، حماقت اور خود فریبی میں مبتلا ہو گا۔

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے، بہت دفعہ لوگوں نے پوچھا بھی ہے کہ ہم اتباع کرتے ہیں آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اور کہا جاتا ہے ملتِ ابراہیمی! اللہ کریم نے اس کی وضاحت فرما دی ہے کہ ملتِ ابراہیمی ہے کیا؟ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ ملتِ ابراہیم علیہ السلام سے کون منہ پھیرے گا، سوائے اُس بدنصیب کے جو اپنے آپ کے ساتھ دھوکا کر رہا ہو اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۚ

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۳۱ جب اللہ نے انہیں حکم دیا کہ آپ علیہ السلام میری فرماں برداری اختیار کریں تو انہوں نے فرمایا، سرِ تسلیم خم ہے اور جو اللہ کا حکم ہے میں اس کا اطاعت گزار ہوں۔ ابراہیم علیٰ نبیناء وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریق کیا ہے کہ ہر کام میں اللہ کی اور اللہ کے حبیب ﷺ کی غیر مشروط اطاعت کی جائے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے ہمارے سلسلے کو نقشبندیہ اویسیہ کہا جاتا ہے حالانکہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ زندگی بھر بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر نہیں ہو سکے۔ ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے، اپنی مجبوریوں کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکے لیکن عشقِ رسول ﷺ کا یہ عالم تھا کہ سینکڑوں میل دور رہ کر بھی انہوں نے وہ توجہ حاصل کی جس نے انہیں بہت اعلیٰ مقام پہ پہنچا دیا۔ فاصلوں کے باوجود انہوں نے برکاتِ نبوی ﷺ اس قدر سمیٹیں کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد تم میں سے کسی کو اس طرف جانا نصیب ہو تو اویس سے ملنا، اسے میرا سلام کہنا اور اسے کہنا میری اُمت کے لئے دعا کرے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں انہیں

تلاش کر کے وہاں پہنچے اور نبی کریم ﷺ کا سلام پہنچایا اور دعا کے لئے آپ ﷺ کا حکم ان تک پہنچایا۔

ہمارے سلسلے میں بھی سالک المجذوبی سے آگے سالک کا جسمانی طور پر موجود ہونا شرط نہیں بلکہ دنیا کے کسی گوشے میں بھی ہو، اسے برکات اور انوارات وہاں پہنچتے رہتے ہیں یعنی طریقہ کار وہ ہے جو اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔ ہمارے سلسلے کے لوگوں کا اپنے شیخ کے ساتھ اسی طرح کا تعلق ہوتا ہے، اس لئے اسے نسبت اویسیہ کہتے ہیں۔

ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی غیر مشروط اطاعت کی جائے۔

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

اسے کہتے ہیں ملت ابراہیمی اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ جب اللہ نے انہیں حکم دیا کہ سر تسلیم خم کر دیجئے تو قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ انہوں نے عرض کیا کہ میں کائنات کے پروردگار کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔ نہ صرف یہ بلکہ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو بھی یہی وصیت کی: يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ اے میرے جگر گوشو! اللہ نے تمہارے لئے دین حق پسند فرمالیا ہے فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ تمہیں موت اسلام پر اور تسلیم ورضا پر آئے۔ تسلیم اور اسلام کا مصدر ایک ہی ہے اور اس سے مراد اطاعت گزاری ہے۔ لہٰذا آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آقائے نامدار ﷺ تک ہر نبی نے جو بات بتائی وہ حق تھی اور اس کی اطاعت اسلام تھا، جس نے بھی تسلیم کیا وہ مسلمان ہی تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ لوگو! کیا تمہیں پتہ ہے! جب حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت کا وقت آیا، تم موجود نہیں تھے لیکن اللہ کریم فرماتا ہے کہ میں تمہیں بتاتا ہوں: دنیا سے رخصت ہوتے وقت انہوں نے بیٹوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا: اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ ۭ میں تو دنیا سے جا رہا ہوں میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ ۭ میرے ساتھ تو تم اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتے ہو، میرے بعد تمہارا طریقہ کار کیا ہوگا: قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ انہوں نے عرض کی اباجان، ہم اسی رب کی، اسی پروردگار کی، اسی مالک کی عبادت کریں گے جو آپ علیہ السلام کا معبود ہے۔

یہ بڑی غور طلب بات ہے کہ اللہ کو اس طرح ماننا شرط ہے جس طرح اللہ کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام منواتا ہے۔ کوئی اپنی طرف سے بات گھڑ لے جو نبی کریم ﷺ نے نہ بتائی ہو اور وہ اللہ کی طرف نسبت کر کے مانے تو یہ غلط ہوگا۔ اللہ کریم کی ذات اور صفات کا ماننا شرط ہے جو نبی کریم ﷺ یا اللہ کا نبی یا اللہ کا رسول منواتا ہے اس لئے انہوں نے کہا، ہم اسی کی عبادت کریں گے جو آپ علیہ السلام کا معبود ہے۔ اس کی ذات اور اس کی صفات کے بارے جو عقیدہ آپ علیہ السلام کا ہے، وہی ہمارا ہے اور ہم اسی پر زندہ رہیں گے اور انشاء اللہ اسی پر ہماری موت ہوگی۔ آپ علیہ السلام کے آباؤ اجداد ابراہیم علیہ السلام اسمٰعیل علیہ السلام، اسحٰق علیہ السلام، یہ سارے اللہ کے نبی تھے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جن صفات سے آگاہ فرمایا' ان صفات کے ساتھ اس کو مان کر ہم اس کی عبادت کریں گے وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۝ اور ہمارا سر تسلیم خم ہوگا اس کے ہر حکم کے ساتھ، یہی اسلام ہے۔

ہمیں ایک غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ ہم کچھ رسومات گھڑ لیتے ہیں اور انہیں دین سمجھ لیتے ہیں۔ بعض رسمیں ایسی ہوتی ہیں جو شرعاً منع نہیں ہیں لیکن اگر اس رسم کو رسم سمجھا جائے، پھر تو منع نہیں ہے۔ اگر اس رسم کو عبادت سمجھا جائے تو پھر ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو، اللہ کی کتاب سے ثابت ہو، اللہ کے حبیب ﷺ سے ثابت ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر وہ بے دینی بن جاتی ہے:

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ یہ ایک مقدس جماعت تھی جو دنیا سے گزر گئی۔ اب تم اسی بات کو پکڑ کر بیٹھ رہے ہو کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی، حضرت یعقوب علیہ السلام کی یا حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں۔ اولاد میں ہونے سے تب فرق پڑے گا جب ان کا اتباع بھی کرو۔ پھر تو سونے پہ سہاگہ ہو گیا لیکن اگر اتباع چھوڑ دو گے تو پھر اولاد ہونے کا تم پر مزید جرم عائد ہوگا کہ اولاد ہو کر بھی تم نے اتباع چھوڑ دیا۔ یہ نیک لوگ تھے، اللہ کے برگزیدہ بندے تھے جو دنیا سے گزر چکے۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ انہوں نے جو کیا، جو کمایا وہ ان کا حصہ ہے وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ تمہارے لئے وہ ہے جو تم خود کرو گے، تمہارا اپنا عقیدہ، اپنے اعمال پیش آئیں گے۔

وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ تم سے کوئی یہ نہیں پوچھے گا کہ انہوں نے کیا عمل کیے۔ اسی طرح کوئی کسی کے اعمال کا جواب دہ نہیں ہے بلکہ ہر کوئی جو وہ خود کرے گا اس کا اجر پائے گا۔ اگر تم ان کی اولاد ہونے کے دعوے دار ہو تو ان کا اتباع بھی کرو۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں، یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو ہدایت ملے گی جب کہ ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ ہمارے پاس دین ابراہیمی ہے۔ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ ان سے کہیے کہ سچا راستہ ملت ابراہیمی ہے جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی غیر مشروط اطاعت ہے۔ یہ بات

یادرکھلو وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ ابراہیم علیہ السلام شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے لیکن تم تو مشرک ہو۔تم جونصرانی کہلاتے ہو،تم نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مان لیا، یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مان لیا،تم شرک میں مبتلا ہو اور ابراہیم علیہ السلام تو اللہ کے کھرے بندے تھے۔وہ مشرکوں میں سے تو نہیں تھے اور تم دعویٰ کرتے ہو ان کی ملت ہونے کا!

تمام انبیاءؑ ایک ہی دین پر تھے:

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ مسلمانو! یہ کہہ دو، ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ محمد رسول اللہ ﷺ پر بذریعہ وحی نازل ہوا اس پر ایمان رکھتے ہیں، جو ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوا اس کو حق مانتے ہیں، جو اسمٰعیل علیہ السلام پر نازل ہوا اس کو حق مانتے ہیں، حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے جتنے نبی ہوئے، جو کچھ ان پر نازل ہوا، اس کو حق مانتے ہیں اور جو موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوا حتیٰ کہ اللہ کے تمام انبیاء پر جو احکام باری نازل ہوئے، ان سب کو ہم حق سمجھتے ہیں۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ ہم کسی نبیؑ میں تفریق نہیں کرتے کہ کسی نبی کی نبوت کا انکار کردیں۔

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ لئے کہ ہم اللہ کے اطاعت گزار ہیں۔جنہیں اس نے نبوت دی، وہ نبوت برحق ہے۔ان پر جو کتاب نازل ہوئی وہ کتاب برحق ہے۔اس پر ہمارا ایمان ہے، ایسا ہی ایمان اس پر بھی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا ہے۔ہاں، اطاعت واتباع اس کی ہوگی جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔جو پہلے نبیوں پر نازل ہوا، وہ بھی حق ہے لیکن وہ اپنے وقت کے لئے تھا اور وہ وقت گزر گیا۔وہ اللہ کا فرمان تھا اور اللہ کا فرمان ہمیشہ حق ہوتا ہے۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ اب اگر کفار، یہود ونصاریٰ اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم لائے ہو تو ہدایت یافتہ ہوں گے۔اس کے مخاطب اوّل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں اور پھر اس کے مخاطب قیامت تک کے وہ مسلمان ہیں جو راہ حق پر ہیں، جن کا عقیدہ اور کردار درست ہے اور یہی بعد میں آنے والوں کے لئے باعث عظمت ہے لیکن نزول قرآن کے وقت اس کے مخاطب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے جنہیں اس آیت میں مثالی مسلمان قرار دیا۔فرمایا، یہود ونصاریٰ یا دوسرے جو دین کے دعوے دار ہیں اگر وہ اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم لائے فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ تو پھر

انہوں نے بھی ہدایت پالی۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا اگر وہ عقیدہ اختیار نہیں کرتے فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ تو پھر وہ بدبخت محض تمہاری دشمنی کی وجہ سے الگ ہو رہے ہیں، اپنا ایمان ضائع کر رہے ہیں فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ اے مومنین! اگر کفار برگشتہ بھی ہو جائیں تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں، اس لئے کہ تمہیں اللہ ہی کافی ہے۔ شرط یہ ہے کہ تمہارا عقیدہ اور کردار درست ہوں وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ اور وہ سننے والا ہے، علم والا ہے، ہر بات جانتا ہے، ہر بات سن رہا ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ روئے زمین پر صرف مسلمان خوار ہو رہے ہیں اور کفار ان پر غالب آ رہے ہیں لیکن ہم یہ بات بھول جاتے ہیں کہ قرآن کریم نے ہمیں جو حکم دیا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان ہم تب ہیں جب ہمارا عقیدہ اور عمل رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے عقیدے اور عمل کے مطابق ہوں۔

ایک ہی رنگ، اللہ کا رنگ:

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ تمہیں اللہ کافی ہے وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ وہ سنتا بھی ہے، وہ علم بھی رکھتا ہے اور یاد رکھو، مسلمان کیا ہے! صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ مسلمان اللہ کا رنگ ہے یعنی ایک بندے کو کوئی دیکھے تو کہے، مسلمان ہے۔ اس سے بات کرے تو سمجھ آئے کہ مسلمان ہے۔ لین دین کرے تو پتہ چلے یہ مسلمان ہے۔ اس پر ایک رنگ چڑھ جاتا ہے، اللہ کا رنگ کہ ہر بات میں وہ اللہ کی بات کرتا ہے، ملتا ہے تو اللہ کی رحمت پیش کرتا ہے، بچھڑتا ہے تو اللہ کی رحمت پیش کرتا ہے، بات کرتا ہے تو بسم اللہ سے کرتا ہے، الحمد للہ کہتا ہے، اٹھتا بیٹھتا ہے تو اللہ اکبر کہہ کر، کھاتا پیتا ہے تو اللہ کا نام لے کر، ایک رنگ ہے اللہ کا جس میں وہ رنگا ہوا ہے وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اور اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ اچھا ہو سکتا ہے! عیسائیوں میں بچہ پیدا ہو تو اسے رنگدار پانی میں ڈبو کر کہتے ہیں، اب یہ رنگا گیا، عیسائی ہو گیا۔ فرمایا، رنگ یہ نہیں ہے، رنگ وہ ہے جو بندے کو ایمان، عقیدے، نظریے سے لے کر کردار تک رنگ دے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ بڑی حسرت سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر آج کوئی صحابیؓ دنیا میں واپس آ جائے تو وہ ہمیں دیکھ کر پریشان ہو جائے کہ یہ خود کو مسلمان کہلواتے ہیں، یہ مسلمانی ہے! اور آج کا مسلمان اسے دیکھ کر کہے گا، یہ کوئی پاگل ہے! اتنا فاصلہ ہو گیا ہے حقیقی اسلام میں اور اس میں جو اسلام سمجھ کر ہم اپنائے بیٹھے ہیں۔ اسلام تو اللہ کا رنگ ہے، سر سے پاؤں تک، ظاہر سے باطن تک!

وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وہ تو ایسا ہے کہ ہمارا پالنہار بھی وہی ہے اور تمہارا پالنہار بھی وہی ہے۔ وہ تمہیں

بھی زندگی، رزق روزی، سمع بصارت دے رہا ہے اور ہمیں بھی، اور ایک بات یاد رکھو! وَلَنَآ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ ۚ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں وَنَحۡنُ لَهٗ مُخۡلِصُوۡنَ ﴿۱۳۹﴾ ہم اللہ کے لئے خالص ہیں، ہم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے اطاعت گزار ہیں۔

اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطَ كَانُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى ؕ تم کہتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے! فرمایا: ءَاَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ وحدہٗ لاشریک جانتا ہے! جب اللہ بتا رہا ہے کہ ان کی ملت کیا تھی، ان کا دین کیا تھا، تم کون ہوتے ہو بات گھڑنے والے! تمہاری حقیقی اور اصل کتابیں تمہارے پاس ہیں، ان میں یہ بات موجود ہے کہ وہ اللہ کو وحدہٗ لاشریک سمجھتے تھے لیکن تم اس بات کو چھپاتے ہو تو اس سے بڑا ظالم کون ہوگا!

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَتَمَ شَهَادَةً عِنۡدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس کے پاس اللہ کی طرف سے شہادت موجود ہو لیکن وہ لوگوں سے اسے چھپالے۔ تمہاری کتابوں میں حق موجود ہے کہ اللہ واحد ہے، لاشریک ہے لیکن تم لوگوں سے چھپا لیتے ہو!

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۰﴾ اللہ تمہارے کردار سے غافل نہیں ہے، تم اللہ سے نہیں چھپا سکتے۔ وہ دیکھ رہا ہے، وہ سن رہا ہے، حساب کا، محاسبے کا وقت آرہا ہے، تمہیں جواب دینا ہوگا اور وہ لوگ! تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ وہ ایک جماعت تھی، اللہ کی برگزیدہ جماعت، اللہ کے نبی، اللہ کے رسول، اللہ کے پیارے بندے، قَدۡ خَلَتۡ وہ دنیا سے تشریف لے جاچکے۔ اپنے حصے کا کام کر کے، اپنے وقت میں اللہ کی اطاعت کر کے، اس کے دین کی خدمت کر کے، اللہ کے بندوں پر احسان کر کے، کرم فرماتے ہوئے وہ دنیا سے تشریف لے جاچکے۔

تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتۡ جو کچھ انہوں نے اطاعت گزاری کی، اس کے انعام کے مستحق وہ خود تھے، تم نہیں وَلَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ ۚ اور تمہیں وہ ملے گا جو تم کر رہے ہو وَلَا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۱﴾ تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے تم سے وہ پوچھا جائے گا جو تم کر رہے ہو۔

OUR CONTACT

WEBSITES: www.owaisiah.com
www.oursheikh.com

EMAIL: ameer@lhr.comsats.net.PK
darulirfan@gmail.com

مُفَسِّرِ قرآن

مولانا محمد اکرم اعوان

کے قلم سے چھ جلدوں پر مشتمل منفرد تفسیر

اسرار التنزیل

اسرار المعارف کے حوالے سے

فہم القرآن میں ہر قاری کے لیے مددگار

علما اور تفسیر کے طلبا کے لیے علم و حکمت کا انمول خزانہ

اور سالکین طریقت کے لیے راہِ سلوک میں راہنما ہے۔

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دار العرفان منارہ

ضلع چکوال

اویسیہ کتب خانہ، اویسیہ سوسائٹی

کالج روڈ، لاہور

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی قرآن تفسیر

حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی

اردو تفسیر آڈیو، وڈیو اور لکھی ہوئی تینوں طرح کی دیکھیں، سنیں یا ڈاؤن لوڈ کریں۔

پنجابی تفسیر وڈیوز دیکھیں ڈاؤن لوڈ کریں۔ قرآن کا اردو ترجمہ اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کا اردو ترجمہ آڈیو۔ کمپیوٹر اور موبائل پر سننے کے لیے ڈاؤن لوڈ کریں۔ حضرت جی کا کلام حمد اور نعتیں آڈیو وڈیو سنیں اور ڈاؤن لوڈ کریں۔

دلچسپ سوال جواب پر مشتمل ٹی وی پروگرام اَلمرشد کی تمام 125 اقساط کی وڈیوز دیکھیں

www.QuranTafseer.net

حضور نبی پاکؐ کے حضور آج بھی روحانی طور پر حاضری ممکن ہے اور ہزاروں مرد و خواتین یہ سعادت رکھتے ہیں۔ لیکن کیسے؟

تصوف تزکیہ روحانیت ، ذکر، روحانی سلسلہ ، روح، کشف، بیعت ان تمام موضوعات کو سمجھنے کے لیے حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کے وڈیو بیانات اور کتابیں موجود۔

طریقہِ ذکر جس سے دل سے لے کر جسم کا ہر باڈی سیل اللہ اللہ ذکر کرنے لگ جائے۔

حضور نبی پاک ﷺ کے حضور روحانی طور پر حاضری کی سعادت۔

یہ سب کچھ سمجھنے کے لیے اور مکمل رہنمائی کے لیے ویب سائیٹ وزٹ کریں۔

اس پوسٹ کو زیادہ سے زیادہ شیئر کر کے آپ بھی اس نیک کام کا حصہ بنیں۔